ہر گھر کیلئے

جلد 38 شمارہ 9
ستمبر 2016
قیمت -/60 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامیات

انٹرویو

سلسلے وار ناول

انشاء نامہ

مکمل ناول

☆☆☆

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماهنامه حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون: 042-37310797, 042-37321690 ای میل ایڈریس:
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

قارئین کرام! ستمبر 2016ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

جب بھی ہمارے ملک وقوم پر کڑی آزمائش کا وقت آیا۔ عوام سے قربانیوں کا تقاضا کیا گیا۔ صد آفریں کہ ہمارے عوام نے ہمیشہ بے لوث ایثار کا جذبہ دکھایا۔ لیکن افسوس کہ ہمارے ہاں ایک عام شہری انتہائی تکلیف دہ حالات سے ہی دوچار رہا۔ صحت وصفائی، علاج معالجے اور تعلیم روزگار کی سہولتیں تمام ہونے کی بجائے عام آدمی کی دسترس سے باہر ہوگئیں ہیں۔ دوسری طرف ایک مخصوص مراعات یافتہ طبقہ ہمارے ملک کے وسائل پر قبضہ کیے بیٹھا ہے بجائے اس کے کہ ان سے جواب طلبی کی جائے یا ان سے مراعات واپس لی جائیں۔ طرح طرح کے ٹیکس لگا کر عوام کو ہی قربانی کا بکرا بنایا جاتا ہے۔ نہ جانے یہ صورت حال کب تبدیل ہوگی۔ کب عوام کو سنائی جانے والی "خوشخبری" ان کی زندگی میں خوشحالی لائے گی۔ خدا کرے کہ وہ دن جلد آئے آمین۔

آیئے یوم دفاع پاکستان کے دن ہم سب ایک ہوکر 1965ء والا جذبہ دلوں میں جگا کر عہد کریں کہ مل جل کر اس وطن کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کا مقابلہ کریں گے۔ اسی ماہ کے دوسرے ہفتے عیدالضحیٰ کا تہوار آرہا ہے قارئین کو ہماری طرف سے دلی عید مبارک۔ عیدالضحیٰ کو اس لحاظ اہمیت حاصل ہے کہ یہ قربانی کے ایک عظیم واقعے کی یاد میں منائی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت واطاعت کی اعلیٰ وارفع مثال ہے۔

عیدالضحیٰ کا مقصد درحقیقت اللہ کی راہ میں اپنی عزیز شے قربان کرنے اور اس کی مخلوق کے لئے ایثار و محبت کا جذبہ پیدا کرنا ہے۔ آج کے دور میں نمود ونمائش کا جذبہ اس قدر بڑھ گیا ہے کہ اصل مقصد کہیں پیچھے ہی رہ جاتا ہے ہمیں چاہیے کہ اپنے اس مذہبی تہوار کو دولت کی نمائش کا ذریعہ نہ بنائیں بلکہ اس کی اصل روح کے ساتھ منائیں۔ خلوص نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے قربانی کریں اور اس موقع پر ان لوگوں کو بھی یاد رکھیں جو یہ خوشیاں حاصل کرنے کی استطاعت سے محروم ہیں، ہماری دعا ہے کہ عید کا یہ خوشیوں بھرا تہوار آپ کے لئے مسرت وشادمانی کے ان گنت پیغامات لائے آمین۔

<u>اس شمارے میں:</u>۔ ایک دن حنا کے ساتھ میں سباس گل اپنے شب وروز کے ساتھ، صوفیہ چشتی اور مصباح نوشین کے مکمل ناول، درثمن اور نوال احمد کے ناولٹ، عریشہ راجپوت، قرۃ العین خرم ہاشمی، فرح طاہر، حفصہ طفیل، رمشا احمد کے افسانے، ام مریم اور نایاب جیلانی کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

یا رب مہر کی نظر چاہتا ہوں
میں ظلمت کدے میں نور سحر چاہتا ہوں

تیری بندگی اور اطاعت کے صدقے
عنایات کے بحر و بر چاہتا ہوں

جو دل میں محبت کی شمعیں جلا دے
میں اس گفتگو کا ہنر چاہتا ہوں

ملے روشنی مجھ کو حمد و ثنا سے
میں یہ سلسلہ عمر بھر چاہتا ہوں

ہو بستی پہ میری کرم تیرا مولا
میں لطف و عطا سر بسر چاہتا ہوں

مہر اقبال

تیری ذات باصفاء نے ہمیں کیا سے کیا بنایا
کہیں اُمتی بنایا کہیں مصطفوی بنایا

تو رسولؐ بے مثل بھی ہے اور آخری نبیؐ بھی
کہیں بے مثل بنایا ختم الرسل بنایا

وہ جو تھام لے تیرا دامن اسے کیا غم زمانہ
کہیں دل ستاں بنایا کہیں دلربا بنایا

طلع البدر گایا یثرب کی بچیوں نے
کہیں بچیوں نے گایا کہیں بیبیوں نے گایا

سارے نبیؐ ہیں ارفع سارے نبیؐ ہیں اعلیٰ
تجھ کو مگر خدا نے المصطفےٰ بنایا

نسبت سے تیری مجھ کو یہ جو حوصلہ ملا ہے
کہیں مدح خواں بنایا کہیں حمد خواں بنایا

منیر عالم

سید اختر ناز

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربانی

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو چتکبرے اور سینگوں والے مینڈھوں کی قربانی دیا کرتے تھے اور (ذبح کرتے وقت) بسم اللہ اور تکبیر پڑھتے تھے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی گردن پر قدم مبارک رکھ کر اپنے ہاتھ سے انہیں ذبح کرتے دیکھا۔

فوائد و مسائل:۔

۱۔ عید الاضحیٰ کے موقع پر صاحب استطاعت کو کم از کم ایک بکری، مینڈھا، گائے یا اونٹ کے ایک حصے کی قربانی کرنا ضروری ہے۔

۲۔ ایک سے زیادہ جانوروں کی قربانی بھی جائز بلکہ افضل ہے۔

۳۔ گھر کے فرد کو اپنے ہاتھ سے قربانی کا جانور ذبح کرنا چاہیے، تاہم کوئی دوسرا شخص بھی ذبح کرسکتا ہے۔

۴۔ قربانی کا جانور عمدہ اور خوبصورت ہونا چاہیے۔

۵۔ ذبح کرتے وقت جانور کے جسم پر پاؤں رکھنے کا مقصد یہ ہے کہ جانور قابو میں رہے اور بھاگنے کی کوشش نہ کرے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربانی

حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قربانی کرنا چاہتے تو دو بڑے بڑے، موٹے تازے، سینگوں والے چتکبرے اور صحت مند مینڈھے خریدتے، ایک اپنی امت کی طرف سے ذبح فرماتے، یعنی امت کے ہر اس فرد کی طرف سے جو اللہ کی توحید کی گواہی دیتا ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام پہنچانے (اور رسول ﷺ ہونے) کی گواہی دیتا ہو اور دوسرا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کی طرف سے ذبح کرتے۔

فوائد و مسائل:۔

۱۔ قربانی کے جانور عمدہ ہونے چاہئیں۔

۲۔ جانور ظاہری شکل وصورت میں بھی اچھا ہونا چاہیے اور موٹا تازہ اور صحت مند بھی۔

۳۔ خصی جانور کی قربانی درست ہے، اسے عیب شمار نہیں کیا جاتا۔

۴۔ گھر کے تمام افراد کی طرف سے ایک جانور کی قربانی کافی ہے۔

۵۔ کسی اور کی طرف سے قربانی کرنا درست ہے۔

۶۔ میت کی طرف سے قربانی کرنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمومی عمل سے استدلال اس لئے صحیح نہیں کہ بعض علماء کے نزدیک وہ آپ کا خاصہ ہے جس میں امت کے لئے آپ کی اقتدا جائز نہیں، (دیکھیے، ارواء الغلیل ۴۰/۳۵۴) علاوہ ازیں خیر

القرون (صحابہ تابعین کے بہترین ادوار) میں بھی میت کی طرف سے قربانی کرنے کا ثبوت نہیں ملتا، صرف ایک نقطہ نظر سے اس کا جواز ہو سکتا ہے کہ میت کی طرف سے صدقہ کرنا جائز ہے، یعنی ایصال ثواب کے طور پر اس کا انکار کرنا ممکن نہیں ہے، واللہ اعلم۔

قربانی واجب ہے یا نہیں؟

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جس کے پاس (قربانی کرنے کی) گنجائش ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو اسے چاہیے کہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔''

فوائد و مسائل:۔

☆ اس حدیث سے بظاہر قربانی کا وجوب ثابت ہوتا ہے لیکن دوسرے دلائل سے اس کا استحباب واستنان معلوم ہوتا ہے، اس لئے محدثین نے ان سارے دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلہ کیا ہے کہ قربانی سنت موکدہ ہے، یعنی ایک اہم اور موکد حکم ہے، فرض نہیں، تاہم استطاعت کے باوجود اس سنت موکدہ سے گریز کسی طرح بھی صحیح نہیں۔

☆ قربانی مسلمانوں کی اجتماعیت کا مظہر ہے اور اس سے آپس کے تعلقات بہتر ہوتے ہیں۔

☆ قربانی نہ کرنے والا مسلمانوں کی خوشیوں میں شریک ہونے کا حق نہیں رکھتا، تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسے نماز عید پڑھنے کی ضرورت نہیں بلکہ مقصد اسے تنبیہ کرنا ہے تاکہ وہ قربانی ترک نہ کرے۔

قربانی کا ثواب

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''قربانی کے دن آدم کا بیٹا کوئی ایسا عمل نہیں کرتا جو اللہ کو خون بہانے (جانور کی قربانی کرنے) سے زیادہ محبوب ہو، وہ (جانور) قیامت کے دن اپنے سینگوں، کھروں اور بالوں سمیت آئے گا (اور نیکی کے پلڑے میں رکھا جائے گا) قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے ہاں قبولیت کا مقام حاصل کر لیتا ہے، اس لئے خوش دلی سے قربانی کیا کرو۔''

ثواب

حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحابؓ نے کہا۔

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ قربانیاں کیا ہیں؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہیں۔''

انہوں نے کہا۔

''اس میں ہمارے لئے کیا (ثواب) ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''ہر بال کے بدلے نیکی ہے۔''

انہوں نے کہا۔

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اون؟''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اون کے بھی ہر بال کے بدلے نیکی ہے۔''

کون سی قربانی مستحب ہے؟

حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سینگوں والے نر مینڈھے کی قربانی دی، وہ سیاہی میں کھاتا، سیاہی میں چلتا اور سیاہی میں دیکھتا تھا۔"

فوائد و مسائل:۔

ا۔ قربانی کا جانور دیکھنے میں بھی خوبصورت ہونا چاہیے، "نر" (فحیل) سے مراد یہ ہے کہ وہ خصی نہ تھا، نر اور خصی دونوں قسم کا جانور قربانی میں دینا جائز ہے، سیاہی میں کھانے، چلنے اور دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا منہ بھی سیاہ تھا، اس کے پاؤں بھی کالے تھے اور اس کی آنکھوں کے اردگرد کی جگہ بھی سیاہ تھی، اس طرح کی آنکھوں کے اردگرد کی جگہ بھی سیاہ تھی، اس طرح کا مینڈھا خوبصورت سمجھا جاتا ہے، نیز دیکھنے میں بھی خوبصورت اور بھلا لگتا ہے۔

بہترین قربانی

حضرت ابو امامہ باہلیؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"بہترین کفن وہ ہے جو ایک رنگ کی دو چادروں پر مشتمل ہو اور بہترین قربانی سینگوں والا مینڈھا ہے۔"

اونٹ اور گائے کی قربانی کتنے افراد کی طرف سے کفایت کرسکتی ہے؟

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

"ہم لوگ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے کہ عید الاضحیٰ آ گئی، چنانچہ ہم نے دس دس آدمیوں کی طرف سے ایک اونٹ اور سات سات آدمیوں کی طرف سے ایک ایک گائے مشترکہ طور پر ذبح کی۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا، "ہم نے حدیبیہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ایک اونٹ سات افراد کی طرف سے اور ایک گائے سات افراد کی طرف سے ذبح کی۔

فائدہ:۔

پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اونٹ میں دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں اور دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اونٹ میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں، امام مسلم رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت جابرؓ سے متعدد احادیث روایت کی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج میں بھی اور عمرے میں بھی سات آدمیوں کو ایک اونٹ میں شریک کیا، لیکن ان دونوں احادیث میں باہم کوئی تعارض نہیں کیونکہ اونٹ میں دس آدمیوں کی شرکت کا واقعہ عام قربانی کے موقع کا ہے، جبکہ سات آدمیوں کی شرکت کا تعلق حج وعمرہ سے ہے، بنا ازیں حج وعمرہ میں گائے اور اونٹ دونوں میں صرف سات سات افراد ہی شریک ہوں گے، جبکہ عام قربانی میں گائے میں سات اور اونٹ میں دس افراد شریک ہو سکتے ہیں، یہ فرق حدیث سے ثابت ہے۔

کس عمر کی قربانی

حضرت جابرؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"دو دانتے کے سوا کوئی جانور (قربانی میں) ذبح نہ کرو، سوائے اس کے کہ تمہارے لئے (دو دانتا جانور تلاش کرنا) مشکل ہو جائے تو بھیڑ کا جذعہ ذبح کر دو۔"

فائدہ:۔

علامہ البانی رحمتہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مجاشعؓ کی حدیث میں جذعہ سے مراد بھیڑ کا جذعہ ہے، بکری کا جذعہ نہیں، حضرت ابو بردہؓ نے نماز عید سے پہلے قربانی کا جانور ذبح کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''یہ گوشت کی بکری ہے (قربانی کی نہیں)

انہوں نے کہا۔

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے پاس ایک بکری کا جذعہ ہے، (کیا میں اس کی قربانی دے دوں؟)''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''قربان کر دو لیکن تمہارے سوا کسی اور کے لئے درست نہیں۔''

علامہ البانی نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت ابو بردہؓ کی اس حدیث کی روشنی میں بکری کا جذعہ ذبح کرنے کی اجازت نہیں، البتہ حضرت مجاشعؓ کی حدیث کی روشنی میں بھیڑ کا جذعہ (ایک سال کا بچہ جس کے دانت نہ ٹوٹے ہوں) جائز ہے، واللہ اعلم، (دیکھیے: حاشیہ ضعیف سنن ابن ماجہ، حدیث زیر مطالعہ نیز حدیث: ۳۱۵۴ کا فائدہ)

جس جانور کی قربانی مکروہ ہے

حضرت علیؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جانور کو ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے جس کا کان آگے سے کٹا ہوا ہو یا جس کا کان پیچھے سے کٹا ہوا ہو یا جس کا کان چرا ہوا ہو یا جس کے کان میں (گول) سوراخ ہو یا اس کا ہونٹ کٹا ہوا ہو۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

''ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم (قربانی کے جانور کی) آنکھیں اور کان اچھی طرح دیکھ لیا کریں۔''

فوائد و مسائل:۔

۱۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جانور کے کان سلامت ہونے چاہئیں۔

۲۔ آنکھیں دیکھ لینے کا مقصد یہ ہے کہ جانور کی دونوں آنکھیں سلامت ہوں، جس کو ایک آنکھ سے نظر نہ آتا ہو، اس کی قربانی درست نہیں۔

۳۔ قربانی کا اصل مقصد اللہ کے لئے اچھی چیز قربان کرنا ہے، اس لئے بے عیب جانور ذبح کرنا چاہیے، گوشت کھانا یا غریبوں کو کھلانا ایک اضافی فائدہ ہے، اصل مقصد نہیں، ورنہ آنکھ یا کان کا عیب گوشت کھانے کے مقصد میں رکاوٹ نہیں بنتا۔

جائز نہیں

حضرت عبید بن فیروز رحمتہ اللہ علیہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا، میں نے حضرت براء بن عازبؓ سے کہا۔

''مجھے بتایئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا اور میرا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ سے کوتاہ ہے (اور فرمایا) قربانی میں چار جانور جائز نہیں، وہ کانا جانور جس کا کانا پن واضح ہو، بیمار جانور جس کی بیماری واضح ہو، لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو اور دبلا جانور جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو۔''

عبید نے کہا۔
"میں تو پسند نہیں کرتا کہ اس کے کان میں نقص ہو۔"
حضرت براءؓ نے فرمایا۔
"جو چیز تمہیں پسند نہیں، اسے چھوڑ دو لیکن اسے کسی پر حرام نہ کرو۔"
فوائد و مسائل:۔
۱۔ معمولی عیب جو گہری نظر سے دیکھے بغیر محسوس نہ ہو، قربانی میں رکاوٹ نہیں، "الکبیرۃ" کی تشریح محمد فواد عبد الباقی نے یوں کی ہے، "جس کی ٹانگ ٹوٹی ہو اور وہ چلنے سے عاجز ہو۔" (حاشیہ س ابن ماجہ) لیکن یہ صورت لنگڑا ہونے میں شامل ہے، نواب وحید الزمان خانؒ نے اس کا ترجمہ "دبلی" کیا ہے، وہ زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، علامہ ابن اثیر رحمتہ اللہ علیہ نے اگرچہ "الکسیرۃ البینۃ الکسر" کا وہی مطلب بیان کیا ہے جو محمد فواد نے لکھا ہے لیکن اس روایت میں "الکسیرۃ التی لاتنقی" کے الفاظ ہیں، یہاں یہ معنی درست معلوم نہیں ہوتے، ابن اثیر رحمتہ اللہ علیہ نے "کسر" کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا ہے، "وہ ہڈی جس سے زیادہ گوشت نہ ہو" اس مناسبت سے "کسیرۃ" کا مطلب "دبلی پتلی بکری" زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، حضرت براء بن عازبؓ کی رائے میں کان کٹا یا پھٹا ہونا ایسا عیب نہیں جو قربانی سے مانع ہو۔
حضرت علی سے روایت ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جانور کی قربانی دینے سے منع فرمایا جس کا سینگ ٹوٹا ہوا یا کان کٹا ہوا ہو۔
اگر قربانی کا جانور صحیح سلامت خریدنے کے بعد اس میں عیب پیدا ہو جائے تو؟

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔
"ہم نے قربانی کے لئے ایک مینڈھا خریدا، بھیڑیا اس کے سرینوں (کولہوں) اور کان سے کچھ حصہ کاٹ لے گیا، ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (مسئلہ) دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حکم دیا۔
"اس کی قربانی کر دیں۔"

گھر والوں کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کرنا

حضرت عطاء بن یسار رحمتہ اللہ علیہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا، میں نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے سوال کیا۔
"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک میں تم لوگوں میں قربانیاں کس طرح ہوتی تھیں؟"
انہوں نے فرمایا۔
"نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک میں آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کر دیا کرتا تھا، (اس میں سے) وہ خود بھی کھاتے اور دوسروں کو بھی کھلاتے، بعد میں لوگ فخر (کے طور پر زیادہ جانور ذبح) کرنے لگے تو وہ حال ہو گیا جو آپ (آج کل) دیکھ رہے ہیں۔"
فوائد و مسائل:۔
۱۔ جن لوگوں کا کھانا پینا اور خرچ وغیرہ مشترک ہو، وہ ایک گھر کے افراد ہیں، ان کی طرف سے ایک بکری کی قربانی دینا یا گائے یا اونٹ کا ایک حصہ قربانی دینا کافی ہے۔
۲۔ ایک سے زیادہ قربانیاں کرنا جائز ہیں لیکن

تفاخر اور مقابلہ بازی کے انداز سے زیادہ جانور یا قیمتی جانور قربان کرنا قربانی کے اصل مقصد کو ختم کر دیتا ہے، اس صورت میں کوئی ثواب نہیں ہوتا۔

۳۔ کسی بھی نیکی میں نیت کا صحیح ہونا اور دل کا خلوص لازمی شرط ہے۔

غیر صحیح کام

حضرت ابوسریحہ (حذیفہ بن اسید غفاریؓ) سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

''میرے گھر والوں نے مجھے غلط کام پر مجبور کر دیا جبکہ مجھے سنت طریقہ معلوم ہے، ایک گھر والے ایک بکری یا دو بکریاں ذبح کیا کرتے تھے، اب تو (اگر ہم ایک بکری کی قربانی دیں تو) ہمارے ہمسائے ہمیں بخیل کہنے لگتے ہیں۔''

جو قربانی کا ارادہ رکھتا ہو، اسے (ذوالحجہ کے پہلے) دس دنوں میں بال اور ناخن نہیں اتارنے چاہئیں

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جب ذوالحجہ کا (پہلا) عشرہ شروع ہو جائے اور تم میں سے کوئی قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے بالوں یا اپنی جلد سے کسی چیز کو ہاتھ نہ لگائے۔''

فائدہ:۔

ہاتھ نہ لگانے کا مطلب یہ ہے کہ بال نہ کاٹے اور جلد سے بال صاف نہ کرے، یہ پابندی ذوالحجہ کا مہینہ شروع ہونے سے عید کے دن قربانی کرنے تک ہے۔

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جو شخص ذوالحجہ کا چاند دیکھ لے اور اس کا ارادہ قربانی کرنے کا ہو تو وہ اپنے بالوں اور ناخنوں (کو کاٹنے) کے قریب بھی نہ جائے۔''

نماز عید سے پہلے قربانی کا جانور ذبح کرنے کی ممانعت

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے قربانی کے دن نماز سے پہلے (قربانی کا جانور) ذبح کر دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ وہ دوبارہ (قربانی) کرے۔

فوائد و مسائل:۔

۱۔ نماز سے مراد عید کی نماز ہے، حضرت براءؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا، عید الاضحیٰ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر (عید گاہ میں) تشریف لے گئے اور دو رکعت نماز عید ادا فرمائی پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔

''اس دن ہماری پہلی عبادت یہ ہے کہ پہلے نماز پڑھیں پھر (عید گاہ سے) واپس جا کر جانور ذبح کریں۔''

۲۔ عید کی نماز سے پہلے کی گئی قربانی کی حیثیت عام گوشت کی ہے، ایسے شخص کو قربانی کا ثواب نہیں ملے گا۔

۳۔ ثواب کا دارومدار عمل کے سنت کے مطابق ہونے پر ہے۔

۴۔ کوئی شخص غلطی سے نماز سے پہلے قربانی کر لے تو دوسرا جانور میسر ہونے کی صورت میں اسے نماز عید کے بعد دوسرا جانور قربان کرنا چاہیے۔

☆☆☆

بادشاہت کی تلاش میں

ابن انشاء

فی زمانہ حکومتوں کے بدلنے کے دو طریقے رائج اور مقبول ہیں، ایک بیلٹ یعنی الیکشن، دوسرا بلٹ یعنی گولی کا، ویسے اب دونوں میں چنداں فرق نہیں رہا کیونکہ الیکشن میں بھی بیلٹ کے ساتھ ساتھ بلکہ بیلٹ سے زیادہ بلٹ کا استعمال ہونے لگا ہے اور زیادہ موثر اور کامیاب پایا گیا ہے، ہم ذاتی طور پر الیکشن کے حق میں نہیں، یہ خون خرابے کی چیز ہے جسے ہم نے مغرب کی اندھی تقلید میں اختیار کیا ہے، ہمارے بہترین بادشاہوں میں سے جن کا نام زریں حروف سے لکھتے لکھتے ہماری دواتیں خشک ہوگئی ہیں اور ملک کے سونے کے ذخائر میں کمی واقع ہوگئی ہے، اکبر، جہانگیر، شاہجہاں وغیرہ، ان میں سے کون الیکشنوں کے ذریعہ برسراقتدار آیا؟ عوام کی اکثریت کی رائے کی کوئی سند بھی نہیں۔

لوگوں کا بس چلتا تو بادشاہ غازی حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ کے مقابلے میں وہ ووٹ دارا شکوہ کو دیتے، حالانکہ ہم آپ جانتے ہیں کہ وہ بڑا بدعقیدہ آدمی تھا، ہمارے ممدوح کے مقابلے میں جو متدین ایثار پیشہ، درویش اور اپنے بھائیوں پر جان چھڑکنے والے تھے، اس میں کوئی خاص خوبی نہ تھی بلکہ ایک بڑا عیب یہ تھا کہ کتابیں لکھتا تھا، اکبراعظم تو الیکشن کا فارم بھی خود نہ پر کر سکتے تھے، ان کے نامزدگی کے کاغذات ابوالفضل کو پر کرنے پڑتے، بادشاہ بس نشان انگشت ثبت کرتا، محمود غزنوی اور احمد شاہ ابدالی سے بھی یہ توقع نہیں کرتے کہ وہ اس کھٹ راگ سے گزرتے۔

امیر تیمور کو ہم قائل کر لیتے، ہمارا خیال ہے کہ وہ ہماری بات نہ ٹالتے، لیکن یہ بھی گمان ہے کہ کچھ اس قسم کا عذر کر کے کہ ''آج میری ٹانگ میں درد ہے، کل الیکشن کی تاریخ کا اعلان کروں گا۔'' راتوں رات گھوڑوں کی ننگی پیٹھ پر بیٹھ کر لشکر لے کر ''علی علی'' کرتے خوارزم کی طرف نکل جاتے، بلکہ ان کا ایک اور گھوڑا جاتے جاتے ہماری گھاس پھوس کی کٹیا کو لات مار جاتا کہ اور دو مشورے صاحب قراں کو، اصولاً تو انگریزوں کو بھی حکومت سنبھالنے سے پہلے ہندوستان میں الیکشن یا استصواب رائے وغیرہ کرانا چاہیے تھا لیکن خیر! دوسرا طریقہ بھی حکومت بدلنے کا اتنا ہی مقبول اور مشہور ہے بلکہ ہمارے ہاں جمہوریت تو مدت سے کافور ہے، اسی کا زیادہ دستور ہے۔

سوال یہ ہے کہ ان دو گھسے پٹے طریقوں کے علاوہ بھی کوئی طریقہ ہے جو پرامن بھی ہو، افسوس کہ ٹیلیویژن اور ریڈیو کی بدعت رائج ہونے کے باعث لوگوں میں پرانے کلاسیکی ادب کا ذوق اٹھ گیا ہے، ہائے کیا زمانہ تھا کہ لوگ شب و روز داستانیں کہتے سنتے رہتے تھے، خوش جمال بادشاہوں اور ماہ پارہ شہزادیوں کی اور تین آنکھوں والے نابکار دیوؤں کی اور اڑتے قالینوں کی، داستان میں اس انہماک کا ایک ضمنی فائدہ یہ تھا کہ ملک میں انفلیشن (افراط زر) بھی پیدا نہ ہونے پاتی تھی۔

ان قصوں کہانیوں کے بموجب ایک بادشاہ

کے لاولد مرنے پر لوگ صبح دم شہر کے دروازے میں سب سے پہلے داخل ہونے والے مسافر کے سر پر تاج رکھ کر شادیانے بجا دیتے تھے، کچھ لوگوں کا کہنا ہے شاہ مرحوم کا کانا وزیر اس پہلے آدمی کو پہلے ہی بغلی دروازے سے یا فصیل کے برج سے رسی لٹکا کر شہر کے دروازے کے پاس اتار دیتا تھا اور وہ تڑکے تک سردی سے ٹھٹھرتا اپنے کو بادشاہی کے خوابوں سے گرماتا وہاں دبکا پڑا رہتا تھا، لیکن ہم اسے محض بدگمانی سمجھتے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ اس زمانے میں ولی عہد پیدا کرنے کے معقول انتظام ہوتے تھے، خاصے گنجان حرم بیگموں کے بھی، کنیزوں کے بھی، امراء، وزرا کی بہو بیٹیاں اس پر مستزاد اور اولاد نرینہ کی بشارتیں اور دعائیں دینے والے اہل اللہ بھی شہر کے باہر ڈیرے جمائے بیٹھے رہتے تھے، شہر سے باہر لیکن اتنی دور بھی نہیں کہ لوگوں کو نذر و نیاز کے ٹوکرے وہاں تک لے جانے میں دقت ہو۔

علاوہ ازیں ان دعاؤں کو مستجاب بنانے اور اس معاملہ میں قدرت کاملہ کو ظہور میں لانے کے لئے محل کے اندر حبشی غلام بھی رہتے تھے جن کے سرکاری فرائض تو دن میں ختم ہو جاتے تھے لیکن اپنے آقا کی بیگمات کی فرمائش پر اوور ٹائم بھی خوشی خوشی کر لیتے تھے، خواجہ سراؤں کی موجودگی اس میں مانع نہ ہوتی تھی، تاہم داستانوں سے پتا چلتا ہے کہ بادشاہوں کی لاولدی اور صبح دم مسافروں کو بیٹھے بٹھائے پکی پکائی بادشاہی ملنے کی وارداتیں خاصی ہوتی تھیں۔

☆☆☆

ہم بادشاہت کے تہہ دل سے قائل ہیں، اس وقت بالخصوص مسلمان ملکوں میں جو بادشاہ ہیں، وہ ہماری آنکھ کا تارا ہیں، ہم نے کئی بار لکھا

کہ اب جو ہمیں خدا نے یہ ملک دیا ہے تو اس میں ہمیشہ بادشاہت لا کر کسی کو بادشاہ یا خلیفہ بنانا چاہیے تاکہ یہ آئین دستور، پیپلز پارٹی، پی این اے وغیرہ کے جھگڑے نہ اٹھیں، یہ کوئی ضروری نہ تھا کہ ہمیں بادشاہ بنایا جاتا، کسی اور کو بھی بنایا جا سکتا تھا، کیونکہ فی زمانہ اہلیت اور لیاقت کو کون دیکھتا ہے، تاہم ہماری شنوائی نہ ہوئی۔

انگلستان ہم اس لئے بھی آئے تھے کہ یہاں بادشاہت ہے، یہاں بھی نہ کبھی کوئی تو لاولد مرے گا کیا عجب یہاں صبح دم دروازہ شہر میں داخل ہونے والوں کے حقوق تسلیم کیے جائیں، لیکن یہاں آکر پہلی مایوسی تو یہ ہوئی کہ اس شہر میں نہ فصیل ہے، نہ کوئی دروازہ ہے، یہاں ہم کمبل لے کر پڑ جاتے اور ہر روز اخبار ٹائمز خرید کر سیاہ حاشیے کی خبروں کا مطالعہ کرتے ایک صورت یہ بھی تو تھی کہ لوگ دربدر تلاش کرتے تھے کہ شہر میں کوئی ایسا بصرے یا کاشغر کا نوجوان تاجر ملے جس کا تعلق کسی پرانے شاہی خاندان سے ہو اور جو حسن صورت، لیاقت اور ذہانت میں یکتائے زمانہ ہو، ہم نے اسی خیال سے اپنی ڈگریاں اس ڈگری کے علاوہ جو کہ آپریٹو قرضہ کی نادہندگی کے سلسلے میں ہم پر ایک دیوانی عدالت نے دی تھی (کوئی باہوش عدالت ایسا نہیں کر سکتی تھی) فریم کرا کے اپنے ڈرائنگ روم میں لٹکا دیں، جہاں لوگ آتے جاتے رہتے ہیں، ایسے بھی جن کی پارلیمنٹ اور بکنگھم پیلس تک پہنچ ہے اور خود عمل تسخیر شروع کر دیا، قباحت یہ ہوئی کہ کسی نے ملکہ عالیہ کو بروقت فیملی پلاننگ کا لٹریچر نہ بھیجا تھا جس سے چند قباحتیں پہلے ہی پیدا ہو چکی تھیں بلکہ قباحت در قباحت بھی، اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ شہزادی این کے ہاں اس عزیزہ کے پیدا ہونے کی ہمیں خوشی نہیں، جب اور سب ہی کو ہے تو ہمیں بھی ہے، تاہم یہ ہوا کہ بادشاہت کی کیو میں ان کا نمبر لگ گیا، پانچواں۔

ہم کہاں تک ترے پہلو سے سرکتے جاویں

پھر بھی اگر پہلے چار امیدواروں کو کچھ ہو جائے اور ان میں جو اولاد نرینہ ہے، وہ فاتر العقل نکل جائے یعنی سب کے سب امریکی منکوحہ عورتوں سے شادی کر کے وزیراعظم وقت کو ناراض کر لیں، یا رومن کیتھولک، مسلمان یا کبیر پنتھی ہو جائیں اور یہ نومولود بچی تاج پہننے سے انکار کر دے کہ چبھتا ہے یا میرا ہیئر اسٹائل سے خراب ہوتا ہے تو سلطنت دست بدست، ہم تک آ سکتی ہے، لیکن آج یہ خبر آئی کہ اس گھرانے میں ایک اور شہزادی نے جنم لیا ہے، یہ ڈچس آف گلوسسٹر کی صاحبزادی ہیں، ان کا بادشاہت کی قطار میں بارہواں نمبر ہے۔

ہم نے ایک ہمدرد سے ذکر کیا اور کہا کہ ''گلوسسٹر پلیس میں رہنے کی وجہ سے ہم بھی ایک طرح کے ڈیوک آف گلوسسٹر ہیں کہ نہیں۔'' تو کہنے لگے۔

''صاحب من، اگر ملکہ الزبتھ ثانی کو ملکہ وکٹوریہ کی عمر ارزانی ہوئی تو کچھ عجب نہیں کہ ایک سو بارہواں امیدوار بھی پیدا ہو جائے، بس سیدھے اپنے وطن واپس جاؤ، اپنا وقت مت ضائع کرو، امیگریشن کے رجسٹر کے مطابق تمہارا نمبر وارثت کے معاملے میں چھ کروڑ اٹھتر لاکھ چوراسی ہزار آٹھ سو پینتیسواں ہے، پھر تم کالے بھی ہو اور پرانی داستانوں میں بھی شاہی خون کی شرط ہوا کرتی تھی۔''

ہم نے بتایا کہ ''کالے تو ہم بیماری کی وجہ سے ہو گئے ہیں، جب وقت آئے تو اپنے ملک سے گورا کرنے والی کریم منگا لیں گے، جس کے استعمال سے حبشی تک گورے ہو سکتے ہیں اور

رہوڈیشیا اور جنوبی افریقہ تک کے مسئلے حل ہو سکتے ہیں، اب رہی شاہی خاندان کی بات ہم نے ایک پرانی کتاب میں دیکھا ہے کہ پراچین زمانے میں ہمارے جدامجد کالنجر کے قریب ایک ریاست کے ایک طرح سے راجہ تھے، وہ یوں کہ بظاہر راجہ ان کے چھوٹے بھائی تھے لیکن وہ بڑے بھائی یعنی ہمارے جدامجد کا اتنا ادب کرتے تھے کہ ان کی کھڑاؤں تخت پر تو نہیں، تخت پر جگہ ہی کہاں ہوتی ہے، تخت کے نیچے رکھتے تھے۔“

ہمارے ان مہربان نے فرمایا۔

”یہ انگلستان ہے، یہاں انگریزی خون یعنی سفید خون کی شرط ہے، کالنجر کا حوالہ نہیں چلے گا۔“

ہم نے دل برداشتہ ہو کر کہا۔

”اچھا تو اور ملکوں کے نام بتاؤ جہاں بادشاہت ہو اور جہاں جوہر قابل کی قدر ہوتی ہو، اسلامی ملک ہو تو اور اچھا ہے، کیونکہ ہمیں اسلام کا بول بالا کرنے کا بھی شوق ہے۔“

ہمارے ان دوست نے چند ملکوں کے نام بتائے لیکن یہ بھی کہا کہ ”آج کل وہاں ویزا کی پابندی ہے اور پاکستانیوں کو تو بالکل نہیں ملتا۔“

اس کے بعد جیب سے پی آئی اے کا ٹائم ٹیبل نکال کر کہنے لگے۔

”بتاؤں، لندن سے کون کون سی فلائٹیں سیدھی کراچی جاتی ہیں۔“

ہم نے منغض ہو کر کہا۔

”رہنے دو، ہم خود دیکھ لیں گے، آدمی گڑ نہ دے، گڑ کی بات تو کرے۔“

ہم بادشاہ ہوتے تو کیا کرتے، اس باب میں ہم نے ایک منشور چھاپ رکھا ہے جسے خرچا ڈاک کے لئے دس روپے بھیج کر ہم سے طلب کیا جا سکتا ہے۔ مختصر یہ کہ ملک سے ساری بری بری باتوں کا قلع قمع کرتے پہلے قلع پھر قمع، جمعے کی چھٹی کرتے تھے، لیکن افسوس وہ پہلے ہی ہونے لگی ہے، خیر جمعے کی دو چھٹیاں کر دیں گے، ہمارے عہد معدلت عہد میں ہفتے میں دو جمعے ہوا کریں گے تاکہ لوگ دل جمعی سے عبادت کرتے رہیں، جمہوریت اور سوشلزم وغیرہ کے شیطانی وسوسے ان کے دل میں پیدا نہ ہوں، شراب کی ممانعت کرنے کا نکتہ بھی ہمارے منشور میں تھا، وہ بھی ہو چکی، لیکن ہرج نہیں، ہم مزید ممانعت کر دیں گے تاکہ جو لوگ نہیں پیتے وہ مزید نہ پئیں، یہاں تفصیل کیا دیں، آزمائش شرط ہے، ”مشک آنست کہ خود بوید۔“

☆☆☆

تاریخ انگلستان ہم نے اس خیال سے لکھنی شروع کی تھی کہ آخر میں اپنے عہد کا حال اپنے قلم سے لکھ جائیں تاکہ آنے والے مورخ غلطیاں نہ کریں، لیکن قارئین کرام شاعر کہہ گیا ہے۔

”حب وطن از ملک سلیماں خوشتر۔“

اب ہم فرنگستان کے راج پاٹ پر لات مار کر وطن واپس آنے اور ایک رحم دل اور بیدار مغز تاجدار کے طور پر اپنے ملک اور رعایا کی خدمت کرنے کے لئے بے تاب ہیں، جونہی امراء اور عمائد کا کوئی وفد ہمیں لینے کے لئے آئے گا، ہم لندن کے درو دیوار پر حسرت سے نظر کرتے ہوئے روانہ ہو جائیں گے، اس کالم کی کٹنگ سنبھال کر رکھیں، اپنے سب قارئین کو ہم خلعت و انعام دیں گے اور لوگوں کا منہ موتیوں سے بھر دیں گے، خصوصاً ان کا جو نکتہ چینی کے لئے منہ کھولنے کی کوشش کریں گے۔

☆☆☆

ایک دن حنا کے ساتھ

مہمان: سپاس گل

السلام علیکم قارئین!

ایک دن حنا کے ساتھ، حاضر خدمت ہیں، ویسے ایک دن تو کیا ہم حنا کے ساتھ ایک رات بھی گزار سکتے ہیں، کیونکہ ہماری راتیں بھی دن کی طرح جاگتی سی ہیں، ہمارے دن رات ایک سے ہیں، فوزیہ آپی کو اپنے دل کی ہمارا مطلب ہے اپنے دن کی روداد تو ہم سال پہلے ہی لکھ کر ارسال کر چکے تھے مگر وہ لاپتہ ہو گئی تو تب سے اب تک کئی بار فوزیہ آپی نے پیغام بھیجا کہ سپاس ایک دن حنا کے ساتھ بھی گزار لیجیے، سو ہم جو کچھ عرصے سے لکھنے لکھانے کے چور بنے بیٹھے ہیں یعنی کے سست ہو گئے ہیں آج لکھیں گے کل لکھیں گے کرتے کرتے کافی وقت گزار چکے تھے، اس بار فوزیہ آپی کے شفیق انداز میں کی گئی ریکوسٹ پر اپنی سستی کو اتار پھینکتے ہوئے ایکٹو ہو گئے اور فوزیہ آپی کو اپنے غریب خانے پر دعوت دے ڈالی (خیالوں میں) کے آپ آئیں اور دیکھیں کہ ہمارا دن کیسا گزرتا ہے تو فوزیہ آپی کے ساتھ ساتھ آپ بھی ہمارے دن کا حصہ بن جائیے۔

دن کا آغاز تو صبح سے ہوتا ہے، لیکن ہم رات میں کم ہی سوتے ہیں، بات دن سے شروع کرنا ہے تو جناب ہم تہجد کے وقت ہی بیدار ہو جاتے ہیں نماز تہجد کی ادائیگی کے بعد قرآن پاک کی تلاوت اور تسبیحات کا ورد کرتے ہیں تب تک اذان فجر شروع ہو جاتی ہے نماز کی ادائیگی کے بعد واک کرتے ہوئے کچھ دعائیں اور تسبیحات پڑھتے ہیں سورج کے نکلتے ہی ہم نیند میں ڈوب جاتے ہیں کہ رات بھر کے جاگے جو ہوتے ہیں دو ڈھائی گھنٹے کی نیند کے بعد ہم بیدار ہو کر تیار ہو کر بچہ پارٹی کو اکیڈمی میں سبق سکھانے پہنچ جاتے ہیں، ناشتہ ہم ریگولر نہیں کرتے کبھی موڈ ہو تو کر لیا یا کافی لیٹ کرتے ہیں ہمارے کھانے پینے کے اوقات تین سال سے بہت بدل گئے ہیں پہلے ہم صبح میں نہیں سوتے تھے چاہے رات بھر لکھنے میں مگن رہے ہوں تب بھی نہیں اب ناشتہ چونکہ ہم صرف اپنا بناتے ہیں لہٰذا دو ڈھائی گھنٹے آرام کرتے ہیں۔

آج کل کے بچے بہت ذہین ہیں، ذہین کیوں نہیں ہوں گے؟ ایٹمک ایج کے بچے ہیں۔

"مس گل! کلاس میں ہمیشہ بلیک بورڈ کیوں ہوتا ہے؟ وائیٹ بورڈ یا پنک اور ریڈ بورڈ کیوں نہیں ہوتا؟"

"مس گل! آپ اگر "گل" ہیں تو آپ کے ساتھ کانٹے کیوں نہیں ہیں؟"

"مس، بھنڈی کے اندر سنڈی کیسے جاتی ہے؟"

دیکھا آپ نے کیسے کیسے جینئس دماغ رکھنے والے بچے پائے جاتے ہیں ہماری اکیڈمی میں، ہماری دماغ میں لگی گرہیں جو پرائمری ٹیچرز نہ کھول سکے تھے وہ یہ بچے با آسانی کھولتے نظر آتے ہیں، خیر ہلکے پھلکے فن کے ساتھ ہم بچوں کو سکھاتے، پڑھاتے ہیں، والدین سے بھی ہم ایک بات ضرور کہنا چاہیں گے کہ بچوں کو درست بات یا کام پر شاباش دیں تو غلط بات اور کام پر

ان کی سرزش بھی کریں، بچوں کے دوست بننے کے چکر میں آج کل کہ والدین نے اپنے بچوں کو حد سے زیادہ ضدی اور منہ پھٹ، بدلحاظ بنا دیا ہے، بچہ روتا ہے تو ماں باپ فوراً بچے کی بات مان لیتے ہیں اس طرح بچہ ضدی اور خود سر ہو جاتا ہے لہٰذا پیار اور مار میں توازن رکھیں صرف پیار اور بے جا پیار بعض دفعہ خود والدین کے لئے ہی باعث آزاد بن جاتا ہے۔

''ارے فوزیہ آپی! آپ چائے پئیں ناں، آپ تو بچوں سے زیادہ توجہ کے ساتھ ہماری باتیں سن رہی ہیں۔''

''ہاہاہا، نفسیات دان بن گئیں آپ تو بچوں کے بارے میں اتنا جانتی ہیں۔''

''نفسیات میں ڈگری ہولڈر ہیں تو انسان کی نفسیات کو کچھ نہ کچھ تو سمجھتے ہیں ہم بھی۔'' ہم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو فوزیہ آپی پوچھنے لگیں۔

''سباس! اگر آپ رائٹر نہ ہوتیں تو کیا ہوتیں؟''

''تو ہم نفسیات کے ڈاکٹر ہوتے۔'' ہم نے بلیک بورڈ پر اگلے دن کا ہوم ورک لکھتے ہوئے جواب دیا۔

''وہ کیوں؟'' فوزیہ آپی نے چائے کا سیپ لیا۔

''کیونکہ ہمیں لوگوں کا دماغ ٹھکانے لگانے اور دماغ درست کرنے کا بہت شوق ہے۔''

''ارے بھئی ایسا کیوں؟''

''بات ہے سیدھی سی لوگ ہیں ٹیڑھے سے انہیں جھوٹ بولنے، اترانے دھوکا دینے اور بے ایمانی کر کے کام نکلوانے کی لت پڑی ہوئی ہے ایک دوسرے کو نیچا دکھاتے کی سازشیں اور پلاننگ کرتے نظر آتے ہیں لوگ، کچھ لوگ خود کو عقل کل سمجھتے ہیں اور دوسرے کو احمق، بیوقوف سمجھتے ہیں، اپنی ''واہ واہ'' کے چکر میں دوسروں کو آہ آہ، ہائے ہائے کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں، ہم اپنے قلم کے ذریعے بھی لوگوں کے رویوں کی بدصورتی کو بے نقاب کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں مگر محبت اور مزاح کے رنگ میں، کیونکہ کڑوی گولی ہو یا کڑوی بات آسانی سے نگلی جاتی ہے نہ ہی ہضم ہو پاتی ہے، مگر افسوس اس بات پر ہوتا ہے کہ کچھ لوگ ہمارے ناول پڑھے بنا ہی ایسا تبصرہ کر دیتے ہیں، کہ جی سباس گل ہمیشہ محبت پر لکھتی ہیں، وطن کی محبت پر لکھیں یا ماں کی محبت پر لکھیں تب بھی یہی اعتراض چند قارئین کو ہوتا ہے کہ محبت پر لکھا، اللہ کا شکر ہے کہ ہم نے کبھی سطحی وقتی یا ہوس زدہ محبت کی ترغیب نہیں دی ہم نے ہمیشہ اپنے رشتوں سے محبت کا درس دیا ہے، رشتوں میں عزت، خلوص اور احترام ہو تو محبتیں جنم لیتی ہیں اور اس کائنات کی اساس، اس کی بنیاد ہی محبت ہے پھر بھلا ہم اپنی اساس اور بنیاد سے کیسے پیچھے ہٹ سکتے ہیں؟ جو لوگ اپنے اصل سے اپنی اساس سے پیچھے ہٹتے ہیں وہ کہیں کے نہیں رہتے نہ رشتوں کے نہ لوگوں کے، نہ دین کے نہ دنیا کے، محبت ہی ہے جو ہر بگڑی بات بنا سکتی ہے، مزید ٹوٹنے، بکھرنے اور تباہ ہونے سے بچا سکتی ہے۔''

فوزیہ آپی!

''آپ کو کبھی اپنے لکھنے پر شرمندگی اٹھانا پڑی؟ سباس گل۔''

''کبھی نہیں، الحمدللہ تعریف و ستائش ہی رب نے دی ہے اللہ پاک کا لاکھ شکر اور کرم جس نے ہمیں قلم کے ذریعے اتنی عزت سے نوازا ہے۔''

"اچھا کھانے میں کیا کچھ بنا لیتی ہیں؟"
فوزیہ آپی نے دلچسپی سے پوچھا تھا۔
"سوائے اُلو بنانے کے سب کچھ بنا لیتے ہیں۔"
"مزے دار بناتی ہیں یا......" ہنستے ہوئے جملہ ادھورا۔
"یہ تو آپ کو ہمارے ہاتھ کے پکے کھانے کھا کر ہی اندازہ ہوگا بعض دفعہ اچھا کھانا برا موڈ بھی اچھا کر دیتا ہے اور بعض دفعہ بدمزا کھانا اچھے بھلے موڈ کا ناس مار دیتا ہے، ویسے کھانے والے کے مزاج اور زبان پر بھی منحصر ہے کہ اسے مزے دار لگتا ہے یا بدمزا؟"
"کبھی خیالی پلاؤ پکائی ہے؟"
"ایسی ویسی خیالی پلاؤ پکانے میں تو ہم ماسٹر شیف ہیں۔"
"اچھا۔" ہنستے ہوئے۔
"جی ہاں۔" ہم مسکراتے ہوئے بولے۔
"آج آپ ہمارے ہاتھ کی بریانی، کباب اور قورمہ کھائیں گی تو ہماری کوکنگ کا ذائقہ بھی چکھ لیں گی ویسے ہمارے کھانے کے اوقات بدلتے رہتے ہیں گھر میں مہمان آئے ہوں تب ان کے ساتھ وقت پر لنچ کر لیتے ہیں ورنہ شام کو ہمارا لنچ، ڈنر ہو رہا ہوتا ہے (صرف ہمارا)۔"
"بحیثیت ایک لکھاری کے آپ اپنے ملک و معاشرے کے بارے میں کیا سوچتی ہیں؟ آپ کے خیال میں معاشرے کے بگاڑ میں کون سے عوامل کارفرما ہیں؟ کیا وجہ ہے اس بے حسی اور خود غرضی کی؟"
"خود غرضی اور برداشت کی کمی، ہم میں برداشت ختم ہو گئی ہے، دوسرے کی بات ہو یا ذات ہم اسے اہمیت دینا ضروری ہی نہیں سمجھتے ہمارے ظرف کا پیمانہ بہت چھوٹا پڑ گیا ہے اب اس کو بڑی بڑی قربانیاں، چاہتیں اور محبتیں پوری ہی نہیں پڑتیں، ہم وعدے اور دعوے تو بہت کرتے ہیں مگر عمل کے معاملے میں قلاش ہیں، خوشیاں اور محبتیں بانٹنے میں ہم دیوالیہ ہو چکے ہیں جبھی تو ہمارا ملک و معاشرہ ترقی کی جانب سفر کرنے کے بجائے تنزلی اور بے راہ روی کی طرف گامزن ہے، تحمل، برداشت، رواداری ناپید ہو گئی معاشرے سے اور یہ معاشرہ انہی کمیوں، خرابیوں کے باعث آئی سی یو میں پڑا سانسیں گن رہا ہے۔"
فوزیہ آپی!
"آپ کی باتیں سچ پر مبنی ہیں مگر تلخ اور کڑوی بھی ہیں۔"
سباس گل!
"سچ ہمیشہ کڑوا لگتا ہے مگر اس کی تاثیر میٹھی اور دیرپا نکلتی ہے بس ذرا صبر چاہیے۔"
"ہوں۔" فوزیہ آپی مسکراتے ہوئے۔
"سچی اور کڑوی باتیں تو بہت ہو گئیں، اب میٹھا تو بنتا ہے نا یہ بتائیے آپ کو میٹھے میں کیا پسند ہے؟"
"سباس گل، میٹھا ہمیں کبھی بالکل پسند نہیں تھا، سوائے آئس کریم اور گاجر کے حلوے کے لیکن ہمارے گھر میں اکثر سوئیٹ بنتی ہے تو اب سب تھوڑا چکھ لیتے ہیں کھا بھی لیتے ہیں ابھی وقت ذرا کم ہے تو ہم آپ کے لئے کسٹرڈ ٹرائفل بنا لیتے ہیں۔"
"واؤ نائس۔"
"یہ تو آپ کھانے کے بعد کہیے گا۔" ہم ہنسے۔
"جی ضرور، سباس، رشتوں میں سب سے چیز یا جز کیا ہونا ضروری ہے؟"
"سباس گل! احساس کا ہونا ضروری ہے

اور احساس دو طرف وہ تو رشتے بنتے، پنپتے اور پھلے پھولتے رہتے ہیں بنا احساس کے رشتہ ایسے ہی ہے جیسے بنا آکسیجن کے ہوا۔''

''فوزیہ آپی! ہمارا اور آپ کا یعنی حنا کا اور آپ کا ماشاء اللہ پندرہ برس کا ساتھ ہے ہم سباس گل کو بھی جانتے ہیں جو بہت شوخ چنچل، شریر، صاف اور بے دھڑک ہر بات کہہ دینے والی تھی، طنز و مزاح جس کے مزاج میں رچا ہوتا تھا اتنے برسوں میں سباس گل کے مزاج میں کتنی تبدیلی آئی ہے، کیا آپ اب بھی پہلے سی کھری کھری سنانے والی، شوخ و شریر ہیں یا سنجیدگی سے بھی کچھ دوستی ہوگئی ہے؟''

''آپ کو کیا لگتا ہے؟ کیا لکھنا غیر سنجیدہ اور فنی کام ہے؟'' ہم نے الٹا فوزیہ آپی سے سوال کر ڈالا۔

''ہرگز نہیں یہ تو بہت سنجیدہ اور عرق ریزی کا کام ہے۔''

''جی بالکل، وقت اور عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ مزاج میں کچھ تبدیلیاں تو آتی ہیں ہم بھی اب ٹین ایج کی شوخیوں سے باہر نکل آئے ہیں ہاں بے دھڑک بولنا، کھری کھری سنانا چھوڑ دی ہیں، سچ بولنا نہیں چھوڑا بس اب مصلحتاً بہت سے ملاقات میں خاموش رہنا سیکھ لیا ہے یا یوں کہہ لیں کہ جوں جوں سمجھ آتی جارہی ہے گفتگو میں کمی آتی جارہی ہے یہ بھی سیکھا کے لوگوں کے رویے بدلتے رہتے ہیں ہم کوئی آسمان سے نہیں اترے ہیں کہ کوئی دھوکا یا دکھ نہیں دے گا، دنیا میں اچھے برے سب طرح کے لوگ اور رشتے، رویے ملتے ہیں اور ہمیں انہی کے بیچ زندگی کو برتنا ہے بس اپنا دل صاف اور عمل درست رکھیے پھر سستے خیراں ہیں۔''

''ہوں آپ کی باتوں میں دم ہے۔'' فوزیہ

آپی۔

''باتوں میں بھی دم ہے اور بریانی کو بھی دم لگ چکا ہے اس سے پہلے کہ بریانی کا دم نکلے ہم سلاد بنا لیتے ہیں پھر نماز کی ادائیگی کے بعد کھانا تناول فرمائیں گے۔'' سباس گل۔

''خوشبو تو بہت مزیدار آرہی ہے سباس، بھوک لگنے لگی ہے۔'' فوزیہ آپی مسکراتے ہوئے بولیں۔

بس نماز کی ادائیگی کے بعد ہم نے ٹیبل پر کھانا چن دیا اور کھانے کے ساتھ ساتھ گفتگو بھی جاری رہی۔

''سباس سنا ہے آپ کی نو دس کتابیں مارکیٹ میں آچکی ہیں ماشاء اللہ۔''

''جی الحمدللہ۔'' ہم کھانا کھاتے ہوئے مسکرائے۔

''کیا نام ہیں کتابوں کے ہمارے قارئین کو بھی بتایئے جن کو معلوم نہیں ہے انہیں بھی آگاہی حاصل ہو جائے گی؟''

''جی ضرور، ہمارے ناولز کی کتابوں کے نام ہیں، تم ایسی شرارت مت کرنا، محبت اور تم، امل، سرلوح شام، فراق پھر، محبت رنگ بدلتی ہے، اک تیرے آنے سے، چلو چاہت نبھائیں ہم، تم سنگ نیناں لاگے، تمہارے بن ادھورے ہیں وغیرہ وغیرہ۔''

''واہ جی ماشاء اللہ، بہت مبارک ہو۔'' فوزیہ آپی نے مسکراتے ہوئے ہمیں مبارکباد دی۔

''شکریہ۔''

''کھانا واقعی مزیدار ہے سباس۔'' فوزیہ آپی نے انگلیاں چاٹتے ہوئے کہا، ارے بھئی ہماری نہیں اپنی انگلیاں اور ہم خوشی سے پھولے نہ سمائے۔

''لیں جی ہماری محنت وصول ہوگئی۔''

اب ہم پھر سے گھنٹہ بھر بچوں کی اے بی سی درست کرانے پہنچے، یہی روٹین ہے اس کے بعد گھنٹہ بھر ریسٹ کرتے ہیں پھر نماز عصر ادا کرتے ہیں، نماز کے بعد واک، تسبیح کوئی چھوٹا موٹا کام کرلیا پھر مغرب کی نماز اس کے بعد ہم ٹی وی لاؤنج میں آجاتے ہیں۔

ٹی وی آن ہوتا ہے سب کا آنا جانا لگا رہتا ہے اس دوران ہم لکھتے بھی ہیں، موبائل میسجز بھی چیک کرتے ہیں کوئی جواب طلب میسج ہو تو اس کا جواب دیتے ہیں کوئی کال آجائے تو اٹینڈ کرتے ہیں اگر ضروری ہو، فیس بک بھی آن ہوتا ہے وہ بھی سرچ کرتے رہتے ہیں لیکن تین چار ماہ سے فیس بک کم ہی دیکھتے ہیں، آج کل لائف فیس بک چیک کرنے میں مصروف ہیں رات کا کھانا بھی اسی دوران کھایا جاتا ہے۔

''فیس بک کا ذکر آیا تو سباس گل آپ کا نام بھی فیس بک پر ان ہے آفیشل پیج بھی ہے اور فیس بک پر رائٹرز کو اپنی تحریروں کے حوالے سے فوری رسپانس بھی مل جاتا ہے اور مختلف گروپس بھی بنے ہوئے ہیں جہاں رائٹرز کے ناولز پر بے لاگ تبصرے بھی کیے جاتے ہیں تو ان سب کو آپ کو کس نظر سے دیکھتی ہیں؟''

''فوزیہ آپی! یہ ایسا سوال ہے۔ جس کا جواب کھرا کھرا دیا جا سکتا ہے، ہاہاہا، ارے نہیں مذاق کررہے ہیں، آپ کا کہنا بجا ہے فیس بک، سوشل میڈیا پر رائٹرز کو فوری فیڈ بیک ملتا ہے اور یہ رائٹرز کے لئے بہت اچھا ذریعہ ہے اپنی تحریروں کو پرموٹ کرنے کے حوالے سے لیکن کچھ گروپس میں رائٹرز کی تحریروں پر بے لاگ، غیر جانبدارانہ اور بے باک تبصروں کے نام پر ان کی تضحیک کی جاتی ہے، تمسخر اڑایا جاتا ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ

انہوں نے ایک گروپ بنا لیا ہے وہ اس کے ایڈمن ہیں تو انہیں رائٹر کی تحریر پر کسی بھی طرح کا تبصرہ کرنے کا حق حاصل ہو گیا ہے، آپ تنقید ضرور کریں مگر تضحیک مت کریں، مذاق کریں، مذاق مت اڑائیں، تنقید برائے اصلاح ہونی چاہیے نہ کہ برائے انخلاع، تخلیق کرنا مشکل عمل ہے اور تنقید کرنا بہت آسان کام ہے، ہمارے ہاں جسے کچھ نہیں آتا وہ بھی چار کتابیں پڑھ کر تجزیہ نگار، تبصرہ نگار بنا ہوا ہے، تعریف کے لئے دل بڑا کرنا پڑتا ہے اور تنقید کرنے کے لئے صرف تنگ دل ہونے سے بھی کام چل جاتا ہے، کہنا صرف اتنا ہے کہ جب آپ کو کوئی پلیٹ فارم، کوئی موقع، گروپ یا میڈیم اظہار کے لئے اظہار خیال کے لئے ملتا ہے تو وہاں خوبصورت، اصلاحی اور اچھی بات کیجئے دوسروں کو عزت دیجئے اور اپنی عزت کروائیے، کڑوی بات میٹھے لہجے میں کیجئے تا کہ آپ کی بات بھی پہنچ جائے اور کسی کو بری بھی نہ لگے اور وہ اپنی اصلاح بخوشی کر سکے۔"

"دعا پہ کتنا یقین رکھتی ہیں؟" فوزیہ آپی۔

"سو فیصد۔" سباس گل۔

"آپ کی دعائیں قبول ہوتی ہیں؟"

"الحمدللہ بالکل قبول ہوتی جبھی تو دعا پہ یقین بڑھتا ہے۔"

"اللہ سے کیسا رشتہ ہے سباس کا؟"

"بہت دوستانہ رشتہ ہے کیونکہ اللہ سے ہم سب کچھ کہہ دیتے ہیں مگر وہ کسی سے نہیں کہتا، ہماری بات سنتا ہے اور مان رکھتا ہے خود پر ہمارا یقین اور بھروسہ بڑھاتا ہے۔"

(فوزیہ آپی کے سنجیدہ سوالوں پر ہم بھی خاصے سنجیدہ ہو گئے۔)

"اللہ کی پہچان کیسے ہوئی؟" فوزیہ آپی نے سوال کیا۔

"محبت، مصیبت، درد، تکلیف اور دکھ میں مبتلا ہوں تو اللہ کی موجودگی اور دعاؤں کی قبولیت میں اللہ کی پہچان اپنے آپ ہو جاتی ہے۔"

"خوش رہنا آسان ہے؟"

"دوسروں کو خوش دیکھ کر جلنا، حسد کرنا، چھوڑ دیں تو آدھی خوشی تو ہمیں یونہی مل جائے گی۔"

"کوئی پیغام حنا کے قارئین کے لئے دینا چاہیں گی؟"

"پیغام دینے والی ہستی تو ہم نہیں ہیں البتہ اتنا ضرور کہیں گے کہ صبر اور برداشت کو اپنا ہتھیار بنایئے اور ہر معرکے میں فتح پایئے انشاء اللہ۔"

تو جناب یہ تھا ہمارا دن نماز عشاء کے ہم کچھ دیر واک کرتے ہیں پھر سب کے ساتھ ٹی وی دیکھتے نیوز وغیرہ اور سب کے سونے کے بعد ہم لکھنے کا کام کرتے ہیں، سو ہماری رات صبح تلک جاگتی رہتی ہے، باتیں بھی ہو گئیں دن کی روداد بھی ہماری کوئی بات کسی کو ناگوار گزری ہو یا کسی کی دل آزاری ہوئی ہو تو بہت معذرت، زندگی رہی تو پھر کسی رنگ میں آپ سے ملاقات ہو گئی انشاء اللہ، جاتے جاتے صرف ایک بات۔

"دوسروں کی خوشی کا خیال رکھیئے، آپ کی خوشی کا خیال اللہ پاک خود رکھیں گے، آپ سب کی صحت، سلامتی اور خوشیوں کے لئے دعا گو۔"

☆☆☆

امِ مریم

نویں قسط کا خلاصہ

بالآخر محبت کو فتح نصیب ہوئی اور غانیہ کا ستارہ چمک اٹھا، گاؤں سے تاؤ جی کی بیماری کی اطلاع کے ساتھ اچانک شادی کا اصرار ہوا اور شادی کی تاریخ طے کر دی گئی، غانیہ خواب کی سی کیفیت کے زیر اثر ہنوز غیر یقینی کا شکار ہے، کیا واقعی وہ اتنی خوش قسمت ہے......؟

منیب چوہدری دوسری مرتبہ اس تلخ تجربے سے گزرنے پہ آمادہ نہیں، کوئی راہ فرار نہ پا کر وہ غانیہ سے شادی سے منکر ہونے کا کہتا ہے، غانیہ کی پہلو تہی کو اپنی توہین محسوس کرتا وہ سراپا قہر و غضب ہے۔

حمدان ماں کی کمی کا شکار بچہ ماما کی آمد کا سن کر خوش ہے مگر یہ خوشی بہت سے سوالوں کے جواب نہ ملنے پہ ادھورے پن کا شکار ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

دسویں قسط

مغرب کی نماز کے بعد نیم تاریکی گاؤں کی گلیوں میں چھانے لگی تھی، مسجد سے نکل کر گھر جانے کی بجائے وہ گاؤں سے باہر کی سمت چلنے لگا، نہر کے ساتھ چلتے ہوئے وہ دائیں جانب مڑ گیا، دھول اس کے قدموں سے لپٹ رہی تھی، پرائمری اسکول کی عمارت پیچھے رہ گئی، تھوڑی دیر میں اسے قبرستان کی ٹوٹی پھوٹی چار دیواری اور گورکن کا کچا کوٹھا نظر آنے لگا، اس نے سر اٹھا کر آسمان پہ اڑتے پرندوں کو دیکھا، نہر کا کنارہ اس کے داہنی جانب تھا، نارنجی ہو جانے والے سورج کی کمزور کرنیں ساکت پانیوں کو چھو چھو کر اب پلٹنے لگی تھیں، اس نے کچھ فاصلے پر موجود مکانوں میں جلنے والی روشنیوں کو دیکھا اور گہرا سانس بھر لیا، آج بھرجائی کے ہاں دعوت تھی، وہ جانا نہیں چاہتا تھا مگر بعض رشتوں کو مجبوری میں نبھانا پڑتا ہے، جیسے غانیہ کا رشتہ، کہیں کوئی چڑیا چہچہائی تو اس کی تلخ سوچ کا رخ پلٹا، آخر کب تک بھاگا جا سکتا ہے، حالات سے لوگوں سے اور مجبوریوں سے بھی...... وہ بھی پلٹ آیا، کہ پلٹ کر آنا ہی پڑتا ہے، کم از کم تب تک جب تک زندگی ہے، سانسیں چلتی ہیں، قبرستان کے اختتام پہ کھیت کا سفر شروع ہوا، کھیت ختم ہوئے تو کچی گلیاں آ گئیں، جن کے کناروں پر چوڑی چوڑی نالیاں تھیں، کچھ نالیاں صاف تھیں کچھ گندی اور غلاظت سے اٹی ہوئی کہ جن پہ بھولے سے بھی نظر پڑے تو دل الٹنے لگے، وہ ٹین کے سبز دروازے کے سامنے رکا۔

''او تجھے پتا دی تھا کہ اج ادھر وڈے ویل جانا ہے تجھے، کڑی کدوں کی تیار ہوئی بیٹھی ہے۔''
اس کے اندر داخل ہونے کی دیر ہوئی، ابا تو جیسے منتظر تھا، ایسے غصے سے گرجا کہ دیوار پہ بیٹھا کالا کوا ڈر کے اڑ گیا، منیب کا موڈ جتنا بھی بگڑا مگر کچھ بولا نہیں، ان کے پاس سے گزر کے اندر جانے کو تھا جب انہوں نے طیش میں ابلتے اس کے منہ کے آگے ہاتھ لے جا کر نچایا اور چیخے۔

''میسنا ہے میسنا، کیوں کچھ بولے گا، پیو بھونکتا ہے تو بھونکتا رہے، کتا جو ہوا۔'' منیب کی بے بسی میں اضافہ ہوا، تمام رنج اور افسوس غصے اور کوفت کی شکل اختیار کر گیا۔

''بس کر دیں ابا جی، آ تو گیا ہوں اب، زیادہ دیر ابھی بھی نہیں ہوئی۔'' وہ بڑبڑایا تھا، ابا جی کا طیش آسمان پہ جا چڑھا۔

''تو اب بھی نہ آتے نواب کے بچے، تجھے کس نے خط لکھے تھے کہ آ کر ہمیں اپنے دیدار کراؤ کہ ہم تمہاری یہ صورت دیکھنے کو مرے جا رہے ہیں۔'' وہ پھر اس پہ چڑھ دوڑے، اس سے بات کرتے ان کے لہجے میں ازلی ناخوشی در آیا کرتی تھی خود بخود، وہ لب بھینچ گیا۔

''سہیل! اسے کہو اگر تیار ہے تو آ جائے اور کوئی نہیں چل رہا؟'' وہ سب کا اطمینان اور عام حلیے دیکھ کر بے زاری سے گویا ہوا۔

''جی نہیں، کوئی نہیں جا رہا۔'' سہیل بے رخی سے کہتا برآمدے کی جانب بڑھ گیا، وہیں کھڑے کھڑے آواز لگا دی۔

''بھرجائی! جلدی آ جاؤ، ویرا انتظار کر رہا ہے۔''

وہ تو جیسے اسی بلاوے کی منتظر تھی، گرم شال لپیٹتی باہر آ گئی، نظریں جھکی ہوئی تھیں، تیاری اچھی خاصی، منیب سمجھتا تھا، اماں نے جان نہیں چھوڑی ہوگی، وہ اک نگاہ ڈال کر ہی قدم بڑھا گیا،

گاؤں کی یہ ایک سرد رات تھی، درخت کہر میں ڈوبے ہوئے فضا میں دھند تیر رہی تھی، اس خاموشی میں عجیب سا اسرار عجیب سا سناٹا اور خوف تھا، گاؤں بجلی سے محروم تو نہیں تھا، مگر گلیوں میں دور دور تک کسی بلب کا یا لیمپ کا نام ونشان نہیں تھا، کچھ مکانوں کے کواڑ بند تھے، جن کے پیچھے ملگجی روشنی جھانکتی تھی، گلیوں میں سناٹا اور اندھیرا ٹھہرا تھا۔

وہ بہت سنبھل سنبھل کر قدم دھرتی تھی اور بہت چپ چپ تھی، گلی میں بہت ویرانی تھی، کھمبے کا پیلی زرد روشنی والا مدقوق سا بلب ابھی بھی جل رہا تھا، کھمبے کے نیچے دو مریل سے کتے جسم کھینچ کھینچ کر انگڑائیاں لے رہے تھے، انہیں دیکھ کر سیدھے ہو بیٹھے، قریبی مسجد سے اسی پل عشاء کی اذان کی پہلی پکار اٹھی۔

''تیز چلو...... ساری رات سفر میں نہیں کاٹنی مجھے۔'' اس کی ہائی ہیل کی ٹک ٹک سے بے زار اس نے سرد مگر نفرت آمیز لہجے میں جتلایا، غانیہ جی بھر کے شرمندہ ہوگئی، بھا کا گھر پتا نہیں کتنی دور تھا ابھی، راستے میں کھیت بھی پڑتے تھے، پھر نہر آگئی، نہر کے ایک طرف کچا راستہ تھا، جو قبرستان سے ہو کے دوسرے گاؤں جاتا تھا، جبکہ دوسری جانب بھا کے گھر کا راستہ تھا، وہ دونوں اب کھیتوں کے درمیان بنی پگڈنڈی پر چل رہے تھے، اب سامنے نہر تھی اور اس طرف کچا راستہ جس کے ساتھ ساتھ درختوں کی باڑھ سر اٹھائے کھڑی تھی، اس رات چاند نہیں نکلا تھا۔

غانیہ نے گردن موڑ کر اس جانب کچے راستے کو دیکھا جو دور تک جاتا تھا، یہاں سے قبرستان نظر نہیں آتا تھا، مگر قبرستان کا مخصوص خوفناک پر ہیبت سناٹا اس راستے کو بھی اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھا جیسے، اسے ایکدم لگا دھول مٹی کی اس پگڈنڈی پر ان دیکھی روحیں سفید لبادوں میں اڑی پھر رہی ہیں، یہ خوف یہ احساس اتنا جاندار اتنا مسلط ہو جانے والا تھا کہ اس نے بے ساختہ جھرجھری لیتے خود سے محض چند قدم کے فاصلے پہ چلتے منیب کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا، جہاں منیب چونکا وہاں وہ اضطراری و اضطرابی کیفیت کے زیر اثر سہمی ہوئی سی اس کے پہلو میں آگئی۔

''خیریت ہے؟ پیچھے ہٹو۔''

منیب کا موڈ ہنوز تھا، اگلے لمحے اسے جھٹک دیا، ایسے کہ وہ جو بے دھیان تھی، بے اوسان تھی، لڑکھڑا کر گرتے بامشکل بچی تو آنکھوں میں اس ذلت کے سبب آنسو اتر آئے، قدم من من بھر کے ہوگئے، اب وہ بھا کے گھر کی عقبی سائیڈ پہ آگئے تھے، یہاں کماد کی اونچی فصل سے کچھ پرے الگ سا املتاس کا ایک اونچا درخت کھڑا تھا، جس کا تنا عمر رسیدہ اور ٹہنے موٹے تھے، سائے تلے زمین صاف اور مٹی برابر تھی، شام ڈھلے یہاں گاؤں کے باسیوں کی بیٹھک لگا کرتی، تب زمین پر پانی کا چھڑکاؤ ہوتا، چارپائیاں بچھ جاتیں اور گیلی مٹی کی سوندھی خوشبو میں حقوں کی گڑگڑاہٹ گونجا کرتی، مگر اس سرد رات میں املتاس کا درخت خالی اور ویران تھا، دور تک کوئی چلتا دکھائی نہ دیتا تھا، وہ دونوں درختوں کے درمیان چل رہے تھے جب غانیہ ایک دم کراہتی ہوئی جھک گئی، اس کا پیر مڑ گیا تھا، تکلیف اگر نا قابل برداشت نہیں بھی تھی تو بھی وہ فوری طور پہ نہیں سنبھل سکی، نزدیکی درخت سے پرندوں کی آواز ماحول کا حصہ بن رہی تھی، منیب کے قدم بڑے اور لمبے تھے، وہ لمحوں میں دور نکل گیا، احساس ہونے پہ کہ تنہا ہے رکا پلٹا اور اسے اتنا دور پا کے جھلا گیا۔

"کیوں رکی ہوئی ہو؟ اب کیا ڈرامہ شروع کر دیا نیا؟" شاخیں ہٹاتا وہ بھنا کر مخاطب تھا، غانیہ تکلیف کا احساس جھٹکتی تیزی سے اٹھی، تب ہی ہوا کا تیز جھونکا آیا، املتاس کا سرو قد درخت جیسے نیند سے جاگا اور بہت سے پتے گرا دیئے، چاند بھی ایک دم کہیں بادلوں کی اوٹ سے نکل آیا، سنہری چمکیلی چاندنی شاخوں کو چھوتی زمین پہ بکھرنے لگی، اس کے درمیان کھڑی وہ روشنی میں نہائی موم سے بنی نازک سراپے والی دلکش لڑکی۔

اس نے ذرا کی ذرا نگاہ بلند کی اس شخص کے چہرے کی سرخی میں دبا دبا ضبط اور غصہ چھلکتا نظر آیا، وہ تیز قدم اٹھاتی اس کے پہلو میں آ گئی، گھر بالکل نزدیک آ گیا تھا، دونوں گھوم کر چکر کاٹ کے گھر کے دروازے کے سامنے آئے، منیب نے دستک دی، غانیہ چادر درست کرنے لگی، وقفے وقفے سے اس کی سرخ چوڑیاں کھنک اٹھتی تھیں، وہ ہر بار چونک جاتا، بے خیالی میں اسے دیکھنے لگتا، اس کا چاندنی میں نہایا چہرہ اور اس کا سحر محسوس کر کے خود کو کمزور پڑتا محسوس کرنے لگتا، دروازہ کھل گیا، استقبال ویسا ہی ہوا جیسی انہیں توقع تھی، بھرجائی کی چاپلوسی اور ٹھنڈے طنز تھے بچوں کی جہالت و بدتمیزی بھا کا کھسیانا سا غریبانہ انداز، کیا رکھا تھا بھلا اس دعوت میں مگر پھر وہی بات کہ کچھ مجبوریاں، بھابھو کے گھٹیا سطحی مذاق کا نشانہ بار بار بنتی غانیہ پہ اس شخص کو پہلی بار رحم آیا، جانے کیوں شاید اس لئے کہ آج وہ معمول سے ہٹ کر اچھی لگ رہی تھی، بہت خاص لگ رہی تھی، کھانا ختم ہوا تو غانیہ برتن اٹھانے میں بچوں کی مدد کرنے لگی، وہ جب بھی جھک کر برتن اٹھاتی، ہر بار اس کی لمبی موٹی سی ریشمی چوٹی پھسل کر آگے جھولنے لگتی، منیب کی نگاہ ہر بار اٹکتی ہر بار چونک اٹھتی۔

"اس کے بال اتنے لمبے ہیں۔"

اس کے دل نے حیرانگی سے یہ سوال بار بار پوچھا تھا، وہ اس کے نازک قدم گن رہا تھا، آج سب کام انوکھے کر رہا تھا، صحن سے برآمدے تک کی جگہ کو مٹی سے لیپ پوت کر صاف اور پکا کیا گیا تھا، اس لپے ہوئے فرش کی ایک طرف ہینڈ پمپ اور چارہ کاٹنے کا ٹوکا نصب تھا، اس کے دوسری طرف چھپری کی دیوار کے ساتھ پیپل کے عمر رسیدہ درخت کے نیچے تین بھینسیں اور دو گائے بندھی تھیں، منیب نے اکتاہٹ بھری نظر اس منظر پہ دوڑائی اور ایک بار پھر اس چہرے کو کھوجا جسے وہ کل تک کیا شام تک بھی دیکھنا گوارا نہیں کیا کرتا تھا، تب ہی فضا میں دھواں محسوس کرتے اس نے پلٹ کر دیکھا، چولہے میں موجود اپلے آگ پکڑ رہے تھے، بھرجائی اٹھی اور چھپری میں جا گھسی، باہر آئی تو ہاتھ میں دودھ کی کیتلی تھی۔

"بیٹھ جاؤ دیور جی، ویسے کیا ہی چنگا ہوتا جو تو اپنے پتر کو بھی ساتھ لاتا دعوت میں پر تو کلا ہی ووہٹی اٹھا کر چلا آیا۔"

بھرجائی کی زبان جوہر دکھانے لگی، یہ ممکن تھا کہ وہ اس پہ نشتر نہ چلائے، منیب کو اس کے الفاظ نے طیش میں مبتلا کیا تھا، ایسے طیش میں جو دل و دماغ پر حاوی ہو جائے۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں چلنا چاہیے، اجازت بھا جی؟" بھرجائی کو نظر انداز کرنا ہی واحد حل تھا، غانیہ کو اندر آتے پا کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ چاء میں تمہارے واسطے ہی پکا رہی ہوں دیور جی! اتنی جلدی کیوں رسے تڑا رہا ہے۔"

بھر جائی نے مداخلت کی تھی، اس سے پہلے کہ بھا کچھ بولتے، اب ان کی مجال تھی کہ انکار کر جاتے، مگر منیب پابند نہیں تھا، جبھی کان نہیں دھرا۔

''نہیں چائے کے لئے زحمت نہ کریں، بالکل گنجائش نہیں، چلیں غانیہ چادر لیں۔'' اس کا انداز ایسا تھا کہ اب کسی کو مداخلت کی بھی اجازت نہیں، غانیہ نے اک لفظ کہے بغیر چارپائی پہ اتار کر رکھی اپنی چادر اٹھا کر اوڑھ لی اور اجازت طلب نظروں میں الوداعی تاثر سمیت باری باری میزبانوں کو دیکھا۔

''اچھا پتر، جیوندی رہ خوش رہ۔'' بھا نے اپنا ہاتھ غانیہ کے سر پہ رکھ دیا، بھر جائی بڑبڑاتے ہوئے اندر گھس گئی، واپس لوٹی تو ہاتھ میں موجود چند سو سو کے نوٹ تھے، جو زبردستی دونوں کے ہاتھوں میں تھما دیئے۔

''ان کی ضرورت نہیں۔'' منیب نے سخت احتجاج اور اعتراض کیا۔

''بوت وڈا وکیل ہے تو پتا ہے، پر یہ رکھ لے جانا وی ہے رسم ہوتی ہے۔'' انہوں نے گھرے کاٹ دار طنز سمیت جتلایا، منیب ایکدم چپ ہو گیا، بیرونی دروازے سے نکلتے اس نے بند مٹھی میں مزید چند سو ملا کر سب سے چھوٹے بھتیجے کی جیب میں خالی کر دی۔

''چاچو کی طرف سے کوئی چیز لے کر کھا لینا۔'' وہ بچے کا گال سہلا کر کہتا باہر نکل گیا، پیچھے بچے کی جیب پہ جھپٹا مار کر نوٹ برآمد کرتی پھر انہیں گنتی بھر جائی کتنی دیر بعد تک بھی بڑبڑاتی رہی تھی، کلستی رہی تھی، پتا نہیں کیوں۔

☆☆☆

تھوڑا عشق نبھایا ہے
سارا جیون بیت گیا
سارا سارا دن تیری
باتیں کرتا رہتا تھا
علم نہیں تھا اس دل کو
ایسی چپ لگ جائے گی
رستہ گم ہو جاتا ہے
دل کا بوجھ نہیں جاتا
ایک عجب بے چینی سے
سر بھاری ہو جاتا ہے

ہلکی بارش اور دھند گہری تھی، شام کے دھندلکے اور بارش کے باوجود سردی کی شدت نہیں تھی، گاؤں کے نیم پختہ مکانات دھند میں پراسرار لگ رہے تھے، آج حمدان کو آنا تھا، جانے کیوں اتنی تاخیر ہو گئی تھی کہ وہ انتظار کرتے کرتے اوپر چھت پہ آ گئی، منڈیر سے جھک کر دیکھا، گلی دور تک ویران تھی، پھوار اب قدرے تیز ہو چلی تھی، بارش اور دھند کی وجہ سے وہ بہت دور تک نہیں دیکھ سکی، آج سب کھانے اس نے حمدان کی پسند کے بیش نظر تیار کیے تھے، تائی جی اور اماں کے ساتھ

سہیل بھی خاصا پرجوش ہو رہا تھا یارمن کی آمد کے متعلق سن کر، یہ ایک بہت چھوٹا گاؤں تھا، جو بامشکل ایک درجن دوکانوں اور چند سو رہائشی مکانوں پر مشتمل تھا، گاؤں کے بیچوں بیچ بہنے والی پرسکون نہر کے کنارے کسانوں کے مکان نظر آتے تھے، جو درختوں اور خوادرو بیلوں سے ڈھکے ہوئے تھے، سورج کی تیز کرنیں گھنے درختوں میں چھن چھن کر پانی کی سطح سے ٹکراتیں اور جب بارش برستی تو ان درختوں کے پتوں پر جمع شدہ پانی یہاں سے گزرنے والے لوگوں کو بھگو جاتا، وہ نیچے چلی آئی، اماں برآمدے میں بیٹھی تھیں، سہیل گڑ کی گچک بنا کر ڈھیر ساری مونگ پھلی کی گریاں ان پہ سجاتا ہوا گنگنا رہا تھا، منیب چوہدری رات گئے گھر لوٹا تو حمدان اس کے ہمراہ تھا، دونوں طویل سفر سے تھکے لگتے تھے، مگر یارمن کے چہرے پر معصوم خوشی اور جوش تھکن پہ حاوی تھا، وہ باری باری سب سے ملا، غانیہ کے پاس آیا، گلے لگا تو جدا ہونے پہ آمادہ نظر نہیں آتا تھا۔

''مام...... مائی سویٹ مام!'' وہ مسکراتا تھا، کھلکھلاتا تھا کبھی عجیب سے خوف میں مبتلا ہو جاتا۔

''آپ ہمیں چھوڑ کر تو نہیں جائیں گی نا کبھی؟''

''نہیں...... کبھی نہیں۔'' غانیہ نے جھک کر اس کی صبیح اجلی پیشانی چومی تو اس شخص کی تیکھی پر تپش نظروں کا احساس بہت شدت سے جاگا تو کسی طرح بھی اعتماد بحال نہ رکھ سکی۔

''میں آپ کے لئے کھانا لاؤں؟'' وہ گھبرا کر اٹھنے لگی تھی جب حمدان نے اس کا بازو پکڑ کر روکا۔

''نہیں ماما! سب کے ساتھ کھاؤں گا۔''

اور سب کے ساتھ اس نے اس طرح کھایا تھا کہ اپنے ہاتھ سے ایک نوالہ بھی نہیں لیا، کبھی دادا سے کبھی دادی سے تو کبھی چاچو سے منیب سے اور غانیہ سے خود فرمائش کر کے نوالہ لیتا، غانیہ نے محسوس کیا منیب قدرے گم صم اور چپ چپ ہے، آج وہ ازلی نخوت اور طنطنہ غائب تھا۔

''پتر رات کو دودھ ضرور پی کر سونا، غانیہ دھی رانی نکے کو دودھ کا گلاس دینا نہ بھولنا۔'' تاؤ جی نے پہلے پوتے پھر بہو کو تاکید کی تھی، وہ سر ہلاتی اٹھ کر برتن سمیٹنے لگی۔

''مما جانی آجائیں...... سوتے ہیں۔'' حمدان اس کے پیچھے پیچھے تھا، وہ بے ساختہ مسکرا دی۔

''کچھ دیر ٹھہر جاؤ بیٹے! چاچو اور دادا، دادی جان کے پاس بیٹھو، باتیں کرو، میں تب تک یہ تھوڑا سا کام نپٹا لوں، پھر سوئیں گے رائیٹ؟'' وہ برتن سنک میں ڈھیر کر رہی تھی، پلٹ کر اس کا گال تھپکا۔

''میں آپ کی ہیلپ کروں؟'' وہ معصومیت سے بولا، غانیہ کو بے اختیار اس پہ پیار آنے لگا۔
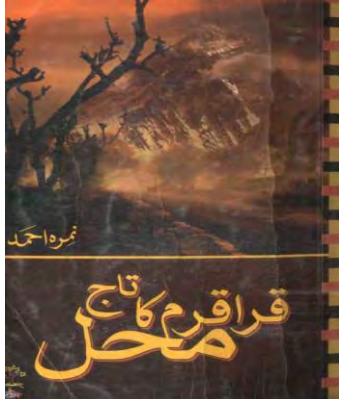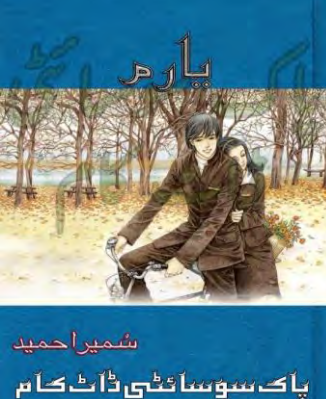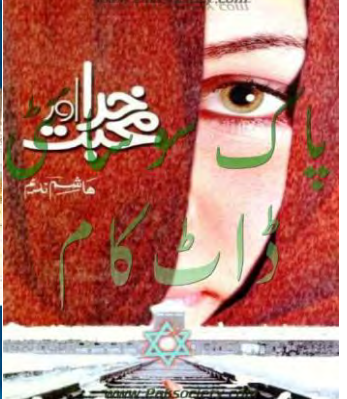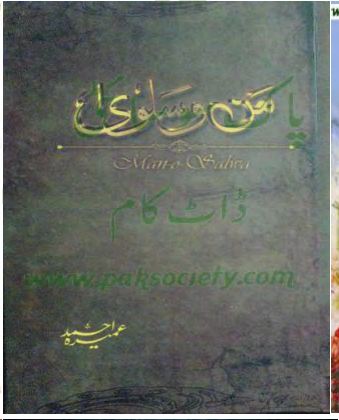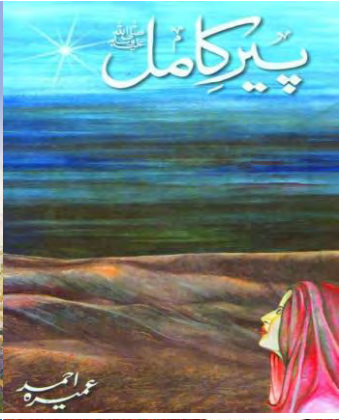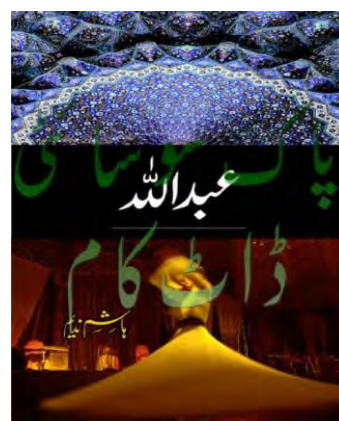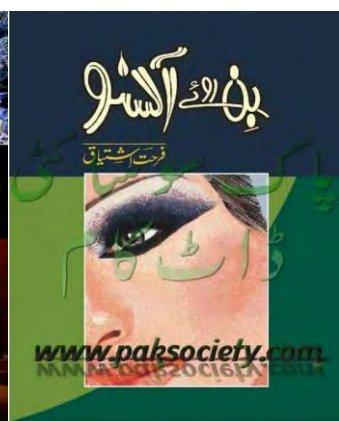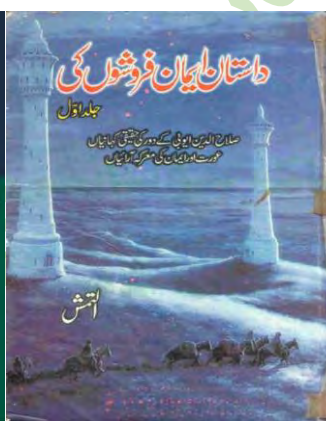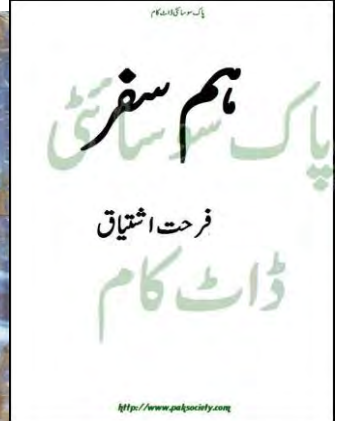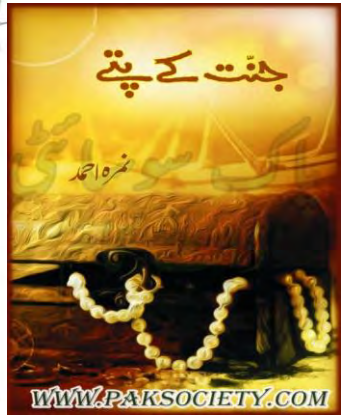
''نہیں جانو، آپ جاؤ، میں ابھی آتی ہوں اوکے؟''

''اوکے فائن۔'' وہ مسکرایا اور اچھلتا کودتا کچن سے نکل گیا، غانیہ نے برتن دھو کر لائٹ بند کی اور کچن کا دروازہ بھیڑتی باہر آ گئی، دودھ کے گلاس ٹرے میں رکھ لئے تھے، کمرے میں آئی تو اس شخص کے علاوہ سبھی لوگ بیٹھک میں ابا کے ساتھ موجود تھے، یارمن، سہیل کے کاندھوں پہ سوار اسی کی تیار کردہ دیسی گھی کی گچک سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

''بہت مزے کی ہے مما! آپ نے ٹیسٹ کی؟''

''نہیں، یہ پینڈوؤں کا کھاجا ہے پتر، تیری امی شہری کڑی ہے۔'' سہیل دانت نکالنے لگا،

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

غانیہ شرمندہ سی ہوگئی۔

''دکھاؤ، کھا کر ہی پتا چلے گا کیسی بنی ہے۔'' اس نے سہیل کے سامنے دھری پلیٹ سے ایک عدد چکور چاکلیٹ براؤن رنگ کا ٹکڑا اٹھا کر دانتوں سے کترا، کڑک اور ذائقہ دار چیز تھی، وہ بے ساختہ تعریف کیئے بنا نہ رہ سکی۔

''واقعی بہت ٹیسٹی ہے۔''

''بھرجائی تجھ پہ پنڈ کا رنگ بڑی جلدی چڑھا ہے، کچھ اور وقت گزرا تو بالکل پینڈو ہو جائے گی۔'' سہیل اس کا مذاق اڑانے لگا۔

''اچھی بات ہے نا...... گاؤں کے لوگ بہت سادہ بے ریا اور مخلص ہوتے ہیں، اگر میں بھی ایسی ہو جاؤں تو خوشی کی بات ہوگی سہیل بھائی!'' اس نے فطری سادگی سے جواب دیا تو اماں ایک دم سے نہال ہو اٹھی تھیں، غانیہ منت سماجت سے کسی نہ کسی طور بہلا کر حمدان کو دودھ کا گلاس ختم کرنے پر آمادہ کر رہی تھی تو تاؤ جی کی نظروں میں کیسا فخر کیسا پیار تھا، غانیہ کے لئے، اپنے اس انتخاب پہ۔

''کوجا ہے تیرا پت، ہیرا کڑی ہے لا کے دی میں نے اسے، قدر نہیں کر رہا، مگر پچھتائے گا پچھتائے گا اک دن اگر یہی تیور رہے تو یاد رکھنا۔'' انہوں نے دبنگ انداز میں پیشن گوئی کی تو اماں کا کلیجہ دہل گیا، آخر ماں تھیں بیٹے کے لئے ایسی بات برداشت کیسے کر لیتیں۔

''آپ وی بڈھے ہو گئے منیبے کے ابا! پر گل نہ اج تک کرنی آئی، اولاد کو ایسا کہتے ہیں؟'' ان کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے، ابا نے ہنکارا بھرا اور تنفر سے اٹھ کر چلے گئے، اماں نے گم صم بیٹھی غانیہ کے سر پہ ہاتھ رکھا۔

''جا پتری! تو جا کے آرام کر اب، منڈے کو سلا، نیندر آ رہی ہے اسے وی۔'' انہوں نے غانیہ کی گود میں سر رکھے لیٹے حمدان کو دیکھ کر کہا، غانیہ چونک گئی، گہرا سانس بھرا، وہ مضطرب لگتی تھی، ہاتھ مسلتی ہونٹ کچلتی ہوئی بے قرار سی۔

''تائی جان آپ تاؤ جی کو سمجھائیں، پریشان نہ ہوا کریں، میں بہت خوش ہوں یہاں، منیب صاحب سے بھی کوئی شکایت نہیں بالکل۔'' تائی ماں نے چونک کر اسے دیکھا، دلگیری سے مسکرائیں پھر نم آنکھیں رگڑ کر صاف کرتے ہوئے اس سے نظریں چرا لیں۔

''سب جانتی ہوں پتری! کچھ بھی لکن اولا نہیں مجھ سے، یہ جتنا تجھ میں صبر ہے اب سوہنے نے پھل وی تجھے اپنا ہی مٹھا لگانا ہے دیکھ لینا، یہ ہے نا جین جوگا، ساری زندگی تجھے تتی ہوا نہ لگنے دے گا ویکھ لینا، سر کے سائیں سے وی جھولیاں بھر بھر محبتاں پائے گی مجھے رب سوہنے کا یقین ہے۔'' انہوں نے پہلے حمدان کی سمت اشارہ کیا تھا، پھر منیب کا حوالہ دیا، غانیہ اب کے دل سے مسکرائی، جھک کر حمدان کو پیار کیا۔

''میں جانتی ہوں میرا بیٹا مجھ سے بہت محبت کرتا ہے، ساری زندگی کرتا رہے گا۔''

''پیار سے بھی زیادہ...... میں پپا سے بھی زیادہ آپ سے محبت کرتا ہوں ماما!'' حمدان جو بغور اس کی بات سن رہا تھا، جھک کر بولا، اپنی بانہیں اس کے گلے میں لاڈ بھرے انداز میں حمائل کر

دیں، اماں کے کہنے پہ غانیہ حمدان کو اٹھائے کمرے میں آئی تو منیب چوہدری کو جاگتے پاکر قدرے خائف ہوئی تھی، بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے گھٹنوں پہ کھلی فائل سے بے پرواہ سگریٹ کے کش لیتا ہوا ان کی آمد سے بھی بے خبر لگتا تھا۔

''یہاں لیٹو حمدان!'' اس نے حمدان کا ہاتھ چھوڑ دیا، لحاف پائنتی کی جانب تہہ کیا پڑا تھا، کھول کر تکیہ سیدھا کرتے ہوئے حمدان کو مخاطب کیا، جو اسی پل اچھل کر بیڈ پہ چڑھ گیا تھا۔

''آج مجھے بہت اچھی والی نیند آنے والی ہے، مما اور پپا کے ساتھ سو کے ہے ناپپا!'' وہ باقاعدہ چہک رہا تھا، منیب کا گیان دھیان بھی ٹوٹ گیا، بیٹے کو دیکھ کر مسکرایا تھا، البتہ مسکراہٹ ضرور اوپری اوپری تھی، حمدان بستر میں گھس گیا، بلکہ لحاف منیب کو بھی اوڑھا دیا، ساتھ ہی فائل اٹھا کر بند کرتے سائیڈ پہ رکھ دی۔

''اب بس کریں ناپپا! آج یار من سے باتیں کریں اسی کو پیار کریں، جیسے ہر روز میں آپ کو خود سے پیار کرتے اپنے ڈریم میں دیکھتا ہوں۔'' وہ ایک دم بھرائی آواز میں کہتا باپ سے لپٹ گیا، منیب کے چہرے پہ ایک رنگ آکر گزرا، اس نے بچے کو خود میں سمولیا۔

''میں آپ کے ساتھ ہوں پپا کی جان! جتنی مرضی باتیں کرو۔''

''شیور پاپا!'' وہ کھلکھلایا، پھر چونک کر غانیہ کو دیکھا، بلکہ حیرانگی سے دیکھا جو ڈریسنگ ٹیبل کے دراز کھولے جانے کیا ڈھونڈ رہی تھی، ڈھونڈ کیا رہی تھی حمدان کو دھوکہ دے رہی تھی، کہ وہ سوئے تب وہ بھی اپنے ٹھکانے لگے۔

''وہاں کیوں کھڑی ہیں مما! یہاں آئیں نا میرے پاس۔'' حمدان نے باپ کی طرف سرک کر اس کے لئے باقاعدہ جگہ بنائی، جہاں منیب کے چہرے پہ زہر خند مسکان اتری غانیہ کا بھی رنگ فق ہوا تھا، اس کا جزبز انداز اس شخص سے مخفی نہ رہ سکا۔

''یہ نہیں آئیں گی بیٹے! آپ سو جاؤ۔'' منیب نے ٹوکا، انداز سلگتا ہوا تھا، غانیہ نے چونک کر ٹھٹک کر اسے دیکھا، وہ متوجہ ہی تھا، نظریں ملنے پہ نظریں نہیں پھیریں، غانیہ کا دل دھک سے رہ گیا، سراسیمہ ہو گیا۔

''کیوں پپا! کیوں نہیں آئیں گی مما یہاں، جگہ تو بہت ہے، یہ دیکھیں۔'' وہ بچہ تھا معصومیت سے استفسار اور جواز پیش کر رہا تھا، منیب کی زہر خند مسکان گہری ہوئی، سوا تر ہوئی۔

''یہ میری بات نہیں مانتی آپ کی کیا مانے گی سویٹ ہارٹ۔'' اب کے وہ نارمل انداز میں گویا تھا بظاہر، غانیہ کے گال تپ گئے، چہرہ دہک اٹھا، یہ آج وہ کیسی باتیں کر رہا تھا، وہ بھی ذرا سے بچے سے، اسے بہت عجیب لگا، بے حد عجیب۔

''کیوں نہیں مانیں گی، ہیں مما! آپ نہیں مانیں گی میری بات؟'' حمدان صورت حال کی گمبھیرتا سے بے خبر اسی معصومیت سے سوال کر رہا تھا، وہ کیا کہتی، اس کی تو زبان ہی گنگ ہو چلی تھی، اسے ذلیل کرنے کا اس شخص کا یہ کوئی نیا حربہ معلوم ہوتا تھا۔

''یہ ڈرتی ہیں۔''

اسے لگا اب کے وہ شخص مسکرایا ہے، غانیہ کا دل عجیب سے سناٹے میں اترنے لگا۔

"لیکن ڈر تو اکیلے سونے سے لگتا ہے ناپا! جیسے مجھے ہر روز لگتا ہے، پپا کے ساتھ سو کر تو بالکل نہیں لگتا، مما آپ پھر کیوں ڈرتی ہیں بتائیں؟" حمدان کی تشویش دیکھنے لائق تھی، وہ تو اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

"یو آر رائیٹ مائی سن! مگر آپ کی مما کو اس بات پہ ٹرسٹ نہیں ہے غالباً۔"

وہ شخص آج اسے حیران کرنے پہ تلا تھا، غانیہ کی گھبراہٹ دوچند ہوئی، وہ کھڑی نہ رہ سکی تو اسٹول پہ ٹک گئی، جسم بالکل سرد اور بے جان ہوا جاتا تھا، اسے لگا وہ شخص اسے جھکانا چاہ رہا ہے، آج اسے موقع ملا تھا بہت خوب موقع ملا تھا۔

"آجائیں مما! پلیز۔" حمدان اٹھ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچنے لگا، وہ مقناطیس کی مانند کھنچنے لگی، خود پہ اختیار جیسے ختم ہو گیا، مگر آنکھیں بے مائیگی کے احساس سے نم ہوتی گئیں۔

"مجھے اسٹوری سنائیں، سب سے اچھی والی، سنڈریلا کی۔" وہ اسے اپنے ہمراہ بستر پہ لے آیا تھا، اب صورتحال یہ تھی کہ درمیان میں وہ تھا اور دائیں بائیں وہ دونوں غانیہ گم صم بے بس لاچار لگتی تھی، وہ شخص جیسے اس کی بے بسی سے ہی حظ لے رہا تھا۔

"انہیں سینڈریلا والی سٹوری نہیں آتی ہو گی، ظالم شہزادے والی سنو، وہ یاد رہتی ہے انہیں۔" وہ پھر سے سگریٹ سلگا رہا تھا، مبہم سا مسکرایا، غانیہ نے آنسوؤں سے بھری آنکھیں لمحہ بھر کو اٹھائیں۔

"حمدان آپ سو جاؤ، میں کل رات کو اسٹوری سناؤں گی رائیٹ؟" وہ نرمی سے ٹوک گئی تھی، مقصد اس مشکل صورتحال سے نکلنا تھا، جسے منیب چوہدری نے صاف سمجھا، صاف جانا، جبھی کچھ مزید سلگ گیا تھا، البتہ کچھ بولا نہیں، حمدان کو واقعی نیند آئی ہوئی تھی یا پھر ان دونوں کے ساتھ نے اسے اتنا مطمئن آسودہ کیا تھا کہ چند لمحوں میں گہری نیند کی آغوش میں چلا گیا، غانیہ تو جیسے منتظر تھی، ایک دم اٹھی اور اس میں مگن اس میں کب سے محو منیب چوہدری چونک گیا، وہ جو الجھ رہا تھا، مضطرب تھا، یہ سوچتا ہوا کہ۔

"یہ تو بہت خوب صورت ہے، بہت زیادہ، میرے تصور سے بھی بڑھ کر حسین ترین کہ جسے برباد کرنے تڑپانے ستانے کا خیال مسخ ہو کر محبت کرنے پہ مجبور کر دے۔" وہ یوں پہلی بار اتنا نزدیک سے اس کا جگمگاتا حسین چہرہ دیکھ کر ششدر ہوا جاتا تھا، جیسے اپنے اندر ہوتی جنگ سے پسپا ہوتا ہارتا ایک دم اس کی کلائی جکڑ گیا، غانیہ نے چونک کر تھرا کر اس مرد کو دیکھا، جس کی آنکھوں میں مخصوص تقاضے تھے، وہ تقاضے جو کم از کم اس کے لئے اس کی آنکھوں میں اترتے غانیہ نے نہیں دیکھے تھے۔

"میں نے اپنی مرضی سے تمہیں اپنے بستر پہ نہیں بلایا، کبھی مجبور بھی نہیں کیا، تم گواہ ہو۔" وہ ایک ایک لفظ چبا کر بول رہا تھا، غانیہ کا دل رک رک کر دھڑکنے لگا، رنگ بالکل متغیر ہو چکا تھا۔

"م...... میں حمدان کی خاطر......"

"لیکن اب جاؤ گی میری مرضی سے۔" اس کی آواز بے حد بھاری ہو رہی تھی، غانیہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، یہ کیسا تعلق بندھنے جا رہا تھا، جس میں دل پہ بوجھ ہی بوجھ تھا، اس شخص کے

ایک ہی جھٹکے کے نتیجے میں فاصلے سمٹ گئے۔
''میں تو یہ سوچنے پہ مجبور ہوا ہوں کہ تمہیں کبھی مجھ سے محبت بھی تھی یا نہیں۔'' اس کا چہرہ ہاتھ کی سخت ترین گرفت میں دبوچے وہ کیسے شک آلود لہجے میں سوال کر رہا تھا، غانیہ کے پاس اس سوال کا جواب آنسو تھے، جو بہہ نکلے تھے، منیب کا طیش اسی حساب سے بڑھا۔
''ان آنسوؤں کی وضاحت ضرور کروگی تم غانیہ بیگم! اگر تمہیں میری قربت پسند نہیں تھی تو آج اس حیثیت سے تمہاری یہاں موجودگی بے معنی ہے۔'' وہ تڑخ رہا تھا، چیخ رہا تھا، غانیہ نے آنسو پونچھ دیئے، آج وہ پھر جلال میں تھا، چہرہ ایکدم سرخ ہو رہا تھا۔
''عورت محبت کرتی ہے تو محبوب سے محبت سے زیادہ عزت کی متقاضی اور خواہش مند ہوا کرتی ہے منیب صاحب! آپ کا ساتھ میرا فخر آپ کی قربت میرا اعزاز تو آپ سے ملنے والی عزت میرا سب سے قیمتی سرمایہ قرار پائے گی، میں مایوس نہیں ہوں، اگر آپ کے ساتھ کے بعد مجھے آپ کی قربت کا اعزاز بھی حاصل ہونے جا رہا ہے تو سب سے قیمتی سرمائے سے بھی محروم نہیں رہوں گی۔'' وہ بولی تو اس کی آواز میں بلا کا سکون اور ٹھہراؤ تھا، منیب چوہدری ایک دم سرد پڑ گیا، تنفر سے بھر گیا، جبھی اسے دور جھٹک دیا تھا۔
''کان کھول کر سن لو غانیہ بیگم! نہ تو تمہیں مجھ سے محبت ملے گی نہ ہی عزت، تم اس قابل نہیں ہو، ہاں ضرورت ضرور بن سکتی ہو اور بنو گی، میں تمہیں تمہارے ٹھکانے پہ یعنی اوقات پہ رکھنا چاہوں گا۔''
غانیہ اب کے کچھ نہیں بولی، پھر اس شخص کے رویئے نے واقعی اسے جتلایا تھا کہ وہ واقعی ایک ضرورت ہے، محض ضرورت، وہ ایک انسان ایک عورت بھی نہیں تھی، بس ضرورت تھی۔

☆☆☆

رات بہت بوجھل تھی، بہت تکلیف دہ، منیب سویا تو اس نے تھک کر بیڈ کی پشت سے سر ٹکا دیا تھا، آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر بوجھل پلکوں سے گرتے رہے، اس شخص کی آنکھوں سے نفرت کے شعلے نکلتے تھے، اس کے ہاتھ کی گرفت اس قدر سخت تھی کہ غانیہ کو لگتا رہا تھا اس کی ہڈیاں ٹوٹ کر گوشت کے اندر سرائیت کر رہی ہیں، غصے اور نفرت کی چنگاریاں اس کی خوب صورت آنکھوں میں پھیل رہی تھیں، اسے قطعی سمجھ نہیں آسکی تھی اتنی نفرت کے باوجود اس قربت اس تعلق کی گنجائش کہاں سے نکل آتی تھی، ضرورت کیوں پیش آ گئی تھی، اس نے جلتی آنکھیں کھولیں تو دونوں آنکھوں کے کناروں سے گرم گرم دو بوندیں نکل کر اس کے کانوں کے پیچھے گم ہو گئیں، اس شخص کے پرسکون خراٹے ماحول کا حصہ تھے، وہ کہنیوں پہ جسم کا بوجھ ڈالتی اٹھ بیٹھی، کمرا تاریک تھا، اس نے خود کو سمیٹا اور اندازے سے چلتی دروازہ کھول کر باہر آ گئی، کھلا آنگن سرد ہواؤں سے لبریز تھا، آسمان بادلوں سے بھرا تھا، چاند ستارے جانے کہاں غائب تھے، وہ وہیں کھڑی اپنے اندر جلتی آگ کو ان سرد ہواؤں سے بجھانے کی کوشش کرتی رہی، بادل ہلکے ہلکے گرجنے لگے پھر بارش بھی آہستگی سے بغیر آواز کے آسمان سے اترنے لگی، درخت کی گھنی شاخیں بوندوں کا راستہ روک رہی تھیں، سامنے صحن گیلا ہوتا جا رہا تھا، ایک لمحے کو بجلی زور سے چمکی اور پورا صحن روشن ہو کر پھر سے اندھیرے میں ڈوب گیا،

گیلے فرش پہ ٹپاٹپ بوندیں گر رہی تھیں، وہ وہیں کھڑی رہی، بھیگتی رہی، یہاں تک کہ بارش مدھم ہوتے بالکل رک گئی، اب ٹھنڈی ہوا چلنے لگی تھی، اس نے گہرا سانس بھرا تو بھاپ کا اک بگولہ اس کے منہ سے نکل کر لحہ بھر میں فضا میں تحلیل ہوا، تھکاوٹ مزید گہری ہوئی۔

ہم سفر کوئی نہیں اب تو
چارہ گر کوئی بھی نہیں اب تو
یار کتنے تھے اچھے وقتوں میں
ہاں مگر کوئی نہیں اب تو
میں نے دل کو تیرے حوالے کیا
مجھ کو ڈر کوئی نہیں اب تو
شہر بھر میں تیرا چاہنے والا
تھا مگر کوئی نہیں اب تو
دل کی سب نرمیاں تمام ہوئیں
چشم نم کوئی نہیں اب تو

کبھی کی پڑھی نظم یاد آ کے اسے رلانے لگی، فضا میں تہجد کی اذان کی پکار گونجی تب وہ جیسے چونک کر حواسوں میں لوٹی تو بارش میں کب سے کھڑے ہونے کے باعث ساری بھیگ رہی تھی، اب تو سرد ہواؤں کی بدولت جسم پہ بھی لرزہ سا چھا رہا تھا، کمرے میں آ کر اس نے باتھ لینے کی غرض سے کپڑے نکالے تھے، اس کے بعد نماز میں مشغول ہوئی تو فجر پڑھ کے ہی جائے نماز چھوڑا تھا، منیب کو حمدان کے ساتھ سوتا چھوڑ کر وہ خود کچن میں آ گئی، منیب تیار ہو کے باہر آیا تو حسب معمول سب کو ناشتہ وہی دے رہی تھی، ہلکے گلابی اور آتشی گلابی کنٹراسٹ کے کڑھائی والے سوٹ میں اس کا نازک سراپا اور بھی دلکش لگ رہا تھا، ریشمی دوپٹے کے نیچے کھلے نم بال رات کی کہانی کے سارے راز کھول رہے تھے، اگرچہ وہ خود بہت خاموش تھی مگر اس کا حلیہ سب کچھ کہے دے رہا تھا جیسے، نکھری نکھری اور اسے تو وہ جیتی ہوئی نازاں اور ہشاش بشاش بھی لگی تو اندر جلتا پچھتاوا گہرا ہونے لگا۔

وہ جو نالاں سارات سے متعدد بار خود سے الجھ چکا تھا کہ آخر اسے کیا ہو گیا تھا، وہ کیوں اتنا کمزور پڑ گیا اب کے مزید جھنجھلا اٹھا۔

''دھی رانی تو بھی ناشتہ کر لے۔'' گرما گرم خوشبودار آملیٹ کی پلیٹ اور خستہ سنہرے پراٹھے رکھ کر وہ واپس مڑنے لگی تو اماں نے لاڈ سے اسے مخاطب کیا، منیب کا دماغ تناؤ سے بھرنے لگا، وہ پہلو جس میں دل دھڑکتا تھا یوں جلنے لگا جیسے کسی نے انگارے وہاں دھر دیئے ہوں۔

(کیا سوچتی ہو گی آخر یہ محترمہ! میں اتنا کمزور ہوں، یا خود کو حسینہ عالم سمجھ بیٹھی ہے، جس کے آگے میں خود پہ ضبط کھو بیٹھا۔)

کیا تھی وہ جنگ جو رات اندر جاری تھی جو گھمسان کا رن اب پڑا تھا، تلخی سی تلخی تھی کہ اسے باہر نکالنے کا بھی طریقہ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

''منیبے! تیرا دھیان کدھر ہے؟ کجھ وی نئیں کھا رہا ہے توپتر! طبیعت تو خیری صلا ٹھیک ہے نا تیری؟'' اماں کو اس کی فکر لاحق ہوئی، اس نے لمحہ بھر کو نگاہ اٹھائی، غانیہ اسے ہی دیکھ رہی تھی، نگاہ چار ہونے پہ گڑبڑا کر نظر چرالی، وہ ہونٹ بھینچے وہاں سے اٹھا تھا۔

''اپنوں کی ہو یا......؟'' اماں کی تشویش گہری ہونے لگی، غانیہ کے پاس اس بات کا کیا جواب تھا بھلا، اماں نے ازسرے نو اس کا سرتاپا جائزہ لیا، جو اطمینان ہوا تھا صبح اسے دیکھ کر وہ پھر سے اضطراب کی جانب مائل ہونے لگا، عجیب گورکھ دھندا تھا، بہو بیٹے کو ان کے خیال میں تو بہت اور طرح نظر آنا چاہیے تھا، مگر دونوں کے موڈ اور منہ ہی الگ داستانیں سنا رہے تھے۔

''تیرے نال تو لڑائی نئیں کیتی منیبے نے؟ ہور نئیں کجھ تے نکے دی وجہ توں ہی۔'' اماں کے سوال نے غانیہ کو گھبراہٹ سے دوچار کر دیا۔

''نہیں نہیں، بالکل بھی نہیں۔'' وہ بے ربط انداز میں بول رہی تھی، اس کا چہرہ ہنوز زرد تھا، ہونٹ کپکپا رہے تھے، بالآخر آنسوؤں کی لڑیاں بھی آنکھوں سے رواں ہوئیں تو سرعت سے رخ پھیر کر کچن میں آگئی۔

''بھرجائی تھوڑا دودھ گرم کر کے اس میں دیسی گھی ڈال دینا، آج کچھ اور کھانے کو دل نہیں کر رہا ہے۔'' سہیل پکارتا ہوا آ رہا تھا، اس نے سرعت سے آنسو صاف کیے، دودھ چولہے پہ ہی تھا اس نے بڑے سائز کے مگ میں نکال دیا، چینی اور گھی ڈال کر چمچ سے اچھی طرح ہلایا اور منتظر کھڑے سہیل کی جانب بڑھا دیا۔

''نکا نہیں اٹھا آج ابھی تک؟'' وہ وہیں کچن کے دروازے کی چوکھٹ سے کندھا ٹکائے گرم دودھ گھونٹ گھونٹ حلق سے اتارنے لگا۔

''آپ ہی نہیں جگایا، نیند پوری ہو گی تو اٹھ جائے گا خود ہی۔'' وہ رخ پھیرے برتن دھو رہی تھی، ناچار جواب دیا۔

''میں سوچ رہا ہوں، پولٹری فارم کھول لوں، اچھا منافع مل جائے گا، کیا خیال ہے بھرجائی؟'' سہیل کسی سوچ کسی خیال میں ڈوبا اس کی اصلاح مانگ رہا تھا، وہ حیران رہ گئی، اسے بھلا بزنس کا کیا تجربہ۔

''میں تو کچھ نہیں کہہ سکتی، آپ تاؤ جی سے مشورہ کر لیں۔''

''ابا سے تو جھڑکیں ہی سننے کو ملیں گی، ان کو تو زمین دار یا ہی کھیتی سے اچھا کوئی کام ہی نہیں لگتا۔'' جواباً وہ جل کر بولا، پھر خود ہی مزید گویا ہوا تھا۔

''مگر مجھے یہ کام نہیں کرنا، ہر موسم کی شدت انسان اپنے جسم پہ برداشت کر لے اور یوں جوانی میں ہی بڈھا ہو جائے، میں یا تو باہر جاؤں گا یا ادھر ہی کوئی اچھا سا کام کروں گا۔''

''جو بھی کام کریں، ذریعہ آمدن بہرحال حلال اور جائز ہونا چاہیے۔'' اس کا انداز ناصحانہ تھا جسے محسوس کرتا سہیل زور سے ہنس دیا۔

''بہت کھری اور سوہنی بات کی ہے بھرجائی، آج کل اس باریکی میں کون جانا گوارا کرتا ہے کہ پیسہ حلال ہے یا حرام، اب تو سچ پوچھیں ایسے ایسے ذریعہ آمدن نکل آئے ہیں کہ حرام حلال کے

درمیان لکیر اتنی باریک ہوتی ہے کہ اکثر نظر بھی نہیں آتی، وہاں بندہ کیا کرے۔'' غانیہ نے پلٹ کر اسے توصیفی اور تائیدی نظروں سے دیکھا پھر آہستگی سے مسکرادی تھی، بولی تو اس کا انداز بہت مطمئن قسم کا تھا۔

''ہمیشہ یاد رکھیں کہ حلال وہ ہوتا ہے کہ جس پہ آپ کا ضمیر آپ کو ملامت نہیں کرتا، ضمیر مطمئن ہو جائے تو سمجھو سب درست ہے۔''

''آپ ٹھیک کہتی ہو بھرجائی! مگر ابے کو تو کوئی اور کام زمینداری سے زیادہ حلال اور جائز لگتا ہی نہیں، بھلے وقتوں میں انہوں نے مین روڈ کے پاس زرعی زمین کا ایک حصہ خریدا تھا، خیال تھا کہ ادھر دو کانیں بنا کر کرائے پہ دیں گے مگر زمین ایسی زرخیز نکلی کہ ان کی توقع کے برعکس پیداوار دینے لگی، اب وہ کچھ اور تصور بھی نہیں کرتے پیداوار لینے کے علاوہ، کہتے ہیں سونا ہے سونا، سب ادھر ہی کھپیں یہی ان کا ارمان ہے۔''

غانیہ چپ ہوگئی، سہیل نے دودھ ختم کیا مگ اس کے حوالے کرتا پلٹ کر چلا گیا، غانیہ وہیں ہاتھ میں مگ لئے لایعنی سوچوں میں گھری تھی گھری رہی۔

☆☆☆

نیم تاریک کمرہ تھا، بلکہ تاریک تھا، بالکل تاریک، بس ایک شمع روشن تھی، جس کی لو کا لرزتا سایہ دیواروں پہ پڑتا تھا تو ماحول کی گمبھیرتا اور خوفناکی کچھ اور گہری ہو جاتی، آج سردی معمول سے زیادہ تھی، کچھ دیر پہلے ہلکی سی پھوار بھی پڑی تھی، ابھی زمین پوری طرح گیلی بھی نہ ہوئی تھی کہ بارش تھم گئی، وہ تو بوند بوند کو ترستی تھی، کٹورے میں جتنا پانی جمع ہوا تبرک کی مانند سنبھالے اندر آ گئی، ایسے کاموں کے لئے تو وہ ملازموں پہ بھی بھروسہ نہیں کرتی تھی، اب وہ تھی اور اس کے گیان دھیان، وہ چھوٹی سی گٹھڑی کھولے بیٹھی تھی، کسی پڑیا سے مٹی نکلتی کسی سے تین انچ لمبے سیاہ چمکیلے جاندار گھنے چند بال، یہ بال مردانہ لگتے تھے، ایک سفید رنگ کا کپڑے کا چھوٹا سا ٹکڑا تھا، اس کے سامنے آگ روشن تھی، وہ منہ میں کچھ بدبداتی پھر کسی نہ کسی پڑیا سے چٹکی بھر کے آگ میں جھونک دیتی، کٹورے سے پانی کے بھی چند چھینٹے دہکتے کوئلوں پہ چھڑکے، آگ بھڑکی فروزاں ہوئی، کوئلوں پہ پانی گرنے سے سڑ سڑ کی آواز بھی گونجی، اس نے ہاتھ اپنے چپے نما قمیض کے اندر ڈالا اور ایک پتلا نکیس برآمد کرلیا، یہ پتلا کسی شاندار مرد سے مشابہہ تھا، نیم اندھیرے نے پتلے کے نقش غیر واضح رکھے مگر عورت کی آنکھوں سے پھوٹتی حریصانہ چمک نے واضح کیا تھا اس چہرے کی اس کے نزدیک کتنی اہمیت ہے، آنکھوں کی چمک شیطانی اور حیوانی ہو رہی تھی، وہ پھر تیز تیز منہ میں کچھ بدبداتی پتلے کے سر میں دماغ کے مقام پہ باری باری سوئیاں گاڑھنے لگی، یہ اس عمل کا آخری مرحلہ تھا، یہ پورا ہو جاتا تو جیت اس کی یقینی ہوتی، ظالم محبوب اس کے قدموں میں ہوتا، اسے اپنے سفلی عمل پر پورا بھروسہ تھا مگر برا ہوا تو کرانی کا، جو یکدم بند دروازہ پیٹنے لگی، اس کی پکارتی آوازیں چیخوں سے مشابہہ تھیں، وہ اسے اس عورت کے بچے کی بیماری شدید بیماری سے آگاہ کررہی تھی، عورت کا گیان دھیان ٹوٹ گیا، منتر جو پڑھ رہی تھی، زبان لڑکھڑا گئی، اس کا چہرہ یکدم پتھرا گیا، غیض وغضب سے سرخ پڑ گیا، معاً وہ اٹھی، پتلا چھوٹ کر ہاتھ سے پیروں میں گرا، وہ رکی نہیں،

محنت سے جمع کیا بارش کا پانی اپنا ہی پیر لگنے سے کٹورا الٹنے کے باعث ضائع ہوا، اس نے کسی ناگن کی طرح پھنکارتے ہوئے بڑھ کر دروازہ کھولا، اس سے قبل کہ ملازمہ کچھ کہہ پاتی اس نے کسی بھیڑیئے کی مانند غراتے ہوئے ملازمہ کو بالوں سے پکڑ لیا، اندھا دھند پیٹنے لگی۔

''حرام کی پلی...... منع کیا تھا، منع کیا تھا مت مداخلت کرنا...... مگر تو...... شیطان کی رن کیسے نہ آتی...... اور وہ...... یذید کی اولاد...... اسے موت کیوں نہیں آجاتی...... تجھے اتنا غم ہے اس کا تو خود اسے ہسپتال لے کر کیوں نہ مری......؟ میری ماں کی سوتن...... تجھے مجھ سے دشمنی کیا ہے؟...... بتا...... بتا......؟ آج میں تجھے چھوڑوں گی نہیں۔'' لاتیں، گھونسے، تھپڑ، کوسنے مغلظات، وہ جو کچھ دیر قبل کسی چڑیل سے مشابہہ دکھائی دیتی تھی، اب کسی جننی کا روپ دھارے سراپا قہر تھی، ملازمہ کی چیخیں کربناک کراہیں اس کے وحشت بھرے چہرے پہ عجیب سی تسکین بھر رہی تھیں، تشدد کو ہوا دے رہی تھیں۔

☆☆☆

ہجر اور ڈوبتے سورج کی قسم
شام کے پار کوئی رہتا ہے
جس کی آنکھوں سے بندھی رہتی ہے دھڑکن دل کی
اور اسے دل کے سینے میں یہی لگتا ہے
جیسے ویرانے میں بیمار کوئی رہتا ہے
ہم بہت چپ بھی نہیں رہ سکتے
دور تک ڈھلتے ہوئے سائے اڑاتے ہیں مذاق
اور کہتے ہیں اے درد اداسی والے
تم تو خاموش شجر ہو کوئی
اور جھونکے سے بھی ڈر جاتے ہو
صبح ہوتی ہے تو امید سے جی اٹھتے ہیں
شام سے رات تلک ہجر کے پاتوں میں پسے
پستے رہتے ہیں پھر صبح تلک

دھوپ میں وہ تندی نہیں رہی تھی، یا اس کے دل پہ دھوپ کی تپش سے بھی جھلسا دینے والا کوئی احساس غلبہ پا چکا تھا، ذات اور عزت نفس کو یوں سر عام پیروں تلے کچلے جانے کا احساس۔

اس کے ساتھ سن سن کرتی دھوپ کی شعاعیں تھیں یا ذلت بھرا احساس جو کچھ سلیمان نے کیا تھا، وہ ناقابل برداشت ہی نہیں ناقابل قبول بھی تھا، نقصان صرف اسی کا کیوں ہو؟

کچھ دنوں سے وہ منفی سوچ سوچ رہی تھی، انتہا سے گزر جانا چاہتی تھی، وہ انتہا جس سے وہ گزرنا نہیں چاہتی تھی، یا تھار گڑتے ہوئے وہ لہو میں اٹھتی لہر پہ قابو پانے لگی، گاڑی کی رفتار اس کی ذہنی وقلبی حالت کی غماز تھی، شہر کی بارونق سڑکیں اور روشنیاں آہستہ آہستہ گم ہوتی جا رہی تھیں، پھر پولز میں وقفہ کچھ زیادہ ہی بڑھنے لگا، اب گاڑی بے حد ویران اور نیم تاریک سڑک پر دوڑ رہی تھی،

معا اس کا سیل فون گنگنانے لگا، وہ تب ہی جیسے حواسوں میں لوٹی، دہشت بھری نگاہوں سے ڈیش بورڈ پہ پڑے اپنے فون کی جلتی بجھتی اسکرین کو دیکھا۔

''ڈیڈ کالنگ۔'' اس کی نظریں ان الفاظ کو اجنبی تاثر سے دیکھتی تھیں، پہچان سے عاری تھیں، فون مسلسل بجتا تھا، اس کی لاتعلقی بے نیازی کو خاطر میں نہ لاتا تھا، وہ جھنجلا گئی، کال ریسیو کرنا پڑی۔

''ہیلو۔'' اکتاہٹ بے زاری کے ساتھ آواز میں بوجھل پن اور آنسوؤں کی نمی بھی شامل تھی۔

''کہاں ہو تم...... گھر پہنچو فوراً۔'' ادھر سے آرڈر ہوا تھا، آواز میں برہمی و سختی مترشح تھی، وہ اس کے تابع رہے تھے ہمیشہ اس کی خوشی کی خاطر بڑے بڑے فیصلے کیے تھے، قربانیاں دی تھیں مگر اب اسے خود کو برباد اور تباہ کرتے دیکھ کر اس سے خفا رہنے لگے تھے، اس پر سختی کرنے لگے تھے۔

''کیسے آؤں...... راستہ نہیں مل رہا ہے ڈیڈ۔'' وہ ضبط کھو گئی، بے ساختہ بلک پڑی، کیسی بے بسی تھی آواز میں، جیسے وہ گھر کا نہیں خوشی اور زندگی کا راستہ بھول گئی ہو۔

''کیا مطلب؟ کہاں ہو تم؟'' انہیں فطری تشویش نے گھیرا، پھر اس کے آنسو بھی تو بے چینی کا باعث تھے۔

''قسم سے پتا نہیں ڈیڈ! بس اتنا پتا ہے، ہر سو اندھیرا ہے، بہت اندھیرا۔'' وہ اور شدتوں سے رو دی گئی، بارش کب کی شروع ہو گئی تھی، موٹی موٹی بوندیں قیمتی گاڑی کی چھت پہ پتھروں کی طرح برستی تھیں، ان کی تشویش و پریشانی کا کوئی انت نہ رہا جیسے۔

''گاڑی سے باہر نکلو، آس پاس دیکھو کیسی جگہ ہے، کتنی بار منع کیا ہے ڈرائیور کے ساتھ جایا کرو مگر تم۔'' وہ بہتے آنسوؤں سمیت باہر نکلی، بھیگی سڑک پہ اس کے قدم سوچ کر اٹھتے تھے اوور کوٹ کے کالر اٹھے ہوئے تھے اور بارش شدتوں سے برستی اسے بھگوتی تھی۔

قدیم لیمپ کی زرد روشنی اس کے ملکوتی نقوش کو نمایاں کر کے دکھاتی تھی، بارش میں تیزی آ گئی تو تیز قدم اٹھانے کی کوشش میں اس کا پیر کئی بار پھسلا، گہرا سانس بھرتی وہ واپسی کو پلٹی تھی کہ ایک بار پھر پھسلی اور سنبھلے بغیر گری، سر کے بل گری تھی، چوٹ بھی سر میں آئی، مگر حواس سلامت تھے، پتہ نہیں کیوں، حالانکہ اس کی خواہش تھی ہر حواس سے تعلق توڑ دینے کی، سیل فون ہاتھ سے چھوٹ کر کچھ فاصلے پہ جا گرا، اسکرین روشن اور کال چل رہی تھی، وہ اگر ذرا سی ہمت کرتی تو فون تک رسائی حاصل کر لیتی، ڈیڈ کو تازہ صورت حال سے آگاہ کر دیتی، مگر وہ ہمت ہی تو نہیں کرنا چاہتی تھی۔

موت کی خواہش میں جینے والے موت کا انتظار کیا کرتے ہیں، گرفت میں لینے کو بے تاب رہتے ہوئے، وہ بھی اسی پل عجیب سے انداز میں مسکرائی، بڑی وحشت بھری تھی یہ مسکان، بڑی جنونی۔

''تم نہیں مل سکتے سلیمان! بہت قیمتی ہو، مگر موت اتنی قیمتی نہیں ہے، نا قابل رسائی بھی نہیں، تمہیں حاصل نہیں کر سکتی، موت کو تو کر سکتی ہوں۔''

تم نہیں ملتے اک بار ہمیں
اور یہ زندگی دوبارہ نہیں

بارش کے ساتھ اب برف بھی گر رہی تھی، لندن میں برف باری کی شدت بھی خدا کی پناہ، گرتی برف میں شدت آتی جا رہی تھی، رات، اندھیرا، تنہائی، ویرانہ، اور موت کا دیوانہ وار رقص، اسے بہت سکون محسوس ہوا، وہ اسی سکون کے ہمراہ آنکھیں موند گئی تھی، شاید ہمیشہ کو۔

☆☆☆

ہوا ایک دم تیز ہوئی تھی، اس نے سر اٹھا کر گرتے پتوں اور سرسراتی شاخوں کو دیکھنے کی کوشش کی، ایک خشک پتہ گرتے گرتے آنکھ کا کنارہ چھو گیا، وہ سر جھکا کر آنکھ رگڑنے لگی، معاً ہواؤں میں تیزی آ گئی، اونچے لمبے درخت، دائیں بائیں جھولنے لگے، وہ وہیں برآمدے میں رکھی کرسی پہ بیٹھ گئی، میز پتوں سے اٹی تھی، اس نے ہاتھ مار کر سارے پتے گرا دیئے، ہوا آندھی کا روپ دھار گئی، پتے اور خشک ٹہنیاں اس سے اڑ اڑ کر ٹکرانے لگیں، کھڑکی زوردار آواز کے ساتھ کھلی، وہ ہڑبڑا کر اٹھی اور بھاگ کر کھڑکیاں دروازے بند کرنے لگی، دھول مٹی سے ہر شے اٹ جاتی تو صفائی کرنا دشوار امر ہو جاتا، اس وقت گھر میں اس کے سوا کوئی نہیں تھا، اسے عجیب سا خوف گھیرنے لگا، دادی کی طبیعت کچھ بہتر نہ تھی، اماں اور ابا انہیں حکیم کے پاس لے کر گئے تھے، کہ دادی ڈاکٹروں کی دوائیں نہیں کھاتی تھیں، سہیل تو دوپہر کا نکلا ہوا تھا یار من کے ہمراہ گاؤں کی سیر سپاٹے کو شہر میں بھی آوارہ گردی کا ارادہ تھا، رہ گیا وہ شخص تو اسے ابھی کہاں لوٹنا تھا، وہ اندر کی دحشت پہ قابو پانے کو صحن کی چند سیڑھیاں چڑھ کر بیٹھک کی چھت پہ آ گئی، یہاں ہواؤں کی شوریدہ سری عروج پہ تھی، یخ بستہ جھونکوں نے کپکپا کے ہی نہیں رکھا، اس کی شال بھی ساتھ اڑائے جانے کے درپے ہو گئی۔

اس نے آگے بڑھ کر منڈیر سے گلی میں جھانکا، جو سنسان تھی، منڈیر کی سلیں بالکل یخ ہو رہی تھیں، اتنی کہ لمحوں میں اس کی ہتھیلیاں اپنی یخ بستگی سے نیلی کر ڈالیں، دور مسجد کے ننھے ننھے مینار دھند میں سر اٹھائے خاموش کھڑے تھے، گاؤں سے ذرا پرے گھنے درختوں کی اوٹ میں چھپے قبرستان میں چمگادڑیں اور جگنو جاڑے کی باہوں میں کہیں خود کو چھپائے ہوئے تھے، سرشام ہی اس ٹھٹھرتے موسم نے گاؤں اور آس پاس کھڑے درختوں کھلیانوں کے ہونٹوں پر اپنا برف آلود ہاتھ رکھ دیا تھا، بارش ایک دم برس پڑی، جیسے آسمان کا منہ کھل گیا ہو، وہ گھبرا کر تیزی سے پیچھے ہٹی اور اندھا دھند نیچے بھاگی، شاید اس کا وہم تھا یا واقعی بیرونی دروازہ دھڑ دھڑایا جا رہا تھا۔

اس کا وہم نہیں تھا، نیچے آتے ہی اسے اندازہ ہوا، دروازہ واقعی بج رہا ہے، وہ اندر جانے کی بجائے ڈیوڑھی کی جانب آ گئی، بنا پوچھے اس یقین کے ساتھ کھولا کہ اماں اور دادی ہوں گی، مگر ان کے بجائے سامنے منیب چوہدری کھڑا تھا، قدرے جھلایا ہوا سا۔

اسے سامنے جمے پا کر کوفت بھرے انداز میں ہاتھ سے دھکیلتا خود اندر بڑھ گیا، وہ کچھ دیر وہیں کھڑی رہی پھر خود بھی دروازہ بند کرتی پلٹ آئی، ارادہ کچن میں جا کر چائے بنانے کا تھا کہ جب تک وہ کپڑے بدلتا چائے تیار ہو جاتی، آنگن گیلا تھا، گو کہ پختہ ہونے کی بدولت کیچڑ تو نہیں تھی مگر پھر بھی اس کا پیر پھسل گیا تھا، ہزار سنبھلنے کی کوشش کے باوجود وہ گری تھی تو فوری اٹھی تو پاؤں ایسے مڑا کمر کچھ ایسے فرش سے ٹکرائی کہ اس کے حلق سے بے ساختہ چیخیں نکلتی چلی گئیں تھیں۔

(باقی اگلے ماہ)

چاند میاں
رمشا احمد
Downloaded From
paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM

نئی نویلی بہو نے کینہ توز نظروں سے ایک بار پھر بالکونی پر نظر ڈالی اور دل میں پھر سے بھاتبڑ جلنے لگے۔

بس یہی ایک بالکونی تھی جہاں پر بیٹھ کر چائے پیتے ہوئے وہ تھوڑے سے آسمان کو دیکھتے ہوئے بہت ساری آکسیجن اپنے سینے میں اتارتی رہتی تھی اور اب وہ جگہ بھی اس سے ہتھیا لی گئی تھی اس چھوٹے سے فلیٹ (اس کے میکے کے بڑے سے صحن والے گھر کے آگے تو یہ چھوٹا ہی تھا چاہے دو بیڈ روم، لاؤنج اور کچن ہی کیوں نہ تھے) میں شروع دن سے اس کا دم گھٹتا تھا وہ قدرتی نظاروں کی دیوانی پودوں پر عاشق اور یہ بلند عمارت میں مرغیاں کے ڈربے جیسے فلیٹ سامنے بنی ہوئی ایک عمارت اور بجلی کی تاروں کے بے ہنگم گزرتا نظارا بالکونی جو اس کے آنے سے قبل کاٹھ کباڑ کا گھر تھا واحد اس کی جائے پناہ تھی، آتے ہی اس نے بالکونی کی صفائی کی اور پھر احسن سے کہہ کر بڑے گملوں میں پودے لا رکھوائے تھے ان کی ہریالی اسے تازگی کا احساس بخشتی تھی مگر اب وہ بالکونی پہلے سے بھی بدتر حالت میں تھی اور اس کے پودے۔

آہ...... اللہ کو پیارے ہو چکے تھے لاؤنج میں رکھے صوفے پر باسی سموسے جیسا منہ بنائے وہ ایک بھر بالکونی پر موجود ہستی کو دل میں کوسنے لگی تھی، ہر چیز سے بیزاری جھلکتی تھی کہ اس کی سوچیں بے حد بیزار کن ہو چلی تھیں۔

''بس ہو گیا فیصلہ میں اب مزید اس عذاب میں نہیں رہ سکتی یا میں نہیں یا پھر یہ نہیں۔'' وہ فیصلہ کن انداز میں غصے سے اٹھ کر ٹہلنے لگی تھی بس تھوڑی دیر ہی رہ گئی تھی احسن کے آنے میں۔

اور رات کو جب یہی بات اس نے احسن کو کھانے کے بعد چائے کا کپ پکڑاتے ہی تو وہ حیرت سے گویا ہوا۔

''کیا مطلب؟ اس عید پر تمہاری قربانی کر دوں؟'' احسن کے معصومانہ انداز میں پوچھے گئے سوال پر اس کی جی جان جل گئی تھی، اتنا شدید غصہ آیا تھا کہ بات کا جواب دیئے بغیر وہ بیڈ پر سر تک چادر اوڑھ کر لیٹ گئی تھی اسے پوری امید تھی کہ احسن اسے منائے گا لیکن جب کافی وقت گزر گیا تو اس نے آہستہ سے چادر سرکا کر دیکھا اور کمرے کے سامنے بالکونی پر جو منظر نظر آیا اس کا بلند آواز میں رونے کو دل چاہا، روٹھی بیوی کو منانے کی بجائے احسن بالکونی پر اس کی سوتن (کم از کم اسے تو سوتن ہی لگتا تھا) کی ناز برداریاں کر رہا تھا۔

☆☆☆

''لیکن امی!'' فون پر دوسری طرف کی بات (بلکہ ڈانٹ) سنتے ہوئے وہ بس اتنا ہی کہہ پائی اور پھر جو اسے نان سٹاپ ہدایات ملنا شروع ہوئیں اس نے بس آخر میں ''جی اچھا'' کہہ کر فون بند کر دیا۔

کوئی اس کے مسئلے کو اہم جانتا ہی نہ تھا بلکہ مسئلہ ہی نہیں گردانتا تھا، مسئلہ تو تھا لیکن اتنا نہیں جتنی اس کی حساس طبیعت اسے محسوس کر رہی تھی۔

اصل میں تانیہ بیاہ کر جس گھر میں آئی وہ اس کے میکے کی مانند بہت بڑا ہوا دار اور صحن برآمدے کے ساتھ بنا ہوا تھا کیونکہ اس کا سسرال اس کے میکے کی مانند بھرا پرا تھا اور یہ بھی اتفاق تھا کہ وہ اپنے گھر میں بھی پانچ بہن بھائیوں کی سب سے چھوٹی بہن تھی اور سسرال میں بھی سب سے چھوٹی بہو تانیہ اپنے ہی جیسا ماحول اور گھر پا کر بے حد مطمئن اور خوش تھی لیکن یہ خوشی اس وقت اڑنچھو ہو گئی جب احسن نے شادی کے

پندرہ دن بعد اسے اپنے ساتھ لے جانے کے لئے سامان پیک کرنے کو کہا بقول احسن کے وہ دنیا کی واحد بیوی تھی جو شوہر کے ساتھ نہ جانے کی بجائے جانے پر رو رہی تھی، کیونکہ اس کی جاب کسی دوسرے شہر میں تھی۔

چاروناچار اسے احسن کے ساتھ دوسرے شہر ایک فلیٹ جو کمپنی کی جانب سے ملا ہوا تھا آکر رہنا پڑا عمارت نئی بنائی گئی تھی اور کمپنی کی اپنی تھی چونکہ اس ملٹی نیشنل کمپنی کا ابھی نیا نیا کام شروع ہوا تھا لہٰذا آدھے سے زیادہ عمارت خالی تھی چند ایک ہی ملازمین اپنی فیملیز کے ساتھ رہائشیں پذیر تھے اور ان کے ساتھ تانیہ کی بس واجبی سی ہیلو ہائے تھی سارا دن وہ تنہا فلیٹ پر گھبرا جاتی دو لوگوں کا کام ہی کتنا تھا، جھٹ پٹ ہو جاتا بس پھر وہ ہوتی اور تنہائی یہی نہیں ایک ظلم اس کی جان پر یہ بھی ہوا کہ وہ بقرعید پر بھی سسرال نہیں جا رہی تھی، کیونکہ احسن کو چھٹیاں نہیں ملی تھیں وہ پہلے ہی شادی پر چھٹیاں لے چکا تھا اور تین عید کی چھٹیاں اتنے لمبے سفر کے لئے ناکافی تھیں اور سب سے بڑا ظلم اب تانیہ کے ساتھ یہ ہوا تھا کہ پرسوں شام کو احسن بقرعید کے لئے ایک عدد مینڈھا سا بکرا بھی خرید لایا تھا تانیہ کے میکے بکرا صرف چاند رات کو لایا جاتا اور صبح قربان کر دیا جاتا کہاں کی قربانی کے جانور کی دیکھ بھال اور پیار وہ سب لوگ اس بات سے مبرا تھے لیکن احسن کو گھر واپس آتے ہوئے یہ بکرا مناسب دام میں مل گیا سو اس نے جھٹ خرید لیا اور بکرے نے پہلے دن یہ تانیہ کو باور کروا دیا تھا کہ وہ اس گھر میں نخریلے باز مہمان بن کر آیا ہے اگر وہ اسے لفٹ نہیں کراتی تو نو لفٹ کا بورڈ بکرے صاحب نے بھی اس کے لئے چسپاں کر دیا تھا پہلی رات ہی اس نے تانیہ کے پودوں کا صفایا کر کے دشمنی کا آغاز کر دیا تھا لہٰذا آج کل احسن کے گھر پاک بھارت جیسے سرد گرم حالات چل رہے تھے اور پھر اس کی بے سری بھاری آواز میں کھیں بھیں، یہی نہیں ڈرتے ڈرتے جب تانیہ بالکونی پر جھاڑو لگاتی اول روز تو اس کو بدبو سے ابکائی آنے لگی تھی اور جو گھور کر بکرے کو اس کی نازیبا حرکات پر دیکھا تو جگالی کرتے ہوئے وہ بلند آواز میں بھیں بھیں کر کے یوں بولا جیسے کہہ رہا ہو کہ واش روم بنوا دو یہی نہیں اس کی صفائی کے دوران وہ اس کے رلتے ہوئے دوپٹے کا ایک کونہ منہ میں ڈال کر چبا چکا تھا، دوپٹہ سبز رنگ کا تھا اور بکرے میاں کو یہ بات کون سمجھائے کہ جس طرح ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی اسی طرح ہر سبز چیز چارہ بھی نہیں ہوتی تانیہ اس کی وقت بے وقت کی بھیں بھیں سے تو عاجز ہی تھی احسن کا بکرے کے ناز نخرے اٹھانا بھی برداشت سے باہر ہو رہا تھا، احسن جس طرح چاند میاں (یہ احسن نے نام رکھا تھا) کا خیال رکھتا، تانیہ کو ڈر تھا کہ کہیں رات کو وہ بکرے کو بیڈ پر ہی نہ سلانے لگے اور اس تصور سے اسے جھرجھری آجاتی سارا دن گھر میں اکیلی رہ کر وہ بور ہو جاتی جو احسن سے کہا کہ رات وہ ڈنر باہر کرے تو ترنت جواب آیا کہ وہ چاند میاں کو گھر اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔

عید قریب آ رہی ہے چوریاں بڑھنے لگی ہیں اور بیوی کے بجائے وہ روز شام کو سامنے بنے پارک میں بکرے کو گھمانے لے جاتا اب بھلا تانیہ اس سب صورت حال پر پریشان نہ ہوتی تو کیا ہوتی اور جو پریشان ہو کر اپنی امی کو فون کر کے احسن کی شکایت لگانی چاہی تو الٹا ڈانٹ کھا کر بسور کر رہ گئی، وہ اپنے خیالات میں اتنی غلطاں تھی کہ بکرے کی گلے میں پھنسی آواز کو بھی سن نہ پائی جو کافی دیر سے اپنی زبان میں بمشکل

بے بے کی آواز نکال کر مدد کے لئے پکار رہا تھا بے بسی سے ٹانگیں مارتے ہوئے تانیہ کا گملا ٹوٹا جس کی آواز پر چونک کر اس نے بالکونی کی جانب دیکھا اور پھر ہلکی سی چیخ مار کر صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی سامنے کی صورت حال اس کی سمجھ سے بالکل باہر تھی بکرے کے گلے سے اب خرخر کی آوازیں نکلنے لگی تھیں بس آخری دم پر تھا بے چارہ تانیہ کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے آناً فاناً وہ بالکونی تک پہنچی نہ جانے کب اور کیسے بکرے کے گلے میں بندھی رسی کو اتنے بل آ گئے تھے کہ چاند میاں کی گردن بری طرح رسی میں جکڑی گئی اور چھڑانے کی کوشش میں رسی مزید کستی چلی جا رہی تھی چاند میاں کی آنکھیں ابل کر باہر آ رہی تھیں اور آواز بھی ہلکی ہوتی جا رہی تھی سانس بھی مدھم تھی رسی اتنی بری طرح سے گردن سے لپٹی ہوئی تھی کہ تانیہ کے نازک ہاتھ اسے ڈھیلی کر ہی نہیں پا رہے تھے، وہ بھاگتی ہوئی کچن میں گئی اور چھری لے کر بکرے کی جانب بڑھی اور چاند میاں کو عید سے قبل ہی اپنی موت نظر آنے لگی آج مالکن اس ناپسندیدہ ہستی سے نجات کا منصوبہ بنا چکی تھی، اکیلا اور بے بس دیکھ کر بس اسے قتل کرنے والی تھی اور اللہ میرے تو لواحقین بھی نہیں ہیں جو میری موت کا بدلہ لے سکے ہم جانوروں کے لئے تو نہ انسانوں کی عدالتوں میں انصاف بنا ہے نہ حقوق چاند میاں ابلتی آنکھوں اور اکھڑی سانسوں بس یہی سوچ کر وہ گئے بھی جانوروں کو بھی اللہ نے دماغ دیا ہے سوچتے تو وہ بھی ہوں گے اور کوئی کچھ بھی سوچ سکتا ہے۔

☆☆☆

تانیہ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے من بے کل اور بے چین تھا اس کا ضمیر اسے ملامت کر رہا تھا گھر کی تنہائی اب اسے کاٹنے لگی تھی، چاند میاں کے دم سے کتنی رونق ہو گئی تھی تانیہ کو اس فلیٹ پر ایک اور جیتے جاگتے جاندار کے ساتھ رہتے ہوئے سکون محسوس ہونے لگا تھا اس بات کا احساس چاند میاں کے جانے کے بعد بہت شدت سے ہو رہا تھا اداس تو احسن بھی تھا لیکن تانیہ وہ تو بے حد پریشان اور اداس تھی لیکن یہ تو ہونا ہی تھا موت کوئی نہیں ٹال سکتا اسے پتہ ہی نہ چلا کب اسے چاند میاں سے انسیت ہو گئی اور اب پورا فلیٹ بھیں بھیں نہیں بلکہ بھاں بھاں کر رہا تھا۔

''بس کرو تانی۔'' ٹشو سے آنسو صاف کرتے ہوئے احسن نے دلار سے تانیہ کو چپ کراتے ہوئے کہا جو کب سے دلگرفتہ سی آنسو بہا رہی تھی۔

''احسن ہمارا چاند میاں چلا گیا۔'' یہ کہہ کر وہ پھر رونے لگی تھی۔

''اسے جانا ہی تھا بہت پیارا جانور تھا۔'' احسن نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''چلو اٹھو شاباش بھوک لگی ہے کھانا بنا دو میں بھی تمہاری مدد کرتا ہوں مزہ آئے گا۔'' احسن نے تانیہ سے کہا اور تانیہ نے بس اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ارے آپ سب کیوں افسردہ ہو رہے ہیں اور کچھ تانیہ پر خفا کیا کہا تانیہ نے بکرے کو چھری سے مار ڈالا وہ اس روز والی بات جب چاند میاں کی گردن میں رسی پھنس گئی تھی نہیں نہیں تانیہ نے چھری سے وہ رسی کاٹ کر بکرے یعنی چاند میاں کی گردن چھڑوائی تھی تو پھر وہ رو کیوں رہی ہے آج بقرعید ہے ناں پہلے آپ سب کو عید مبارک چاند میاں کی قربانی ہو چکی ہے اور جو لوگ قربانی کے جانور گھر پالتے ہیں سنبھالتے ہیں وہ تانیہ اور احسن کی فیلنگز کو سمجھ سکتے ہیں انسیت ہو

پاک سوسائٹی پر مُوجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد | صائمہ اکرام | عُشنا کوثر سردار | اشفاق احمد
نمرہ احمد | سعدیہ عابد | نبیلہ عزیز | نسیم حجازی
فرحت اشتیاق | عفت سحر طاہر | فائزہ افتخار | عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو | تنزیلہ ریاض | نبیلہ ابر راجہ | ہاشم ندیم
نگہت سیما | فائزہ افتخار | آمنہ ریاض | مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ | سباس گُل | عنیزہ سید | مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ | رُخسانہ نگار عدنان | اقراء صغیر احمد | علیم الحق
رفعت سراج | اُمِ مریم | نایاب جیلانی | ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، ردا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

جاتی ہیں ان پیارے اور معصوم سے جانوروں سے۔''

''احسن اگلی بار بھی ہم بکرا ایک دو مہینے پہلے خرید کر اس کی خوب خاطر مدارت کریں گے مجھے سمجھ آ گیا ہے کہ عید قربان کا اصل مقصد کیا ہے۔'' تانیہ نے کوکنگ کرتے ہوئے اچانک کہا۔

''کیا ہے اصل مقصد؟'' سلاد بناتے ہوئے مصروف سے احسن نے یونہی پوچھا۔

''اللہ کی راہ میں اپنے کسی پیارے کی قربانی دے کر یہ ثابت کرنا کہ اللہ کے حکم کے آگے ہمارے کسی پیارے کی بھی اہمیت نہیں اس ڈر سے بے خوف و خطر وہ جانا جو ہمیں ہمارے مال و اولاد کے ڈر سے جرم کرواتا ہے رشوت کھانے، جان لینے تک کر جرائم میں مبتلا کر دیتا ہے مال و اولاد، خاندان اور سب کچھ ہی اللہ کی امانتیں ہیں اور وہ جب چاہے اپنی امانت لے لے اور پھر اللہ ہی سب کی حفاظت کرنے والا ہے، انسان انصاف کی راہ پر بے خوف و خطر بڑھتا چلا جائے۔'' تانیہ بولتی ہی چلی گئی۔

''ہاں بالکل اور یہ احساسات تبھی ہم محسوس کر سکتے ہیں جب بقر عید پر اپنے ہاتھوں سے پالے پوسے جانور کے گلے پر چھری چلائے ایک لمحہ کو چاند میاں کے گلے پر چھری چلانے سے پہلے میرے دل کو کچھ ہوا تھا ہاتھ کانپ گیا تھا لیکن دوسرے ہی پل پورے وجود میں یہ سوچ کر توانائی بھر گئی تھی کہ میری یہ قربانی قبول ہو گئی اور پھر جب ایک جانور اللہ کے حکم پر قربان ہونے کو تیار ہے تو میں انسان ہو کر اللہ کے احکام کو نظر انداز کر دیتا ہوں اور یہ اس کی رحمت ہی ہے جو ہم جیسے گناہ گار لوگوں پر اپنا رحم و کرم رکھتی ہے۔'' احسن سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''اچھا جلدی سے کھانا بنا او پھر سب گھر والوں سے فون پر باتیں بھی کرنی ہیں اور ویسے بھی تمہارے پیٹ میں درد ہو رہی ہو گا جب تک میری دو تین شکاتیں لگا کر مجھے امی ابو سے ڈانٹ نہ دلوا لوں کھانا ہضم نہیں ہو گا، مس شکاتیں۔'' احسن نے ماحول کی سنجیدگی کو ختم کرتے ہوئے تانیہ کو چھیڑا۔

''یہ بھی بتاؤں گی آج آنٹی کو آج آپ نے پھر مجھے مس شکایتیں کہا ہے۔'' تانیہ نے مسکراتے ہوئے دھمکی دی اور احسن نے ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے جھٹ کان پکڑے جس پر دونوں ہی کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

☆☆☆

انگارے
صوفیہ چشتی

سسکیوں کی آواز نے باسل کو الجھن اور کوفت کا شکار کر دیا تھا، وہ گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے نکلا ہی تھا جب اسے قریب ہی لان کی طرف فون پر بھرائی آواز میں بات کرتا سایہ دکھائی دیا تھا، شام کا اندھیرا تھوڑی دیر قبل پھیلنا شروع ہوا تھا وہ جانتا تھا یہ سارہ تھی اس کی سوتیلی ماں کی بھانجی جو دو ہفتے قبل اس لئے ان کے گھر میں رہنے آئی تھی کہ اس کی بقیہ فیملی اپنے بیٹے کے پاس کینیڈا شفٹ ہوگئی تھی۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کیا اور کتنی صفائی دوں؟" آنسوؤں سے نم الفاظ باسل کی سماعتوں سے ٹکرائے تھے، وہ رو کیوں رہی تھی ایک لمحے کو اس نے ٹھٹک کے سوچا اور پھر سر جھٹک کے اندر کی طرف جانے لگا یہ سارہ کا ذاتی معاملہ تھا ویسے بھی اسے کسی کی باتیں سننے کا شوق نہیں تھا، تین سیڑھیاں چڑھ کر عمارت کا بھاری چوبی دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا ہی تھا کہ اسے اپنا بریف کیس یاد آ گیا جو وہ گاڑی میں ہی بھول آیا تھا وہ گاڑی کی طرف جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ سفید کپڑوں میں ملبوس روئی آنکھیں گلابی چہرہ لئے وہ اس کے وجود سے بے خبر پاس سے گزرتے ہوئے کچن کی طرف مڑ گئی جبکہ باسل کندھے اچکاتا ہوا پورچ کی جانب بڑھا، گاڑی سے بریف کیس نکالنے کے بعد وہ دوبارہ لونگ روم میں آیا تو اس کی آنکھوں میں تفکر اُمڈ آیا اپنے کمرے میں جانے کی بجائے اس نے تمام اشیاء میز پر رکھیں اور کچن کا رخ کیا جہاں اس نے سارہ کو جاتے دیکھا تھا۔

سفید کپڑوں میں ملبوس وجود کی دروازے کی جانب پشت تھی کچن سلیب پر موجود کٹلری باکس میں سے کچھ ڈھونڈنے کے بعد وہ ساکت ہوگئی تھی۔

مکمل ناول

''تمہارا طریقہ غلط ہے؟'' تیز چھری کو کلائی پر رکھ کر چلانے ہی لگی تھی جب اسے بالکل قریب بائیں طرف سے آواز آئی تھی، لگ بھگ ہڑبڑاتے ہوئے پیچھے مڑی تھی باسل حبیب کو اپنے قریب کچن میں کھڑا پایا کر اسے شدید تعجب ہوا تھا، حیرت کی بات یہ بھی تھی کہ سارہ کو اس حالت میں دیکھ کر بھی اس کے تاثرات نہ بدلے تھے و ایسے پرسکون تھا جیسے چھٹی منانے سمندر کنارے کھڑا ہو۔

اور اس نے کہا کیا تھا ''تمہارا طریقہ غلط ہے'' یہ نہیں کہ ''جو تم کر رہی ہو وہ غلط ہے۔'' سارہ کے چہرے پر الجھن کے سے تاثرات آ گئے۔

''ہاں نا افقی طرز پر کلائی کاٹنے کی بجائے عمودی کاٹو، کہنی سے کلائی کی طرف لمبا کٹ لگاؤ، اس طرح خون جلدی نکلے گا اور تم سکون سے مر پاؤ گی، جس طرح تم کاٹ رہی تھی ویسے خون نکلنے میں تھوڑا وقت لے گا اتنی دیر میں ملازم یا گھر کا کوئی فرد تمہیں دیکھ کر ہسپتال پہنچا دے گا وہ تمہاری کلائی کی سرجری کر دیں گے اور اگر تمہاری قسمت نے ساتھ نہ دیا تو یہ بھی ممکن ہے تمہاری رگیں کٹ جائیں اور زخم بھر جانے کے باوجود تمہارا یہ ہاتھ ساری عمر کے لئے بے کار ہو جائے، فائدہ اتنا تردد کرنے کا اور تکلیف سہنے کا جب انسان کا مقصد بھی پورا نہ ہو۔'' باسل حبیب کا لہجہ پرخلوص تھا مگر یہ عجیب مشورہ سن کر سارہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

کیا یہ کوئی Reverse psycbology (ریورس سائیکلوجی) ہے مجھے خودکشی کے ارادے سے باز رکھنے کے لئے؟ وہ چھری کو سلیب پر رکھتے ہوئے بولی۔

''تم میری نیت پر شک کر کے مجھے تکلیف پہنچا رہی ہو۔'' وہ خفیف سا مسکرایا۔

سارہ کی باسل سے اس سے قبل دو چار رسمی ملاقاتیں ہوئی تھیں وہ حبیب احمد خاں کا اکلوتا بیٹا تھا سارہ خالہ کی سوتن کا بیٹا اس کے سوا اس کی باسل کے متعلق معلومات صفر تھیں کیونکہ اس سے قبل سارہ نے اسے یہاں اتنا دیکھا ہی نہیں تھا اپنی ساری عمر تو اس نے بورڈنگ سکولز اور ہاسٹلز میں گزاری تھی، مگر اب اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ قدرے سرد مزاج اور سفاک انسان تھا جو خودکشی میں مدد کرنا چاہتا تھا، اسے سمجھ میں نہ آیا وہ باسل کے مشورے پر غصہ ہو یا مشکور، وہ سوچوں میں اتنی بری طرح سے غلطاں ہو گئی کہ اسے کلائی پر چھری پھیرنا درکنار وہ وجہ تک بھول گئی جس بنا پر وہ زندگی سے ناطہ توڑنا چاہتی تھی۔

''کیا تم مرنے سے پہلے نیکی کرنے پر یقین رکھتی ہو؟'' باسل سلیب پر پڑی چھری کٹلری کے ڈبے میں رکھتے ہوئے بولا، جبکہ سارہ بنا بولے بے تاثر انداز میں اسے دیکھے گئی، سیاہ ڈریس پینٹ پر اس نے ہلکے آسمانی رنگ کی شرٹ زیب تن کر رکھی تھی جس کے بازو اس نے کلائیوں کے اوپر تک فولڈ کر رکھے تھے، سارہ دن گزر جانے کے باوجود شرٹ پر اک ذرا شکن نہ تھی۔

''اوکے، لگتا ہے یہ نیکی مجھے خود ہی کرنا پڑے گی تم چائے میں کتنی چینی لیتی ہو؟'' وہ جب بھی منہ کھولتا تھا نکلنے والے الفاظ سارہ کے لئے غیر متوقع ہی ہوتے تھے دوسری طرف وہ چائے کا برتن پکڑ کر اس کے جواب کا منتظر تھا، سفید شلوار قمیض کے اوپر سفید جالی دار دوپٹہ لئے جس کے اوپر لگا سیاہ کاجل اس بات کا غماز تھا کہ اسے آنکھوں پر رگڑا گیا تھا، ناک کی پھننگ سرخ ہو رہی تھی اور بھورے بال چہرے کے گرد بکھرے

ہوئے تھے۔

"تم لاؤنج میں بیٹھ کر انتظار کرو محض دس منٹ لگیں گے۔" برتن میں پانی ڈال کر اس نے جلتے اسٹوو پر رکھ دیا۔

جبکہ سارہ کچھ کہے بغیر بھاری قدموں سے چلتے ہوئے کچن سے باہر آ گئی اور لاؤنج کے صوفوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی اور وہاں بیٹھتے ہی اسے احساس ہوا وہ کتنی بیوقوفانہ، احمقانہ اور مجرمانہ حرکت کرنے جا رہی تھی۔

دس بارہ منٹوں بعد جب باسل چائے کے دو مگ لے کر باہر آیا تو اسے سرمئی صوفے پر بیٹھا دیکھ کر مطمئن ہوا تھا وہ سرخ مگ اسے سامنے رکھ کر مخالف سمت میں موجود صوفے پر بیٹھ گیا، ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر کے اس نے شرٹ کا اوپری بٹن کھولا تو سکون محسوس ہوا، صبح آٹھ بجے کا نکلا وہ شام چھ بجے لوٹا تھا شدید تھکاوٹ اسے اپنے ہر مسام میں اترتی محسوس ہو رہی تھی۔

"آئی ایم سوری سر میں تھوڑی دیر کے لئے گئی تھی آپ سینڈوچ یا کچھ اور لیں گے۔"

اتنے میں گھر کی ملٹی ٹیلنٹڈ کک اور میڈ سونیا اسے اور سارہ کو خالی چائے پیتا دیکھ کر حواس باختہ ہوئی تھی جو ظاہر ہے وہ نہیں تھی تو انہوں نے خود بنائی تھی، وہ سخت مزاج نہیں تھا مگر اس کی سرد مزاجی سے گھر کے سارے ملازم دبکتے تھے۔

"میں تو نہیں لوں گا مس سارہ سے پوچھ لیں۔" باسل اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں کچھ نہیں لوں گی شکریہ۔" سونیا کھانے کی تیاری کے لئے کچن میں مڑ گئی تو دونوں اجنبیوں کے درمیان چند لمحوں کے لئے خاموشی در آئی۔

"تم خودکشی کیوں کرنا چاہتی ہو؟"

تھوڑی دیر بعد وہ بولا تو سارہ کو حیرت ہوئی ابھی چند منٹ قبل وہ اسے کلائی کاٹنے کا صحیح طریقہ بتلا رہا تھا اور اب فکرمندی سے اس سے زندگی ختم کرنے کی خواہش کی وجہ پوچھ رہا تھا اسے باسل کی منافقت پر غصہ آ گیا۔

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے ہمارے درمیان ایسی کوئی بے تکلفی نہیں، نہیں کہ میں اس بارے ڈسکشن کروں۔" سارہ کے لہجے میں تلخی کوٹ کوٹ کر بھری تھی دوسری جانب باسل کے چہرے پر تھوڑی دیر پہلے جو نرمی تھی وہ فوراً غائب ہو گئی اور وہی سرد تاثر آ گیا جو اس کی شخصیت کا حصہ تھا۔

"بالکل یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے اور مجھ سمیت کسی کو بھی حق حاصل نہیں کہ اس میں دخل دے مگر......" باسل کا لہجہ چٹانوں سی سختی لئے ہوئے تھا۔

"یہ تمہارا گھر نہیں ہے جہاں تم جو چاہے کرو یہ میرا گھر ہے اور میں نہیں چاہتا تمہارے یا کسی کے بھی احمقانہ فعل سے اس گھرانے کی عزت اور معاشرتی مقام پر کوئی حرف آئے، معلوم ہے پولیس کیس بنتا ہے خودکشی پہ اور میں نہیں چاہتا اس گھر میں پولیس داخل ہو لہٰذا تم ایسی تھرڈ کلاس حرکت سے باز ہی رہو تو بہتر ہے۔"

باسل کے ایسا بولتے ہی سارہ کا وجود سن ہو گیا مگر ایسا محض چند لمحوں کے لئے ہوا تھا شاک کی کیفیت ختم ہوئی تو بے عزتی تکلیف اور دکھ کا احساس اس کے ہر مسام سے پھوٹنے لگا، اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ باسل حبیب اتنا کچھ بولنے کے بعد چہرے پر بیزار کن تاثرات سجائے اس کے سامنے یوں بیٹھا تھا جیسے وہ کوئی مجرم تھی۔

سارہ نے چائے کا کپ مارنے کے سے انداز میں میز پر رکھا اور کچھ کہے بغیر تیز تیز قدم اٹھاتی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی، جبکہ باسل

کانچ کی میز پر چھلکنے والی چائے کے دھبوں کو سپاٹ تاثر لئے دیکھتا رہا۔

☆☆☆

حویلی کے گیٹ کے پار سے جیسے ہی ستے فقیر کی صدا ابھری سوہنی بھاگتی ہوئی گیٹ کی طرف لپکی ہلکے نیلے فراک کے ساتھ لیا دوپٹہ ہوا کے دوش پر اڑتا اڑتا حویلی کے ملازم فضل کے پاس جا کر رکا تھا جو ابھی ابھی گیٹ سے اندر داخل ہوا تھا۔

''بابے کو اندر بلاؤ۔'' سوہنی پھولی سانسوں اور تمتماتے چہرے کے ساتھ فضل سے مخاطب ہوئی تھی فضل حکم کی تعمیل کرتے ہوئے فوراً باہر کی طرف لپکا اور چند منٹوں بعد لوٹا تو ستا فقیر ساتھ تھا، ستے نے اندر داخل ہوتے ہی سوہنی کو ہاتھ ماتھے تک لاتے ہوئے سلام کیا تھا اور پھر حویلی کے لان میں بیٹھے ہی سارنگی بجاتے ہوئے گانا شروع کیا۔

کتی مرے فقیر دی جیہڑی ٹوں ٹوں نت کرے
ہٹی سڑے کراڑ دی جتھے دیوا رات بلے
پنج ست مرن گوانڈناں تے رہندیاں نوں تاپ چڑھے
سنجیاں ہو جان گلیاں تے وچ مرزا یار پھرے

(فقیر کی کتیا مر جائے جو روز بھونکتی ہے، دوکاندار کی دوکان جل کر خاکستر ہو جائے جہاں چراغ رات کو جلتا ہے، پانچ سات ہمسائیاں مر جائیں اور باقیوں کو بخار چڑھ جائے، گلیاں سنسان ہو جائیں اور اکیلا مرزا ان میں پھرے)

وہ گانا بند ہوا تو سوہنی کھلکھلا کر ہنسنے لگی یہاں تک کہ اس کی آنکھوں سے پانی نکل آیا۔

اندر دادی جان تک بھی ستے کی خبر پہنچ گئی تھی اور ان کا پیغام لئے شینو تیز تیز قدموں سے چلتی آ رہی تھی۔

''دادی کہہ رہی ہیں یہ کپڑے اور پیسے ستے کو دے کر یہاں سے نکالیں۔'' وہ شاپر میں لیا ان سلا سوٹ اور پیسے سوہنی کے سامنے رکھتے ہوئے بولی جو لان کی کرسی پر براجمان تھی۔

''ارے ارے نہیں ابھی تو بابا سے بہت کچھ سننا ہے، یہ تم فی الحال ادھر ہی رہنے دو، اور ٹھہرو کدھر جا رہی ہو ادھر ہی رکو اور دیکھو بابا کتنا اچھا گاتے ہیں۔'' سوہنی کی بات سن کر بابا کا سینہ بھی فخر سے پھول گیا ایک یہی تو تھیں جو نہ صرف دل کھول کر داد دیتی تھیں بلکہ کھل کے امداد بھی کرتی تھیں گاؤں کے باقی لوگ ستے فقیر کی آواز سننے میں تو دلچسپی رکھتے تھے مگر دینے دلانے کے معاملے میں شوم (کنجوس) واقع ہوئے تھے۔

''بابا کچھ اور سناؤ نا۔'' سوہنی چہکتے ہوئے بولی تو ستا فقیر کھنکھارا اور پھر سے تان لگائی۔

ہم کا دکھائی دیت ہے ایسی روپ کی اگیاں ساجن ماں
جھولس رہا ہے تن من ہمرا نیر بھر آئے اکھین ماں

(ہمیں ساجن کے روپ کی ایسی آگ دکھائی دی ہے کہ بدن جھلس رہا ہے اور آنکھوں میں آنسو اتر آئے ہیں)

ستے کی آواز کا سوز اور لفظوں کا جادو سیدھا سوہنی کے دل میں اتر رہا تھا، آنکھوں کو موند کر اس نے کرسی سے ٹیک لگا لی تھی، شینو مضطرب سی کھڑی تھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہیں کھڑی رہے کہ اندر چلی جائے۔

دور بھئے ہیں جب سے ساجن آگ لگی ہے تن من ماں
پورب پچھم اتر دکن ڈھونڈ پھری میں بن بن ماں

(جب سے ساجن دور گیے ہیں تن من میں آگ لگی ہے، مشرق، مغرب، شمال جنوب ہر جگہ میں نے ڈھونڈا)

درشن کی پیاسی ہے نجریا ترسن اکھیاں دیکھن کا
ہم سے روٹھے منھ کو چھپائے بیٹھے ہو کیوں چلمن ماں

(نظریں درشن کی پیاسی ہیں آنکھیں دیکھنے

کوترس رہی ہیں ہم سے روٹھ کر پردے میں منہ چھپائے کیوں بیٹھے ہو)

اتنے میں صالحہ نے آکر اس کے کان میں کچھ بولا تو وہ چونک کر اٹھ گئی جس شخص کی شبیہ وہ بند آنکھوں کے پیچھے دیکھ رہی تھی اس کے حقیقت میں جلوہ گر ہونے کی نوید سنائی گئی تھی، نرگسی آنکھوں سے شراب چھلکنے لگ گئی تھی ہونٹ یاقوتی سرخ ہوگئے اور گال گلاب۔۔

حویلی کی سیڑھیوں کی طرف بھاگتے ہوئے پہلے پاؤں سے ایک جوتا نکلا اور پھر دوسرا نہ فرش کی سختی محسوس ہو رہی تھی نہ ٹھنڈک، چھت پر پہنچتے ہی اس نے آسمانی دوپٹے کو سر پر اوڑھا اور اس طرف لپکی جہاں منڈیر کے پار ساتھ والی تایا جان کی حویلی کا صحن نظر آتا تھا جہاں ایک بڑی سی گاڑی کھڑی تھی جس کے پاس ایک دراز قامت خوش شکل ستائیس اٹھائیس برس کا مرد تائی جان کے گلے لگا ہوا تھا اسے دیکھتے ہی سوہنی کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی اور منڈیر پر رکھے ہاتھوں میں لرزش آگئی اسے وہ مقناطیس کی طرح محسوس ہوا جو سوہنی کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔

وہ تو چند لمحوں میں ہی حویلی کی اندرونی عمارت میں غائب ہوگیا تھا مگر سوہنی اگلے آدھے گھنٹے تک وہیں کھڑی اس کے باہر نکلنے کا انتظار کرتی رہی کہ شاید دید کی پیاسی نظروں کو ایک اور جھلک نصیب ہو سکے مگر یہ انتظار انتظار ہی رہا، یہاں تک کہ صالحہ کو اسے زبردستی چھت سے نیچے لانا پڑا۔

''نہ کرو یہ سب دادی کو پہلے ہی تم پر شک ہے۔'' اس کی کزن صالحہ بولی۔

''کیسا شک؟''

''یہی کہ تمہارا بھائی کی طرف جھکاؤ ہے۔''

''واللہ اس میں کیا شک ہے۔'' سوہنی اطمینان سے بولی۔

''بڑی مشکل ہو جائے گی سوہنی۔'' صالحہ کے لہجے میں فکر مندی گھلی ہوئی تھی۔

''عشق آسان ہوتا تو سب کو نہ ہو جاتا۔'' اس کے انداز میں سر بہ مو فرق نہ آیا تھا۔

''عشق ایک بیماری ہے۔''

''میری اس بیماری کی شفا صرف ایک طبیب کے ہاتھ میں ہے۔''

''سوہنی میری بات سمجھو بھیا بہت مختلف سے ہیں تم مشرقی ہو اور وہ مغرب، تم مشرقی روایات و انداز میں لپٹی مقدس کتاب کی طرح ہو اور وہ مغربی تہذیب کے نئے رنگ و روپ میں ڈھل چکے ہیں، بھیا وہ نہیں جو پانچ چھ برس قبل تھے ولایت کی تعلیم نے ان کی تربیت کو نہ سہی عادتوں کو بدل ڈالا ہے۔'' صالحہ نے اپنے انداز میں سمجھانے کی کوشش کی۔

''عادتیں بدلنے سے فطرت نہیں بدلتی، ہیں تو وہ تایا جان اور تائی جان کے بیٹے میری عزیز دوست صالحہ کے بھائی تم سب لوگ مجھے پسند کرتے ہو تو وہ ناپسند کیوں کریں گے۔'' سوہنی کی بات نے چند لمحوں کے لئے صالحہ کو خاموش کر دیا تھا اب حقیقی بات بتانے کا وقت آگیا تھا۔

''وہ شہر میں کسی لڑکی کو پسند کر چکے ہیں۔'' صالحہ نے بدل کر سر جھکا لیا تھا خاموش ہونے کی باری سوہنی کی تھی۔

''تم مذاق کر رہی ہو نا؟'' کچھ دیر کے توقف کے بعد وہ آنکھوں میں جلتے بجھتے دیئے لئے پرامید انداز میں بولی، صالحہ کے دل کو کسی نے مٹھی میں لیا کاش وہ کہہ سکتی کہ وہ مذاق کر رہی تھی۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں۔'' وہ نظریں چراتے ہوئے بولی، دوسری جانب سوہنی یوں بے

جان سے انداز میں بیٹھی تھی جیسے اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی ہو۔

☆☆☆

تین منزلہ عمارت میں جیسے ہی سیاہ جوتوں، اولیو گرین میں ملبوس خوشبو میں بسے دراز قامت اور بے حد اسمارٹ شخص کے قدم پڑے ریسپشنسٹ نے ہاتھوں کی انگلیاں بالوں میں پھیریں اور اپنی دلنشین مسکراہٹ لبوں پر سجائی۔

''ہیلو سر۔'' وہ بولی تو جواباً باسل نے سر ہلا دیا۔

راہداری سے گزرتے ہوئے کیبنز کے پار اس کی نظر جتنے لوگوں پر پڑی تھی وہ سب شدومد سے کام کرنے میں مصروف تھے ان کے کمر اکڑائے گردن سیدھی کیے فائل اور کمپیوٹر پر نظر جمائے میکانکی انداز میں بیٹھے ہونے میں ایک قسم کا مصنوعی پن تھا مگر باسل حبیب کسی کے کمر کے نوے کے زاویے پر ہونے یا بغیر پلکیں جھپکے دس منٹ تک مسلسل فائل کو گھورنے سے متاثر ہونے والا نہیں تھا اسے نتائج درکار ہوتے تھے اور یہی اس کی کامیابی کا راز تھا ورنہ حبیب احمد خاں کی قائم کردہ کمپنی ان کی علالت کے بعد زوال کا شکار ہو چکی ہوتی۔

اپنے کمرے سے منسلک کیبن میں اسے ایک نیا چہرہ نظر آیا تو ماتھے پر بل پڑ گئے یہ کون تھی اور اس کی سیکرٹری کہاں تھی چند ہی لمحوں میں اسے یاد آیا کہ اس نے اپنی پچھلی سیکرٹری کو جاب کے محض دو مہینوں بعد نکال دیا تھا، کیونکہ اس کے خیال میں وہ بہت سست تھی اور جس کام کو کرنے کے لئے دس منٹ چاہیے ہوتے تھے وہ آدھ گھنٹہ لیتی تھی، آفس میں ذرا ذرا کوتاہیوں پر نکال دینے کی بنا پر وہ ٹرمینیٹر کے نام سے مشہور تھا اس کی گاڑی جیسے ہی عمارت کی پارکنگ میں آکر رکتی، چپڑاسی یا آفس بوائے ''لو ٹرمینیٹر آگیا'' کہہ کر سب کو اس کی آمد سے باخبر کر دیتا پھر کوئی اپنی ٹائی درست کر رہا ہوتا تو کوئی بال۔

''نوشاد نصیر صاحب کو بھیج دو۔'' باسل نے انٹر کام اٹھا کر سیکرٹری کو بولا تھا دوسری طرف سے یس سر کی آواز آئی تو کچھ کہے بغیر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

کچھ ہی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی تھی آنے والا پینتالیس اڑتالیس برس کا سوٹڈ بوٹڈ شخص تھا جس کے چہرے پر متانت تھی بال کنپٹیوں پر سے سفید ہو چکے تھے، وہ نوشاد نصیر تھے باسل کے باپ حبیب احمد خان کے قریبی دوست اور جو شروع سے اس کمپنی میں کام کر رہے تھے۔

''مجھے آپ سے ایک درخواست کرنا تھی۔'' ابتدائی رسمی گفتگو کے بعد باسل احترام سے گویا ہوا۔

''کیسی درخواست باسل؟'' نوشاد نصیر بولے۔

''سر میری ایک سیکنڈ کزن ہیں فرم جوائن کرنا چاہتی ہیں بطور Internee کے پارٹ ٹائم، میں چاہتا ہوں وہ آپ کے انڈر کام کرے، کسی نئے بندے کو برداشت کرنے کا جتنا تجربہ اور Patience آپ کے پاس ہے اتنا کسی دوسرے کے پاس نہیں''۔

''میں سمجھ رہا ہوں، ٹھیک ہے کوئی مسئلہ نہیں تو پھر کب سے جوائن کریں گی وہ۔''

''اگلے ہفتے سے۔''

''بہتر۔''

''تھینک یو۔''

ان کے جانے کے بعد باسل لیپ ٹاپ کھول کر بیٹھ گیا مگر اس کے دماغ میں ابھی تک

سارہ کے متعلق سوچیں الجھی ہوئی تھیں، دو دن قبل اس کی سوتیلی ماں جسے وہ نزہت آنٹی کہا کرتا تھا نے اس سے بات کی تھی کہ سارہ کا یونیورسٹی کا سیکنڈ لاسٹ سمیسٹر چل رہا تھا اور وہ انٹرن شپ کرنا چاہتی تھی اگر فرم میں کوئی جگہ بنتی ہے تو وہ اسے رکھ لے، انہوں نے باسل کو سارہ کی سی وی بھی دی تھی سرسری نظر ڈالنے پر ہی اسے اندازہ ہوا تھا کہ وہ شاندار اسٹوڈنٹ تھی اگر اس کا جی پی اے اور دیگر کریڈینشلز متاثر کن نہ بھی ہوتے تو بھی وہ اس کو فرم میں جگہ دیتا یقیناً یہ مصروفیت اس کے لئے بہتر ثابت ہوتی اور خود کو نقصان پہنچانے کے خیالات بھی اس کے دماغ سے نکل جاتے۔

اپنی جان لینے کی کوشش کرنا کوئی معمولی چیز نہیں تھی اس روز وہ افسوس کا شکار ہوا تھا ہر شخص کو اپنی طبعی عمر تک زندہ رہنے کا حق حاصل ہے، جو اس سے کوئی نہیں چھین سکتا، کسی کو بھی یہ اختیار نہیں کہ ایک گوشت پوست کے احساسات و جذبات سے بھرپور انسان کو مایوسی اور تکلیف کی اس انتہا تک پہنچا دے کہ وہ اپنی سب سے قیمتی چیز کو اپنے ہاتھوں ختم کرنا چاہے۔

☆☆☆

''مجھے چاندنی میں نہائے ہوئے صحرا کے سینے پر ہوا کی تحریر پڑھنے کا شوق ہے میں ویران رستوں میں چپ چاپ سفر کرتے اونٹوں کی قطاروں کو مطمئن مسافت کی علامت سمجھتا ہوں مجھے ویران پگڈنڈیوں پر چھتناروں کے سائے میں بانسری کی تان اٹھاتے ہوئے جوانوں کی آنکھوں میں بستے خواب گلابوں کی رُت سے بھی زیادہ مدھر لگتے ہیں، مجھے گاؤں کی سوہنیاں، تھل کی سسیاں اور پنجاب کی ہیریں آج بھی داستانی عشق کے کرداروں کی طرح دلچسپ اور دلکش دکھائی دیتی ہیں۔

میں محبت کے جذبے کی صداقت اور حیات کی توانائیوں پر ایمان کی حد تک یقین رکھتا ہوں کبھی کبھی میرا جی چاہتا ہے کہ میں کوئی ایسی بستی بساؤں جس میں آسمان اور سمندر کے درمیان فاختاؤں کی پھڑپھڑاہٹ کے سوا کچھ سنائی نہ دے۔

میرا آدرش محبت ہے اور ماٹو امن ہے، زندگی اتنی مختصر ہے کہ اس میں جی بھر کے محبت کی مہلت بھی نہیں ملتی، خدا جانے لوگ نفرت کے لئے وقت کہاں سے بچا لیتے ہیں۔''

''محبت بڑی عجیب چیز ہے سارہ تمہارا کیا خیال ہے؟'' وہ گود میں کھلی کتاب کا پیراگراف پڑھ کر سانس لینے کو رکی ہی تھی جب انکل حبیب نے اس سے یہ انوکھا سوال کر لیا تھا۔

اس کا کتاب پڑھ کر سنانے کا یہ سلسلہ دو ہفتے قبل شروع ہوا تھا، سارہ کے خالو تھے دونوں کے درمیان رسمی گفتگو کے سوا کوئی خاص بات چیت نہ ہوئی تھی، اس روز بھی ضوبیا کی باتوں کی وجہ سے وہ ڈسٹرب ہی تھی ایک ماہ قبل اس نے زندگی ختم کرنے کی جو کوشش کی تھی وہ دوبارہ ویسا کچھ بھی نہیں کرنا چاہتی تھی لہذا دل بہلانے کو لائبریری میں آگئی تھی اور یہاں آ کر حیران ہوئی تھی کہ وہاں جدید دور کی کتب ہونے کے ساتھ ساتھ چند نایاب کے اور مخطوطے بھی موجود تھے، وہ یونہی ایک کتاب کے ... میز کے گرد آ بیٹھی تھی جس کے گرد پڑی کرسیوں میں سے ایک پر حبیب احمد خان ... سے موجود تھے ان کے سامنے ایک کتاب کھلی پڑی تھی جسے وہ ... تاثرات لئے محض گھورنے میں مصروف تھے۔

''جو کتاب تم پڑھ رہی ہو مجھے بھی سنا سکتی ہو؟'' ان کی بات سارہ کے لئے غیر متوقع تھی جواب دیتے ہوئے وہ ہچکچائی تھی۔

"آپ کو یہ کتاب شاید پسند نہ آئے۔"

"تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے؟"

"کیونکہ یہ ایک ناول ہے اور آپ تو شاید نان فکشن پڑھتے ہوں گے۔" اس کی بات پر وہ مسکرائے۔

"ایک زمانے میں، میں فکشن کا دلدادہ تھا لہذا اس چیز کی تم فکر مت کرو ہاں اگر تمہیں زحمت ہو تو رہنے دو۔" سارہ نے فقرے کے اختتام تک ان کے لہجے میں اداسی اترتی محسوس کی تھی، اس روز کے بعد سے وہ اکثر انہیں کتاب پڑھ کر سنایا کرتی کبھی لائبریری میں، کبھی ان کے کمرے میں اور کبھی لان میں بیٹھ کر، چار سال قبل دائیں بازو اور ٹانگ کے مفلوج ہونے کے بعد ان کا باہر آنا جانا ختم ہو کر رہ گیا تھا کاروبار سے بھی انہوں نے ریٹائرمنٹ اختیار کر لی تھی وہ اتنے بیمار نہیں تھے کہ زندگی کے ہنگاموں سے رخ موڑنا پڑتا یہ سب اختیاری پسند کی بات تھی، لائبریری جا کر کتابیں پڑھنا اور بیٹلز کے گانے سننے کے سوا ان کا کوئی مشغلہ نہ رہا تھا۔

اور سچ تو یہ تھا جہاں حبیب احمد خان کو کتابیں سننے کا مزہ آتا وہاں سارہ کو سنانے کا فرق صرف اتنا تھا پہلے وہ کتابوں کے کرداروں کے ساتھ اکیلے سفر پر نکلتی تھی اب وہ اور اس کے خالو دونوں کرداروں اور واقعات کو کھوجنے نکلتے اور پھر کہانی پر بحث بھی ہوتی اور آنے والے متوقع حالات پر اظہار خیال بھی۔

ہر گزرتے دن کے ساتھ سارہ کی ان سے جھجک ختم ہوتی چلی گئی اور اسے ادراک ہونے لگا کہ وہ تو بہت ملنسار قسم کے انسان تھے جو عمر کے واضح فرق کے باوجود سارہ سے برابری کی سطح پر بات کرتے تھے، آج بھی دونوں لان میں پڑی کرسیوں پر موجود تھے۔

اور اب ان کے انوکھے سوال کا جواب ڈھونڈنے کے لئے وہ سوچ میں پڑ گئی تھی۔

"میرے خیال میں تو محبت ایک بہت سادہ سا جذبہ ہے یہ تو شعراء اور ادباء ہیں جنہوں نے زیب داستان کے لئے اسے کچھ کا کچھ بنا دیا ہے۔"

"آہاں لگتا ہے اس سارہ سے جذبے کو تم بڑی اچھی طرح سے سمجھتی ہو۔" خالو شرارت سے بولے تو وہ جھینپ گئی۔

"محبت خود سے زیادہ دوسرے کی پرواہ کرنے کا نام ہے لیکن جہاں آپ ایک شخص کی پرواہ کرتے کرتے دوسروں کو تکلیف پہنچا بیٹھے وہاں محبت خود غرضی بن جاتی ہے اسے شہد سے زہر میں ڈھلنے میں وقت نہیں لگتا اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر وہ شخص جو محبت پر بات کرے محبت کرنے والا بھی ہو، قید خانوں میں بیٹھ کر جو قیدی کتابیں لکھتے ہیں ان کے اکثر موضوعات آزادی ہوا کرتے ہیں۔" گیٹ سے داخل ہونے والی گہری نیلے رنگ کی بڑی سی گاڑی نے ان کی گفتگو میں خلل ڈالا تھا۔

شام کے اندھیرے پھیل رہے تھے گھر کی بیرونی بتیاں ننھے سپاہیوں کی طرح تاریکی سے لڑنے کو تیار ہو چکی تھیں یہ لڑائی صبح پو پھٹنے تک جاری رہنی تھی۔

باسل گاڑی سے اترا تو اندر جانے کی بجائے ان کی جانب لان میں بڑھتا چلا آیا اپنے بیٹے کو دیکھتے ہوئے حبیب احمد خان کے چہرے پر شفقت اور حسرت و افسردگی کے ملے جلے تاثرات تھے، سارہ سمجھ نہ سکی ہمیشہ باسل کو دیکھ کر وہ ایسے کیوں ہو جاتے تھے، دوسری جانب باسل خالو کے سامنے ایک بیٹا کم لگتا تھا اور چھ فٹ کا روٹھا سا اجنبی زیادہ جو گھر کے سربراہ کا حال چال

پوچھتا تھا ضروریات کا خیال بھی رکھتا تھا مگر اس سب کو ایک فرض خیال کرتا تھا اور فرض میں خلوص تو ہوا کرتا ہے مگر دل سے اٹھنے والا پیار نہیں۔

''السلام علیکم!'' وہ دونوں سے بیک وقت مخاطب ہوا تھا۔

''آپ کی فزیوتھراپسٹ آئی تھی آج؟'' حال دریافت کرنے کے بعد وہ حبیب احمد خان سے نرمی سے بولا تھا وہ نرمی جو سارہ سے اس کچن اور پھر لاؤنج میں ہونے والی گفتگو کے دوران مفقود تھی بعد میں جب وہ آفس جانا شروع ہوئی تو دونوں کا وقتاً فوقتاً ہونے والا سامنا ناگزیر تھا اور ہر دفعہ دونوں کے درمیان رسمی سی گفتگو ہوئی تھی۔

''آج تو ڈاکٹر اسماء نہیں آسکیں لیکن ان کا فون آیا تھا کل وہ وقت پر آجائیں گی۔'' انہوں نے کہتے ہوئے ایک مرتبہ بھی باسل کے چہرے سے نظر نہیں ہٹائی تھی جیسے اس کے سوا کوئی دوسری چیز وجود ہی نہ رکھتی ہو۔

''آپ اس وقت یہاں مت بیٹھیں اوس پڑنے لگتی ہے اور مچھر بھی ہوتے ہیں، سپرے کروایا ہے مگر رسک لینے کی کیا ضرورت ہے۔'' کہہ کر وہ مزید نہیں رکا تھا، حبیب احمد خان خاموشی سے اس کی پشت کو دیکھتے رہے تھے۔

☆☆☆

گاؤں کی حدود کے اندر ایک بزرگ بابا قطب الدین کا مزار تھا بچپن میں یہاں آنا اور مزار کے قریب موجود بیریوں کے جھنڈ کے نیچے سے بیر چننا اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا مزار کی عمارت کے طاقچے میں مٹی کا گھڑا اور دو مٹی کے پیالے پڑے ہوتے تھے جن میں سے ایک میں نمک اور دوسرا خالی ہوتا تھا وہ چٹکی بھر نمک منہ میں ڈالتی اور دوسرے خالی پیالے میں گھڑے سے پانی ڈال کر پیتی جس میں کوری مٹی کی خوشبو بسی ہوتی، مزار کے قریب ہی بوہڑ کا بڑا سا درخت تھا جس کی شاخیں اور جڑیں ہر طرف اس قدر بڑھی ہوئی تھیں کہ شاخ اور جڑ کا امتیاز مٹ گیا تھا۔

آج اتنے مہینے بعد سوہنی کو بوہڑ کے اس درخت کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوا تھا کہ اس کا وجود بھی تو اس جیسا تھا کہ اس کے ہر مسام سے بھی محبت پھوٹ رہی تھی ابتداء اور انتہا مٹ گئی تھی بس اتنا معلوم تھا کہ اس کی آنکھوں سے بہنے والا پانی، اس کی رگوں میں دوڑنے والا سرخ سیال محبت تھا وہ جس رنگ کا لباس پہنتی وہ عشق کا رنگ ہوتا وہ جس فضا میں سانس لیتی تھی وہ محبت تھی، حیران تھی کیسے اس کا جینا مرنا سب ایک لفظ محبت کے گرد گھومنے لگ گیا تھا۔

اس روز صالحہ کے منہ سے یہ سننے کے بعد کے اس کی محبت کے محور کا کوئی اور محور ہے وہ مایوس ہوئی تھی بے سکون ہوئی تھی اگر وہ سوہنی کو ویسے ہی ناپسند کرتا تو کوشش کر کے اس کے رنگ میں خود کو ڈھال کر وہ اس کی ناپسندیدگی کو پسندیدگی میں بدل ہی ڈالتی مگر وہ کسی اور سے محبت کرتا تھا یہاں وہ مایوس ہوئی تھی بے بس ہوئی تھی، اس کے اندر اتنا احترام موجود تھا کہ وہ یار کی محبت پر اپنی محبت قربان کر دیتی، اسے بس سکون درکار تھا وہ جب جب مزار پہ آئی تھی یہاں اور بوڑھ کے درخت سے قدرے فاصلے پر بیریوں کے درختوں سے پہلے بسے شہر خموشاں میں آکر اسے ہمیشہ سکون اور آرام محسوس ہوتا تھا لہٰذا آج وہ شینو اور اماں صاحباں کے ساتھ چلی آئی تھی اور ہمیشہ کی طرح اس نے آکر نمک کھایا اور گھڑے کا ٹھنڈا پانی پیا تھا، مزار کے ساتھ منسلک ماربل کے بارہ دری نما برآمدے میں ہر جمعے کی طرح قوال قوالی کرنے میں اور آس پاس ملنگ جھومنے اور

دھمال ڈالنے میں مصروف تھے بوہڑ کے درخت کے نیچے مجاوروں کے چند بچے کھیلنے میں مصروف تھے اکا دکا گاؤں کے افراد کے سوا وہاں کوئی نہیں تھا۔

ایں قدر مستم کہ از چشم شراب آید بروں
وز دل پر حسرتم دود کباب آید بروں
(میں اس قدر مست ہوں کہ میری آنکھوں سے آنسوؤں کی جگہ شراب باہر آ رہی ہے اور میرے دل پر حسرت سے اس طرح دھواں اٹھ رہا ہے کہ جیسے کباب سے اٹھتا ہے)

سوہنی فارسی اور پنجابی شاعری کی دلدادہ تھی، قوالوں کے یہ شعر پڑھتے ہی اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں ان الفاظ نے کیسے اس کے حال کی ترجمانی کی تھی، وہ اماں صاحباں اور شینو کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی۔

"شینو تم اور اماں صاحباں جا کر بیر کیوں نہیں چنتی۔" وہ بوہڑ کے درخت کے نیچے کچی زمین پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"بی بی ادھر مت بیٹھیں میں مجاوروں سے چارپائی لا دیتی ہوں۔" اماں صاحباں فکر مندی سے گویا ہوئی۔

"نہیں اماں میرا نیچے بیٹھنے کو جی چاہ رہا ہے، آپ دونوں جائیں میں ادھر ہی بیٹھی ہوں۔" شینو نے کن اکھیوں سے اماں صاحباں کی طرف دیکھا جن کے چہرے پر انکار صاف تحریر تھا۔

"بی بی آپ کو یہاں چھوڑ کر جانا مناسب نہیں۔"

"اماں کچھ نہیں ہوتا مجھے ویسے بھی میرا بیر کھانے کو جی چاہ رہا ہے مگر توڑنے کو نہیں آپ دونوں جائیں اور میرے لئے بھی لے کر آئیں۔" با دل نخواستہ وہ دونوں بیریوں کی طرف چل دی تھیں آسمان کالے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا ہلکی سی بجلی چمکتی تو فوراً ہی گڑگڑاہٹ کی آواز بھی آنے لگتی۔

صبح دم چوں رخ نمودی شد نماز من قضا
سجدہ کے باشد روا چوں آفتاب آید بروں
(صبح کے وقت جب تیرا چہرہ دیکھا تو میری نماز قضا ہوگئی کیونکہ سجدہ کیسے روا ہو سکتا تھا جب کہ سورج نکل آئے)

سوہنی کے منہ سے سسکی نکل گئی جس سورج کی نظر عنایت کی خاطر وہ تپتی دھوپ میں کھڑی رہتی تھی وہ تو اس کی موجودگی سے ہی بے خبر رہتا تھا کہتے ہیں محبت اپنا آپ خود منوا لیتی ہے یہاں تو وہ کسی کو اپنے وجود سے آشنا ہی نہ کر پائی تھی۔

بارش کی ہلکی ہلکی بوندیں پڑنے لگیں تو مجاوروں کے بچے بھاگ کے گھروں میں دبک گئے اور وہ بوہڑ کے درخت کے نیچے سے نکل کر کھلے میں آ گئی، بوندیں اوپر پڑتے ہی بے قراری کو قرار ملا تھا ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے جلتے توے پر پھوار برس رہی ہو، بازوؤں کو پھیلا کر وہ جھومنے لگی، پاؤں سے جوتا اور سر سے چادر اتر چکی تھی مٹی کے اوپر مٹی ناچ رہی تھی۔

بارش تیز سے تیز تر ہوتی چلی جا رہی تھی بوندیں گولیوں کی طرح جسم سے ٹکرانے لگیں تھیں، تیز ہوا نے اس کا گھومنا مشکل تو کیا ہی تھا سر سے بہنے والا پانی اس کی بصارت کو دھندلا کر دیا تھا، ٹھنڈی یخ ہوا اس کے وجود کو برف کرنے لگی تھی ہونٹ نیلے پڑنا شروع ہو گئے تھے اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ برف زاروں میں نکل آئی ہو اماں صاحباں اور شینو جانے کہاں چلی گئیں تھیں یا پھر خود وہ گھومتے گھومتے کہیں اور نکل آئی تھی۔

پھر برف زاروں کی اس فضا میں اسے

سورج نکلتا ہوا محسوس ہوا ان ہوتے وجود کو سکون ملنے لگا تھا روشنی اس قدر تھی کہ دکھائی کچھ نہ دیتا تھا وہ مدہوش ہو کر گر رہی تھی مگر آخری احساس یہ تھا کہ سورج نے اس کے وجود کو بانہوں میں سمیٹ لیا تھا۔

ایں قدر رندم کہ وقت قتل زیر تیغ او
جائے خوں از چشم من موج شراب آید بروں
(میں اس قدر رند ہوں کہ وقت قتل اس کی تلوار کے نیچے خون کی بجائے میری آنکھوں سے موج شراب ابل ابل کر باہر آرہی ہے)

☆☆☆

اتوار کا دن تھا آسمان کی نیلاہٹ بادل کے دھبوں سے پاک تھی گرمیوں کا اختتام اور سردیوں کا آغاز یہ وہ موسم تھا جب درختوں کی شاخیں پتوں کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیتی ہیں، لان کے کونے میں کھڑا واحد درخت پتے جھڑنے کے بعد کچھ اور بھی تنہا محسوس ہو رہا تھا، گھاس میں موجود میز پر جیسیم نوٹ بک نما کتاب موجود تھی دائیں طرف مختلف اقسام کے رنگ، برش، گوند، قینچی اور طرح طرح کے چمکدار اور غیر چمکدار آرائشی کاغذ موجود تھے۔

بسنتی رنگ کے فراک میں ملبوس وہ اپنی Year book پر کام کرنے میں مصروف تھی، ائیر بک کیا تھا یہ اس کا یوٹوپیا تھا، رنگوں اور خوابوں سے سجا جہان جس میں اس نے اپنی ہر خواہش تحریر کر رکھی تھی یوں وہ اس کی ائیر بک کم لائف بک بن گئی تھی۔

دن گیارہ بجے کا وقت تھا ہلکی ہلکی دھوپ کے ساتھ نرم سبک ہوا اس کے کھلے بالوں سے سرسراتے ہوئے گزر رہی تھی، تبھی ٹیرس پر کھلنے والے دروازوں میں سے ایک کھلا اور گرے ٹراؤزر کے اوپر سیاہ شرٹ پہنے باسل باہر آیا، چہرے سے پانی کے قطرے گر رہے تھے اور نم بالوں کو انگلیوں سے سیٹ کیا گیا تھا آج خلاف معمول وہ دیر تک سوتا رہا تھا آنکھوں میں نیند کا گلابی پن ابھی تک رچا ہوا تھا، دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوجے میں پھنسا کر اس نے بازو اوپر دائیں اور پھر بائیں پھیلائے۔

ٹیرس سے نیچے جھانکتے ہی اس کی نظر لان کے بیچوں بیچ بیٹھی سارہ پر پڑی تھی جس کے اردگرد زرد پتے اس طرح سے بکھرے ہوئے تھے جیسے کبھی اس کے وجود کا حصہ رہے ہوں، پرسوچ نگاہوں سے وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا اور پھر اندر غائب ہو گیا، چند لمحوں بعد ہی وہ گھر کی اندرونی عمارت سے نکل کر لان کی طرف بڑھ رہا تھا، اپنے سامنے کرسی پر باسل کو بیٹھتا دیکھ کر وہ سیدھی ہوئی تھی اس کا یہاں آنا اور پھر بیٹھنا سارہ کے لیے قطعی غیر متوقع تھا۔

''تمہارا آفس کا تجربہ کیسا جا رہا ہے؟''
ایک نظر سارہ اور اس کی ائیر بک کے سفید صفحے پر بکھرتے رنگوں پر ڈال کر باسل نے عام سے انداز میں پوچھا تھا۔

''اچھا، میں کافی کچھ سیکھ رہی ہوں۔'' اس نے بڑے محتاط الفاظ استعمال کیے تھے۔

''انکل نوشاد کہہ رہے تھے کہ تم کام کرتے کرتے اکثر Zone out ہو جاتی ہے بعض اوقات وہ بریف کر رہے ہوتے ہیں مگر انہیں لگتا ہے جیسے تم اپنی سوچوں میں منہمک ہوتی ہو۔''

''میں ان کی ہر بات غور سے سنتی ہوں۔'' سارہ کے لہجے میں ہلکا سا غصہ در آیا تھا۔

باسل کو اتنے مختصر جواب اور اس لہجے کی توقع نہ تھی۔

''مس سارہ جہانگیر اپنے کیریئر پر فوکس کرنا تمہارے اپنے لئے بہتر ہے کوئی بڑے سے

بڑا Mentor بھی بے کار ثابت ہوگا اگر تم خود دلچسپی نہیں لوگی صرف ڈگری کافی نہیں ہوتی کام کو عملی طور پر سیکھنا ضروری ہوتا ہے۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔

''اور مجھے حیرانی ہورہی ہے کہ چند ہفتے قبل جو شخص مجھے خودکشی کی ترکیب بتارہا تھا وہ آج میرا اتنا خیر خواہ کیسے ہوگیا۔'' سارہ استہزائیہ انداز میں بولی تھی مگر باسل نے اس سے قبل سارہ سے جو سخت برتاؤ کیا تھا وہ دوبارہ ویسا سلوک نہیں کرنا چاہتا تھا وہ باسل کو خاموش پاکر مزید بولی تھی۔

''یا شاید تم اس لئے فکر مند ہوگے کہ میری خراب کارکردگی سے تمہاری فرم کی سالانہ آمدنی میں فرق آئے گا اور اس کی ساکھ متاثر ہوگی ایسا ہوا تو تم یقیناً بزنس مین آف دا ائیر کا ایوارڈ حاصل نہیں کر پاؤ گے تمہیں بعد ازاں کی جو تمہارے لئے تازیانہ ثابت ہوگی۔''

''میری فرم کی فکر کرنے کی م ازم تمہیں ضرورت نہیں، وہاں ایک سے بڑھ کر ایک قابل بندہ موجود ہے جنہوں نے اپنی ذہانت اور محنت سے اس کاروبار اور اپنے کام پر توجہ نہ دینے والے ایمپلائی کے نکمے پن سے اتنا فرق نہیں پڑے گا۔'' اتنے کاٹ دار الفاظ بول کر باسل رکا نہیں تھا، لمبے لمبے قدم اٹھاتا اندر چلا گیا تھا، دوسری طرف اس کے الفاظ سے سارہ کو بے حد بے عزتی محسوس ہوئی تھی احساس ذلت سے اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا تھا، اسے معلوم تھا اس میں غلطی اس کی اپنی بھی تھی بلکہ زیادہ غلطی خود اسی کی تھی، وہ خود محسوس کررہی تھی وہ کام پر توجہ نہیں دے پارہی تھی آج کل تو ویسے بھی ہر وقت ضویا کے الفاظ ہی اس کے کانوں میں گونجتے رہتے تھے، یہ بھی سچ تھا کہ اپنی صفائی دیتے دیتے وہ تھکنے لگی تھی اسے آگے بڑھنے کی ضرورت تھی خود کو یقین دلانے کی ضرورت تھی کہ جو کچھ ہوا تھا اس میں سارہ کی کوئی غلطی نہیں تھی۔

ائیر بک کے صفحے پر رنگ بھرنا موقوف کرکے اس نے اپنی آنکھیں صاف کیں چیزیں سمیٹیں اور اندر کی جانب چل دی۔

☆☆☆

فزیوتھراپسٹ [illegible] کے بعد نزہت حسب اپنے شوہر حبیب احمد خان [illegible]

[illegible]

کلنس اندر داخل ہوئی [illegible] تھا ہلکی سی دھوپ نکلنے کے باوجود خنکی چھائی ہوئی [illegible]

[illegible] تھا۔

[illegible] بی بھی سی شلوار کے اوپر ہم رنگ قمیض پہنے [illegible]

[illegible] جب سے اس نے [illegible] [illegible] میں موجود پاکر وہ اندر جانے کی بجائے ادھر ہی بڑھ آئی۔

''[illegible] تم [illegible] [illegible] نے پوچھا تھا، ایکسرسائز موقوف کرکے وہ ریلیکس ہوکر بیٹھ گئے تھے۔

''جی کچھ دنوں سے یونیورسٹی کا کام کچھ بڑھ گیا ہے لہٰذا آفس نہیں جا پارہی۔'' سارہ نے سفید جھوٹ بولا تھا، حقیقت تو یہ تھی کہ باسل سے ہونے والی اس روز کی تکرار کے بعد وہ اس قدر شرمندہ تھی کہ اس کے ساتھ ساتھ نوشاد نصیر صاحب کا بھی سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی، کچھ باسل کے طنز بھرے سخت الفاظ کا بھی اثر تھا ساتھ یہ سوچ بھی دماغ میں آئی تھی کہ بدتمیزی کا آغاز اس نے ہی کیا تھا، ملی جلی سوچیں اس کے دماغ میں آرہی تھیں اور سمجھ نہیں آرہا تھا وہ چاہتی کیا

تھی، حبیب احمد خان اس کے چہرے کو غور سے دیکھ رہے تھے۔
''کتنے دن ہو گئے ہیں نا ہم نے کوئی کتاب نہیں پڑھی۔'' وہ موضوع گفتگو تبدیل کرنے کی خاطر بولی۔
''بھئی تم پڑھائی اور اپنی جاب میں مصروف تھیں ویک اینڈ پر میں گھر پر نہیں ہوتا۔''
''میں تو سردیوں کی ٹھٹھرتی شاموں کا انتظار کر رہی ہوں جب آتشدان میں لکڑیاں جلا کر آرام دہ صوفوں پر بیٹھ کر دور دیس کے مسافروں کی کہانیاں پڑھیں گے جو پہاڑوں کا سینہ چیرتے ہوئے، آندھیوں سے ٹکراتے دریاؤں کو پار کر کے منزل مقصود پر پہنچتے ہیں۔''
اس کی بات سن کر نزہت اور حبیب احمد خان دونوں ہنس دیئے۔
''باتیں ہوتی رہیں گی پہلے کھانا کھا لو۔'' نزہت بولی تھیں۔
''خالہ کچھ بھی کھانے کو جی نہیں چاہ رہا۔''
''کھانے کو جی چاہے یا نہ چاہے کچھ نہ کچھ کھانا ضروری ہے میں تمہارا پسندیدہ چیز سینڈوچ بنوا کر بھیجتی ہوں۔'' نزہت حبیب اٹھتے ہوئے بولی۔
''تھینک یو خالہ۔'' سارہ لاڈ سے بولی۔
''تمہاری خالہ اندر چلی گئی ہے اب مجھے بتاؤ پچھلے پانچ دن سے تم آفس کیوں نہیں جا رہی۔'' وہ حیران ہوئی تو انہیں معلوم تھا کہ پانچ دنوں سے وہ یونیورسٹی سے سیدھا گھر آ رہی ہے۔
''آفس میں کوئی مسئلہ ہے یا باسل نے کچھ کہا ہے؟''
''باسل نے کچھ نہیں کہا میری غلطی ہے میں ایکسکیوز کر لوں گی مگر آفس نہیں جانا چاہتی۔''
''اس نے کیا کہا ہے سارہ؟'' وہ سنجیدگی سے گویا ہوئے۔
''میں Zone out ہو جاتی تھی اس نے مجھے کام پر توجہ دینے کو کہا تھا۔'' کہہ کر اس نے سر جھکا لیا۔
''تو اس بات پر تم نے آفس جانا چھوڑ دیا؟''
''میں خود کو کچھ وقت دینا چاہتی تھی کہ پڑھائی کا بوجھ جب کچھ کم ہو جائے اور میں زیادہ بہتر فوکس کر سکوں تب دوبارہ جانا شروع کروں۔''
''کوئی مسئلہ ہے تو تم مجھے بتا سکتی ہو۔''
''نہیں نہیں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔'' وہ جلدی سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی تھی۔
''سارہ بیٹے باسل کام کے متعلق ذرا سخت واقع ہوا ہے اسے میرے فیصلوں پر بھی اکثر اعتراض ہوتا تھا، اسے لگتا تھا میں لوگوں کو ڈھیل دیتا ہوں وہ باہر سے اخروٹ کے خول کی طرح سخت ہے مگر اندر سے بہت نرم مزاج واقع ہوا ہے شاید اس میں کچھ میرا ہاتھ بھی ہے، بہرحال اس کے مشورے کے خلوص پر شک نہ کرنا۔'' سارہ نے مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا، اب وہ خالو کو کیا بتاتی ان کے بیٹے نے اسے کیسے کیسے مشورے دیئے تھے۔
''اور ایک اور بات کوئی بھی مسئلہ ہو تم مجھے ضرور بتاؤ گی۔''
''جی ضرور بتاؤں گی۔''
''وعدہ؟'' انہوں نے ابرو اچکائی۔
''وعدہ۔'' وہ مسکرا کے بولی تھی۔

☆☆☆

پچھلے پندرہ بیس دنوں سے وہ اذیت کا شکار تھا، اس کا وجود دو حصوں میں بٹا تھا ایک حصہ اس کی فیملی کی طرف جھکا تھا اور دوسرا پانچ فٹ چار

انچ کی اس لڑکی کی جانب جس کے قدموں میں وہ گوشت کا وہ لوتھڑا قربان کر آیا تھا جو کبھی اس کے سینے میں دھڑکا کرتا تھا۔

اپنے گھر والوں کو بھی نہ چھوڑ سکتا تھا جنہوں نے اسے ناز و نعم سے پالا تھا غیر مشروط محبت دی تھی لاڈ اٹھائے تھے جن کے احسانوں کا حق وہ ساری عمر کی خدمت سے بھی ادا نہ کر پاتا، دوسری جانب اس جان حیات سے دوری بھی روح فرساں تھی جسے دیکھ کر احساس ہوتا تھا کہ وہ اس کی ذات کا کھویا ہوا حصہ تھی جس کو اس نے تارے توڑ کر لا دینے کے خواب تو نہیں دکھائے تھے، مگر اس کے ساتھ زندگی گزارنے، اپنانے اور ایک خوشیوں بھرے گھر کی آس ضرور دلائی تھی اور ایک مرد جب کسی عورت کو یہ آس دلاتا ہے تو وہ خواب بننے لگتی ہے ایک آسودہ اور خوشحال زندگی ایک گھر کے جس کی بنیاد لفظ محبت پر رکھی گئی ہو وہ روز اس گھر کی دیواروں کو خوابوں سے پینٹ کرتی ہے سجاتی ہے سنوارتی ہے گھر کے صحن میں سپنوں کے بیج بوتی ہے اور ان سے نکلنے والے پودوں کی روز آبیاری کرتی ہے۔

مرد کا وہ آس بھرا وعدہ توڑنا ایک معمولی واقعہ نہیں ہوتا ایک حادثہ ہوتا ہے کئی خوابوں کی موت ہوتی ہے اور جہاں وہ سپنوں کا گھر بسا ہوتا ہے وہاں مردہ تتلیوں کے بکھرے پروں کے سوا کچھ نہیں ملتا، مرد کے ایک وعدے پر اپنی آئندہ آنے والی پوری زندگی کی پلاننگ کرنا عورت کی سب سے بڑی غلطی ہوتی ہے، حبیب احمد خان نزہت نذیر سے، اس کی آنکھوں کے خواب چھین کر انہیں بے نور کیسے کر دیتا، خود اس کی زندگی کی خواہشیں، چاہتیں بھی تو اس سے جڑی تھیں اور وہ اپنے ہی خوابوں کو کیسے توڑ سکتا تھا مگر یہ بات اس کے والدین اور دادی جان کو سمجھ نہیں آرہی تھی

انہیں سونی کا جنون نظر آتا تھا اس کا نہیں۔

اور پھر وہی ہوا جس کا اس کو ڈر تھا وہ چیز جو کسی بھی شریف اور تابعدار مرد کو محبت و جنت بھلا کر سہرا بند ہوا کر گھوڑے پر بٹھا کر اس لڑکی کے در پر لے جاتا ہے جو اس کے ماں باپ کی پسند ہوتی ہے اور وہ اس وقت اس حالت میں ہوتا ہے کہ انکار کرنا تو درکنار ایسا سوچنا بھی اس کے لئے گناہ ہوتا ہے وہ چھ سال انگلینڈ میں رہ کر آیا تھا تو بھول گیا تھا کہ پاکستان میں فیصلے اب بھی والدین ہی کرتے ہیں۔

بچپن میں ماں باپ یہ طے کرتے ہیں بچہ کس سکول میں پڑھے گا، کیا مضامین اختیار کرے گا بڑا ہو کر کیا بنے گا، کس عمر میں اور کس سے شادی کرے گا، اب اگر اس نے ماں باپ کی منتخب کردہ لڑکی سے شادی کر لی تو اس سے فرمانبردار بیٹا دنیا میں کسی کا نہیں اور اگر انکار کر دیا اور ماں باپ کے سامنے اپنی پسند کا نام رکھ دیا تو اس سے بڑھ کر ناہنجار، نافرمان اور بے حیا شخص کوئی نہیں۔

اور پھر وہی ایک فقرہ جو نجانے کتنی فلموں اور ان فلموں سے متاثر پاکستانی والدین نے دھمکی کے طور پر استعمال کیا ہوگا کہ اگر تمہیں اپنی پسند سے شادی کرنی ہے تو ہمارا مرا منہ دیکھو گے اور حبیب احمد خان اس دھمکی کو دل سے بیشک بلیک میلنگ کا نفسیاتی حربہ ہی کیوں نہ سمجھتا ہو ایک لمحے کو اس کا دل دہل گیا تھا، دل کی ضد پوری کرنے کی خاطر وہ اپنے والدین کو کھونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا ہو۔

تو بس فیصلہ ہو گیا؟ وہ فیصلہ جو ہمیشہ سے ماں باپ ہی کرتے آئے ہیں؟ سونی بہت خوبصورت تھی، شوخ و چنچل اور سب نے اسے باور کروایا تھا کہ اس کی چچا زاد سے بڑھ کر حسین

اور اچھی لڑکی دنیا میں کوئی نہیں وہ ان سے پوچھ نہیں سکا تھا کہ اگر سونی دنیا کی سب سے حسین اور اچھی لڑکی نہ ہوتی تو کیا وہ حبیب احمد خان کی نزہت سے شادی پر مان جاتے۔

شادی سے تین روز قبل وہ نزہت کے سامنے گنہگاروں کی طرح جا بیٹھا تھا، اس کے چہرے پر لکھی شکست، عہد شکنی اور بیوفائی کی تحریر پڑھ کر نزہت رو دی تھی اور وہ بے بسی کی مجسم تصویر بنا خاموشی سے اسے روتے دیکھتا رہا تھا۔

"کیا وہ خوبصورت ہے؟" نزہت نے پوچھا تھا۔

"مجھے تمہارے سوا حسن کہیں دکھائی نہیں دیتا۔" حبیب احمد آہستگی سے بولا تو وہ ہنس دی اتنا وہ بھی سمجھتی تھی، کہ سونی خوبصورت نہ بھی ہوتی تو اس کے پاس خاندان کی طاقت تھی، وہ اٹھ کے آنے لگا تو نزہت نے اسے خدا حافظ کہا مگر وہ خود یہ بھی نہ کہہ سکا۔

☆☆☆

قبولیت کے اقرار سے بندھ گئیں اور والدین کی شفقت کے سائے میں وہ رشتہ وجود میں آ گیا جسے نکاح کہتے ہیں، پاکیزہ رشتوں کا پاک تعلق۔

وہ دلہن بنی عروسی جوڑے میں لہو رنگ غرارہ کرتا پہنے سنہری گوٹے سے سجا دوپٹہ سر پر لئے بیٹھی تھی، گلابی گالوں پہ بکھرا غازہ گلابی شفق کی طرح محسوس ہو رہا تھا آنکھوں کے کاجل نے شب کی سیاہی کو شرما دیا تھا ہونٹوں کے کنارے پہ سرخی سجی تھی ماتھے کا ننھا سا ٹیکا، کانوں کے جھمکے اور گلے کے زیور نے اسے اس قدر خوبصورتی عطا کر دی تھی کہ اپسرا بھی شرما جائے، حبیب احمد اس کے سامنے آ بیٹھا تھا سونی کا دل اس لے پر دھڑکا جس کے متعلق اسے اس سے پہلے علم ہی نہ تھا۔

وہ آ کے پہلو میں ایسے بیٹھے
کہ شام رنگیں ہو گئی ہے
ذرا ذرا سی کھلی طبیعت
ذرا سی غمگین ہو گئی ہے

حبیب احمد شکستہ دل لئے ہوئے اس جواری کی طرح بیٹھے تھے جس نے اپنی زندگی کا آخری داؤ بھی ہار دیا ہو۔

عجب ہیں دل کے درد یارو
نہ ہوں تو مشکل ہے جینا اس کا
جو ہو تو ہر درد ایک ہیرا
ہر ایک غم ہے نگینہ اس کا
کبھی کبھی شام ایسی ڈھلتی ہے
کہ جیسے گھونگھٹ اتار رہی ہو
تمہارے سینے سے اٹھتا دھواں
ہمارے دل سے گزر رہی ہو

دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے تھے ایک کا دل خوشی کی انتہاؤں کو سمیٹ نہ پا رہا تھا اور دوسرے کو لگتا تھا غم کی شدت سے پھٹ جائے گا، سونی نے شرم آلود جھکی پلکوں کی جھریوں سے حبیب احمد کو دیکھنے کی کوشش کی مگر دیکھ نہ پائی۔

یہ شرم ہے یا حیا ہے کیا ہے
نظر اٹھاتے ہی جھک گئی ہے
تمہاری پلکوں سے گر کے شبنم
ہماری آنکھوں میں رک گئی ہے

اس رات بارش، بہت برسی تھی شاید اس میں نزہت کے آنسو گھلے ہوئے تھے جو کئی اگلے دو روز تک در و دیوار سے چمٹی رہی تھی، وہ ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے کوئی بے گناہ قیدی عمر قید کی سزا سنائے جانے کے بعد محسوس کر سکتا ہے، سونی کی شادمانی دیکھنے لائق تھی، اسے پا لینے کی اتنی خوشی تھی کہ وہ حبیب احمد کا خود سے گریز محسوس ہی نہ

کر پائی۔

ریشمی ملبوسات میں لپٹی، بالوں کی چٹیا اور جوڑے میں پھول گوندھے خود کو خوشبوؤں میں بسائے وہ سرشار سی گلابی ہرے نیلے جامنی طرح طرح کے رنگین جوڑے، ڈھیروں کھنکتی چوڑیاں، زیورات، کھسے، جوتے پہنے وہ خوبصورت پروں والی رنگین تتلی کی مانند ادھر سے ادھر گھومتی رہتی۔

حبیب احمد کا زیادہ وقت کاروبار کی خاطر شہر میں گزرتا تھا سوہنی کے میکے اور سسرال کے گھروں میں ایک چھوٹے سے دروازے کا راستہ تھا وہ آدھا دن ایک گھر میں ہوتی اور آدھا دوسرے میں، شادی کے دو ماہ بعد کی بات تھی وہ میکے آئی ہوئی تھی گود میں ڈیڑھ سالہ بھتیجے فیروز کو لئے دادی جان کے ساتھ گھر کے آنگن میں موجود تخت پر بیٹھی تھی، حویلی کے باہر سے بابے ستے کی صدا جیسے ہی کانوں میں پڑی وہ فیروز کو دادی جان کی گود میں ڈال کر کچن کی طرف بھاگی جہاں اماں صاحباں کھانا بنانے میں مشغول تھیں۔

''یہ لڑکی تو شادی کے بعد بھی ویسی کی ویسی باؤلی ہے مجال ہے جو ذرا سی تبدیلی آئی ہو ابھی کوئی داستان ہاتھ میں پکڑا دو دوپہر سے شام اور شام سے رات ڈھلتے ہوئے پتہ نہ چلے گی۔''

دادی اماں ڈیڑھ سالہ پڑپوتے فیروز سے مخاطب ہوئی جو ناسمجھی سے ہنس دیا۔

''اماں...... اماں...... صاحباں!'' سوہنی کلیوں والا ہلکا سبز فراک سنبھالتی کچن میں داخل ہوئی۔

''بابا ستا آیا ہے اسے اندر بلا لاؤ۔'' وہ پھولی سانسوں کے درمیان بولی، اماں صاحباں نے ہاتھ میں پکڑا چمچ فوری طور پر رکھا اور تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی حویلی کے بیرونی دروازے کی طرف لپکی، تھوڑی ہی دیر میں ستا فقیر اپنی سارنگی لئے اندر داخل ہوا تھا سوہنی کو دیکھ کر بابے کے چہرے پر کانوں کی لوؤں کو پہنچتی مسکراہٹ آ گئی۔

''بابا اتنے روز کہاں تھے؟ بڑے دنوں کے بعد ادھر کا رخ کیا۔'' وہ بڑی خوشدلی سے بولی تھی، آج کل خوشی ویسے ہی اس کے انگ انگ سے پھوٹتی تھی۔

''بس پتر شہر چلا گیا سی اب واپس آ گیا آں۔''

''کیوں بابا شہر چنگا نہیں لگا۔''

''شہر تے چنگا سی، شہر دے کتیاں نے کے پاسے دا نہیں چھڈا جنے خبیث نے او نے ناہنجار وی بڑی مشکلاں نال جان بچاتے آیا واں۔''

بابے کی بات سن کر سوہنی ہنس دی۔

سوہنی کا اشارہ ملتے ہی ستے فقیر کی انگلیاں سارنگی سے کھیلنے لگی تھیں۔

موہے اپنے ہی رنگ میں رنگ لے خواجہ جی
موہے رنگ بسنتی رنگ دے خواجہ جی

جب کسی سے عشق ہوتا ہے تو انسان اپنے رنگ کا چولا اتار پھینکتا ہے اور محبوب کے رنگ میں رنگنے کی خواہش کرنے لگتا ہے تب ہیر بھی کہتی ہے۔

رانجھا رانجھا کر دی نی میں آپے رانجھا ہوئی

سوہنی نے آنکھیں موندیں تو حبیب احمد خان کا تصور نظروں کے پیچھے جاگ اٹھا کیا اتفاق تھا کہ حویلی کے گیٹ سے بھی وہ تب ہی داخل ہوا سامنے ہی سوہنی کا چاندی میں ڈھلا وجود ریشم میں کسی مقدس کتاب کی طرح لپٹا دکھائی دیا سیاہ چوٹی آگے کی طرف پڑی تھی جس میں چنبیلی کے پھول گندھے ہوئے تھے، حبیب احمد کو سوہنی کے آگے اپنا آپ بڑا ہی کمزور محسوس ہوا، کچھ محسوس ہوا تھا شاید سوہنی نے پٹ اپنی آنکھیں کھول دی

تھیں، سامنے وہ کھڑا تھا جس کے لئے وہ سانس لیتی تھی جیتی تھی۔

خسرو دین سہاگ کی
جاگی پی کے سنگ
تن مورا من پریتم کا
دونوں ایک ہی رنگ
اے مائی کے دیوو جو سنو ہماری بات
تم جگیو ساری رات
ایسو رنگ اور نا ہیں دیکھوں کہیں بھی میں

ستے فقیر نے تان لگائی تھی۔

''ایسا رنگ اور نا ہیں دیکھوں کہیں بھی میں''
حبیب احمد کو دیکھ کر سوہنی کے منہ سے نکلا تھا اور وہ سوچ رہا تھا گزشتہ روز نزہت سے نکاح کر کے وہ کوئی غلطی تو نہیں کر آیا تھا۔

☆☆☆

لونگ روم میں وہ تینوں آرام دہ صوفوں پر براجمان فوٹو البمز دیکھنے میں مصروف تھے، یہ بڑے بڑے چھ البمز یوں میز کے اوپر پڑے تھے لگتا تھا جیسے کسی نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ قید کرنے کی کوشش کی ہو، ہر البم زندگی کے ایک مختلف دور سے تعلق رکھتا تھا، ایک البم نزہت اور حبیب احمد خان کی شادی کے ابتدائی دور سے تعلق رکھتی تھی اس میں باسل کی کوئی تصویر موجود نہ تھی، ایک اور البم ایسا تھا جس میں گاؤں کے تمام رشتہ داروں باسل کے دادی دادا، نانی نانا کی تصاویر تھیں انہی تصویروں میں ایک انتہائی حسین خاتون بھی تھیں جن کے نقش و نگار کی خوبصورتی کو بیان کرنا سارہ کے لئے ممکن نہیں تھا، انہیں تصویر میں ہی دیکھ کر لگتا تھا جیسے موم سے تراشی گئی ہوں، وہ البم کھلتے ہی ان کے درمیان خاموشی کے ڈھیروں وقفے لے کر آیا تھا، نزہت کی آنکھوں میں بے چینی آئی تھی اور حبیب احمد کی آنکھوں میں اداسی اور خاموش جنگ کا ملا جلا سا تاثر اترا تھا، فضا میں تناؤ محسوس کرتے ہوئے سارہ نے جلد ہی البم بند کر دیا، سردی کا احساس یکدم سے بڑھ گیا تھا آتشدان میں جلتی لکڑیاں بھی ناکافی سی محسوس ہونے لگیں۔

''تم بچپن میں ہمیشہ ایسے ہی منہ بسورتی رہا کرتی تھیں سارہ۔'' خالو نے نجانے کون سا البم کھولا تھا اس میں ایک تصویر نکل آئی تھی جس میں نزہت نے سارہ کو اٹھایا ہوا تھا جبکہ وہ چھکوں پھکوں رو رہی تھی، وہ تینوں کسی تصویر کو دیکھ کر ہنسنے میں مصروف تھے جب باسل سیڑھیاں اتر کر آتا دکھائی دیا قدرے بکھرے سے بال جن میں وہ انگلیاں پھیر رہا تھا ناک سرخ ہو رہی تھی اور آنکھوں کے کنارے گلابی تھے صاف محسوس ہو رہا تھا وہ بیمار تھا، اسے صوفے پر بیٹھتا دیکھ کر سارہ کو حیرت ہوئی کیونکہ وہ گھر والوں کے پاس بیٹھ کر گفتگو کرتا کبھی دکھائی نہیں دیا تھا اور اب وہ چاروں افراد لونگ روم میں کسی ایسی فیملی کی طرح موجود تھے جن کے مزاج اور رویے ایک دوسرے سے قطعی مختلف تھے۔

سارہ اس کنبے کا حصہ نہ ہونے کے باوجود حصہ بن چکی تھی اس نے چھ ماہ سے زیادہ کا عرصہ ان کے ساتھ گزارا تھا اور سب کا مشاہدہ کیا تھا اس نے نزہت کو ہمیشہ خالہ نزہت کے طور پر دیکھا تھا مگر یہاں آ کر وہ ان کے نزہت حبیب کے روپ سے واقف ہوئی تھی وہ ایک پتی ورتا قسم کی خاتون تھیں جو اپنے مفلوج شوہر کو ایک لمحے کے لئے بھی تنہا نہ چھوڑتی تھیں فزیو تھیراپسٹ کے علاوہ انہیں خود ایکسر سائز کروانا، ان کے کھانے پینے کا خیال رکھنا تو معمولی چیز تھی وہ تو ان باتوں کا بھی خیال رکھتی تھیں کہ حبیب احمد نے لباس تبدیل کیا ہے یا نہیں ان کی قمیض کے بٹن پورے

ہیں؟ ان کے بال بکھرے بکھرے تو دکھائی نہیں دے رہے شیو کرنے کے بعد انہوں نے آفٹر شیو لوشن استعمال کیا؟

ان کا بس چلتا تو وہ حبیب احمد کو دوا بھی دن میں تین کی بجائے چھ مرتبہ دیتیں، حتی کہ ان کی سانسیں تک گنتیں کہیں حبیب احمد نے کل کی نسبت آج کم سانسیں تو نہیں لیں، ان کی صبح حبیب احمد سے شروع ہوتی تھی اور دن ان پر ختم، ان کا دوسرا روپ ماں کا تھا وہ غیر محسوس طریقے سے باسل کا اتنا خیال رکھتی تھیں جتنا کہ کوئی اپنے محبوب شوہر کی اس اکلوتی اولاد کا رکھ سکتا ہے۔

☆☆☆

حبیب احمد خان کو اس نے اپنے خالو ہونے کے ناطے بس اتنا جانا تھا جتنا جاننے کی ضرورت ہوتی ہے، جب اس کی فیملی پاکستان تھی تو وہ سب مل کر خالو کے گھر آیا کرتے تھے دونوں کے درمیان رسمی گفتگو سے بڑھ کر کوئی بات نہ ہوتی تھی پھر جب وہ مفلوج ہوئے تو سارہ نے جانا کہ وہ کس قدر مضبوط انسان تھے جنہوں نے بیماری اور اس کے نتائج کو خود پر حاوی نہیں ہونے دیا تھا، لیکن اصل حبیب احمد اس پر تب آشکار ہوئے جب وہ اس گھر میں آکر رہنا شروع ہوئی وہ بظاہر خوش باش رہنے والے اندر سے اداس انسان تھے، ان کی اداسی کا تعلق باسل سے تھا، سارہ کے ساتھ ان کا جو فرینڈلی رویہ تھا اس نے سارہ کو اس تکلیف دہ سوچوں سے نکالنے میں مدد کی تھی جو اسے خودکشی کے دہانے پر لے آئی تھی اب وہ چھ ماہ پہلے کی اس واقعے پر نظر ڈالتی تھی تو اسے اپنا آپ احمقانہ محسوس ہوتا تھا کیا بے وقوفی کرنے جارہی تھی اس کی زندگی محض اس کی اپنی تو نہیں تھی کتنے اور لوگ بھی تو منسلک تھے اور سب سے بڑھ کر یہ زندگی اس کے رب کی امانت تھی وہ خیانت کرکے گناہ کی مرتکب کیسے ہوجاتی۔

ہفتے میں ایک دو مرتبہ وہ اور خالو آتشدان جلا کر کبھی کوئی کلاسیک پڑھتے تو کتاب انہیں کئی سال بعض اوقات صدی پیچھے لے جاتی کوئی پیرا گراف دل کو چھو جاتا تو اس پر تبصرہ شروع ہوجاتا کبھی کبھار وہ انہیں فیض احمد فیض، حبیب جالب اور ساحر لدھیانوی کی شاعری پڑھ کر سناتی وہ الفاظ کے پیچ وخم اور فقروں کی خوبصورتی کو محسوس کرتے اور ان سب موضوعات پر باتیں کرتے کرتے ہر دفعہ بات باسل کی طرف نکل جاتی تھی، خالو کو باسل کے متعلق باتیں کرنا پسند تھا اور اسے سننا، باسل کے باپ کے منہ سے اس کے متعلق سن سن کر وہ اتنا جان چکی تھی جتنا جان سکتی تھی۔

باسل جس کے متعلق کوئی بھی حتمی رائے دینا مشکل تھا سارہ کو وہ ابتداء میں خشک اور سرد مزاج لگا تھا وہ ایسا کیوں تھا؟ سارہ نے بارہا سوچا تھا اور ایک روز حبیب احمد نے اس کی بات کا جواب دے دیا تھا۔

''جس شخص کی تخلیق میں اس کا باپ قلبی و روحانی طور پر شریک نہ رہا ہو اس کی نفسیات پر کیا اثر پڑا ہوگا جس کی ماں دردزہ میں مبتلا اپنے شریک حیات کا انتظار کررہی اور وہ اپنے نومولود بچے اور بیوی سے دور اپنی دوسری بیوی کے ساتھ شادی کی سالگرہ منا رہا ہو وہ بڑا ہوکر سخت مزاج اور سرد مزاج نہیں ہوگا تو اور کیسا ہوگا۔''

سارہ کو معلوم تھا باسل اپنی ماں سے حبیب احمد کے سلوک جو یقیناً اچھا نہیں رہا تھا کی وجہ سے روٹھا ہوا تھا تصویر اب بھی اس کے دماغ میں واضح نہیں ہوئی تھی لیکن کچھ پوچھنا اس نے مناسب نہ سمجھا تھا۔

باسل سے ابتداء میں جتنی دفعہ بھی سارہ کا

سامنا ہوا تھا دونوں کے درمیان گفتگو کچھ خوشگوار نہیں رہی تھی مگر رفتہ رفتہ دونوں کے آمنے سامنے ہونے والی تلخیاں ختم ہونے لگیں اور سارہ کو لگتا تھا کہ یہ بدلاؤ باسل سے زیادہ اس میں آیا تھا وہ پہلے سے زیادہ ذمہ دار ہوئی تھی باسل سمیت سب کے رویوں کو بہتر طور پر سمجھتی تھی اور ان فضول احمقانہ سوچوں سے کافی حد تک پیچھا چھڑا چکی تھی جو اسے غیر آرام دہ کرتی تھیں اور آج وہ سب کے ساتھ آ کر بیٹھا تھا تو اسے یہ سب مختلف لگا تھا مگر اس نے اپنے تاثرات پر قابو پا لیا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ باقی سب نے بھی۔

”باسل تم نے دوا لی تھی؟“ حبیب احمد نے بیٹے سے پوچھا تھا۔

”جی میں ٹھیک ہوں آپ فکر مت کریں۔“

”کل ہم دونوں تو عمرے کے لئے روانہ ہو رہے ہیں پیچھے گھر کا اور تم اپنا خیال رکھنا بیٹا۔“ نزہت فکر مندی سے بولیں۔

”سارہ، باسل کا خیال رکھنا۔“ حبیب احمد آہستگی سے سارہ سے بولے تو اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا جو میز پر پڑی البمز کو دیکھنے میں مصروف تھا جن میں سے ایک کھلی ہوئی تھی، باسل کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا سوائے خاموشی کے جب سب کچھ ٹھہر جاتا ہے، اس سکوت کے سے انداز کے جو شور سے زیادہ بے چین کرتا ہے، سارہ کے دل کو کچھ ہوا تھا وہ تینوں لاؤنج میں رکھے صوفوں کے دائیں جانب بیٹھے تھے اور وہ اکیلا دوسری طرف۔

”سر آپ چائے لیں گے یا کافی؟“ ملازمہ نے باقی تینوں کو کافی سرو کر کے باسل سے پوچھا تھا۔

”چائے، تھینک یو اور میرے کمرے میں بھجوا دینا۔“ کہتے ہوئے وہ اٹھا۔

”میں تھوڑا آرام کرنا چاہتا ہوں۔“ کہہ کر واپس اپنے کمرے میں چلا گیا۔

اپنے کمرے میں آ کر باسل نے اس نیلی ڈائری کو کھولا تھا جو وہ پھپھو صالحہ کے گھر سے لے کر آیا تھا اپنے باپ سے اسے ویسی ہی انسیت تھی جیسی کسی بیٹے کو ہو سکتی ہے انہوں نے اسے بہترین تعلیم دلوائی تھی بہترین رہن سہن بے پناہ محبت سے بھی نوازا تھا مگر وہ خلا اس کے اندر سے ختم نہیں ہو پایا تھا وہ خلا جس نے اسے اور حبیب احمد کو ایک دوجے سے اتنا دور کر دیا تھا کہ یہ فاصلہ وہ چاہ کر بھی نہیں پاٹ سکتا تھا۔

☆☆☆

پھپھو صالحہ نے اسے اس کی ماں سے منسلک ہر چیز اسے دے دی تھی سوائے اس نیلی ڈائری کے جو شاید سب سے زیادہ اہم چیز تھی مگر دو سال قبل وہ جب گاؤں ان سے ملنے گیا تو اتفاقاً ل جانے پر وہ ان سے بغیر پوچھے لے آیا تھا وہ ڈائری سوہنی حبیب کی ملکیت تھی باسل کو اسے پڑھنے یا اپنے پاس لے کر جانے کے لئے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں تھی۔

سب کو لگتا تھا سوہنی اپنے شوہر سے بے حد محبت کرتی تھی مگر باسل کو وہ ڈائری پڑھ کر اندازہ ہوا تھا وہ اس کے باپ کی پرستش کرتی تھی، وہ چھ سات برس کا تھا جب اسے ماں کی آنکھوں میں چمکنے والا پانی دکھنے لگا تھا۔

”آپ رو رہی ہیں؟“ وہ فکر مندی سے پوچھتا تھا۔

”کچن میں پیاز کاٹ کر آئی ہوں نا اس لئے بیٹا۔“ وہ مسکرا کر جھوٹ بولتیں، ایسے وہ دھوپ چھاؤں سی مسکراہٹ آج بھی یاد تھی کبھی کبھی وہ سوچتا تھا سوہنیاں کچا گھڑا ہی کیوں لے کر نکلتی ہیں بالفرض ایسا کرتی ہیں تو تیرنا کیوں

نہیں سیکھ لیتیں کیا عشق میں ڈوبنا ضروری ہے جواب اسے نیلی ڈائری سے ملا تھا۔

''صالحہ کی طرح صبیحہ بھی حیران ہوتی ہے کہتی ہے، سوہنی کسی شخص کے عشق میں ایسا بھی کیا پاگل ہونا کہ بندہ اپنا آپ بھی گنوا بیٹھے ٹھیک ہے تم حبیب بھائی سے محبت کرتی ہو مگر ایسے رہو کہ وہ بھی تمہاری قدر کریں نہ وہ اس گاؤں کے مہینوال ہیں نہ تم چناب کی سوہنی۔'' اب اسے کیا بتلاؤں کہ ہر سوہنی کے پیدا ہوتے ہی اس کی قسمت کا کچا گھڑا مقدر کے چاک پر تخلیق ہونا شروع ہو جاتا ہے ہاں عشق میں ڈوبنا ضروری ہے۔

پانی جب پاؤں تک تھا تو انس تھا، گھٹنوں تک آیا تو پیار کہلایا، کندھوں تک آیا تو محبت، یہ پانی سر سے اونچا ہوا تو ہی عشق بن پایا، صبیحہ سے کیا کہوں کہ۔

تجھ سے کھیلی ہیں وہ محبوب ہوائیں جن میں؟
اس کے ملبوس کی افسردہ مہک باقی ہے
تجھ پہ بھی برسا ہے اس بام سے مہتاب کا نور؟
جس میں بیتی ہوئی راتوں کی کسک باقی ہے
تو نے دیکھی ہے وہ پیشانی وہ رخسار وہ ہونٹ؟
زندگی جن کے تصور میں لٹا دی ہم نے
تجھ پہ اٹھی ہیں وہ کھوئی ہوئی ساحر آنکھیں؟
تجھ کو معلوم ہے کیوں عمر گنوا دی ہم نے؟

باسل نے ڈائری بند کر دی دروازے پر دستک ہوئی تھی یقیناً اس کی چائے آئی تھی مگر اس کا جی ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا تھا ملازم کمرے میں داخل ہو کر بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر ٹرے رکھ کے واپس چلا گیا تو وہ بتی بجھا کر لیٹ گیا مگر نیند کیسے آتی کل اس کی ماں کی برسی تھی۔

☆☆☆

اگلی صبح جنوری کی باقی تمام صبحوں کی طرح ٹھٹھری ہوئی تھی ساری رات کہرا پڑا تھا اور اب ہر طرف سفیدی چھائی ہوئی تھی، اب اس دھندلکے نے سہ پہر تک نہ چھٹنا تھا سردی اس قدر تھی کہ دانت بج اور ہڈیاں کٹکٹا رہی تھیں۔

نزہت حبیب احمد اور حبیب احمد خان ائیر پورٹ کی طرف نکلنے کے لئے تیار تھے۔

''میں آپ کو چھوڑ آتا ہوں۔'' باسل گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے بولا تھا سارہ نے بغور اسے دیکھا اس کی طبیعت کل کی نسبت اور زیادہ خراب لگ رہی تھی۔

''نہیں بیٹا تم جا کر آرام کرو آج ڈاکٹر کے پاس ضرور جانا، ہم فضل کے ساتھ چلے جائیں گے۔'' نزہت نرمی سے بولی تھیں تو باسل نے جواباً سر ہلا دیا۔

سارہ خالہ اور خالو کو گھر کے گیٹ سے ہی سی آف کر آئی تھی صبح کے آٹھ بجے تھے، اتوار کا روز تھا اور سردیوں کی یخ صبح لہٰذا کچھ اور کرنے کی بجائے اس نے پھر سے سو جانے کو ترجیح دی گرم بستر اسے پہلے ہی اپنی طرف بلا رہا تھا جیسے ہی وہ لیٹی اسے نیند نے گھیر لیا۔

دوبارہ اس کی آنکھ گڑگڑاہٹ کی آواز سے کھلی تھی اپنا موبائل اٹھا کر دیکھا دن گیارہ بجے کا وقت تھا بڑی مشکل سے بستر سے اٹھ کر وہ کھڑکی کے قریب آئی پردہ ہٹایا تو شیشے پر اٹکی ننھی ننھی بوندوں نے اس کا استقبال کیا تھا بارش کو دیکھتے ہی وہ خوش ہو گئی تھی مگر اگلے ہی پل ہلکی سی افسردہ اس خوب صورت موسم کو اس کے ساتھ انجوائے کرنے کے لئے کوئی دوسرا فرد موجود نہ تھا۔

وہ اور ضویا اس موسم میں کتنے مزے کرتی تھیں سارہ کو کوکنگ سے رغبت نہ تھی مگر ضویا کچن میں جا کر کئی میٹھی اور نمکین چیزیں تلتی اور جب وہ ان ساری چیزوں کو چٹ کر چکی ہوتیں تو بارش میں نہانے کے لئے نکل پڑتیں اتنی بڑی ہو کر بھی

پکڑن پکڑائی کھیلتیں اور جمع ہوئے پانی کے
چھینٹے اڑاتیں، حتیٰ کہ بھی کبھی امی فکرمند ہو کر
کہتیں کہیں ان کے بہناپے کو کسی کی نظر نہ لگ
جائے اور نظر لگ گئی تھی۔

ضویا اب سارہ سے نفرت کرتی تھی،
بارشیں اب پہلے سی نہیں رہی تھیں، کھڑکی کا پردہ
برابر کر کے اس نے گرم شال اوڑھی اور باہر نکل
آئی، ملازمہ سعدیہ نے اس سے ناشتے کا پوچھا
مگر سارہ نے اسے سینڈوچ اور ایک کپ چائے
بنانے کا کہا اور خود لاؤنج سے باہر شیڈ کے نیچے آ
گئی جہاں سے بارش میں بھیگا منظر دکھائی دے
رہا تھا وہ باہر آ کر پھر سے ماضی میں کھو گئی تھی۔

ضویا کی منگنی ارحم سے ہوئی تو اس کی
کائنات کا محور ہی تبدیل ہو گیا وہ ارحم سوچتی تھی،
ارحم پیتی تھی اور ارحم ہی جیتی تھی، وہ کہتی تھی مجھے
ارحم سے عشق ہو گیا ہے اور اب سارہ سوچتی تھی
عشق کیا ہے؟ بیماری کے شفاء گناہ یا ثواب،
روگ لگ جائے تو بیماری مگ ہٹ جائے تو شفاء
قابو پالو تو تریاق ورنہ زہر ہلاہل اور قابو پا سکا ہے
کوئی؟

قابو پانا ممکن نہیں رخ موڑ سکتے ہو تو موڑ دو
رخ موڑنے سے کیا مراد ہوئی؟
مجاز سے عشق نہ کرو حق سے کرو
مجاز سے محبت کرو اور وہ بھی حق کی خاطر

سونیا نے سینڈوچ اور چائے کی ٹرے لا کر
اس کے سامنے رکھی تو اسے ماضی سے حقیقت میں
لوٹنا پڑا، جنوری کی بارش نے ماحول کو یخ بستہ کر
دیا تھا سینڈوچ اور چائے ختم کرنے کے بعد وہ
واپس اپنے کمرے میں آ کر یونیورسٹی سے ملنے
والی اسائنمنٹ پر سر کھپانے لگی کیا سب کو ہی اپنی
پڑھائی کا آخری سمیسٹر اتنا ہی برا لگا کرتا ہے جتنا
اسے لگ رہا تھا۔

دو بجے کے قریب اس نے لنچ کا پوچھا مگر
اس نے منع کر دیا چار بجے کا وقت ہوگا جب اس
کے دروازے پر عجلت میں دستک دی گئی تھی۔

''اندر آ جاؤ۔'' اس کے بولتے ہی روزینہ
سعدیہ کی بیٹی اندر داخل ہوئی تھی چہرے پر
ہوائیاں اڑ رہی تھیں دیکھ کر ہی اندازہ ہوتا تھا کوئی
اچھی خبر نہیں سنانے والی۔

''فضل کا فون آیا ہسپتال سے بیمار ہیں،
باسل صاحب۔'' سارہ کے چہرے پر فکرمندی
کے تاثرات آ گئے، باسل دو دن سے بیمار تھا مگر وہ
بے ہوش ہو کر ہسپتال پہنچ گیا ایسا کب ہوا؟

اسائنمنٹ ادھر ہی چھوڑتے ہوئے اپنا
موبائل لے کر وہ باہر آئی تھی لاؤنج میں بابے فضل
کا بیٹا نذیر کھڑا تھا اس سے پہلے سارہ نے اسے
کبھی اتنا حواس باختہ نہ دیکھا تھا۔

''بی بی جی باسل صاحب گاؤں گئے تھے
بڑی بی بی جی کی قبر پر فاتحہ پڑھنے بارش ہو رہی
تھی جی بس کھلے میں ایسے ہی بیٹھے رہے۔''

''بابا فضل ان کے ساتھ نہیں تھے کیا؟'' وہ
فکرمندی سے بولی تھی۔

''نہیں جی وہ تو صبح بڑے صاحب اور بی بی
صاحبہ کو ائیرپورٹ چھوڑنے گئے تھے باسل
صاحب کے ساتھ میں گیا تھا مگر مجھے انہوں نے
ڈیرے پر ہی اتار دیا اور قبرستان اکیلے گئے تھے،
جب بڑی دیر تک نہیں آئے اور ان کی تلاش میں
گیا تو قبر کے پاس کیچڑ میں لت پت بے ہوش
پڑے تھے۔''

''اوہ خدایا۔'' اس کے منہ سے بے اختیار
نکلا تھا اور باسل کے لئے دل میں ہمدردی کی لہر
بھی اٹھی تھی نذیر سے بابے فضل کا نمبر لے کر اس
نے فون ملایا۔

''ابھی صاحب آبزرویشن میں ہیں

خطرے والی کوئی بات نہیں آپ پریشان نہ ہوں۔'' سارہ کو تسلی دیتے ہوئے وہ خود فکر مند سے لگ رہے تھے۔

''ہسپتال کا پتہ بتائیں میں ابھی آتی ہوں۔''

''ابھی مت آئیں میں ہوں ادھر آپ صبح آیئے گا بڑے صاحب کو آج مطلع نہ کیجئے گا مبادا کل کی ٹکٹ نہ کرا لیں ویسے بھی پریشان کرنا مناسب نہیں باسل صاحب جلد اچھے ہو جائیں گے۔'' سارہ نے فون بند کر دیا تھا۔

☆☆☆

سوہنی اپنے خوابوں کی جنت سے اس روز باہر نکلی تھی جب اس نے حبیب احمد کے بریف کیس میں (N) کے حرف والا خوبصورت لاکٹ دیکھا تھا، اسے دیکھتے ہی سوہنی پر کپکپی طاری ہو گئی اور بریف کیس کو بند کر کے وہ بستر میں آلیٹی، دوسری طرف حبیب احمد کو جیسے ہی یاد آیا کہ بریف کیس کھلا چھوڑ آیا ہے انہوں نے غسل موقوف کر کے الٹا سیدھا سلیپنگ سوٹ پہنا اور باہر نکل آئے، بریف کیس اس پوزیشن میں نہیں تھا جس میں وہ چھوڑ کر گئے تھے، سوہنی پر نظر پڑی جو بازو کو آنکھوں پر رکھ کے بے سدھ لیٹی تھی۔

انہیں معلوم ہو گیا کہ راز کھل چکا تھا۔

حبیب احمد کا دل چند لمحوں کے لئے بیٹھا تھا مگر پھر اس نے سوچا وہ گھبرا کیوں رہا ہے، اس نے دوسری شادی ہی تو کی تھی کوئی جرم نہیں وہ بھی اس لڑکی سے جس کے متعلق وہ پہلے ہی اپنے خاندان والوں کو بتا چکا ہے، مگر اسے حیرت ہو رہی تھی جب سوہنی جان گئی تھی تو اس نے کوئی ردعمل کیوں نہیں دکھایا، وہ چیخی چلائی تھی نہ حبیب احمد کا گریبان پکڑا تھا وہ کوئی عام عورت ہوتی تو خوب صلواتیں سناتی مگر وہ عام عورت ہی تو نہیں تھی یہ اس نے شادی سے قبل برستی بارش میں بابا قطب الدین کے مزار کے قریب بوہڑ کے درخت کے نیچے رقص کرتے دیکھ کر جان لیا تھا۔

وہ مختلف تھی۔

خوبصورت تھی نزہت سے کہیں زیادہ۔

خاص تھی بے حد خاص۔

مگر وہ نزہت نہیں تھی۔

اس رات دونوں ہی سو نہ سکے تھے مگر یہ باور کرانے میں کسی نے بھی کسر نہیں چھوڑی تھی کہ اس سے زیادہ پرسکون نیند کسی کی نہیں۔

آنے والے دنوں میں سوہنی کے شوخ نیلے، سبز، جامنی، گلابی رنگ پھیکے پڑنے لگے وہ سفید رنگ پہننے لگی اور نیلا، سفید اس لئے کہ تمام رنگوں کو ملا کے ایک یہی رنگ بنتا ہے اور نیلا اس لئے کہ وہ حبیب احمد کو پسند تھا، وہ کچھ اور بھی حبیب احمد کے رنگ میں رنگتی چلی گئی اس کے اپنے رنگ کچے تھے اس کے محبوب کے پکے جو وقت کے ساتھ اور بھی گہرے اور بھی شوخ ہوتے چلے گئے۔

صاحب ہیں رنگریز چنری موری رنگ ڈالی
سیاہی کے رنگ چھڑا کے مجھے دیا پریم کا رنگ
صاحب ہیں رنگریز ....

یہ وہ دن تھے جب باسل پیدا ہوا تھا سوہنی نے باسل کو تب جنم دیا جب وہ جذباتی بحران سے گزر رہی تھی اس کا اثر باسل پر نہ پڑا ہو کیسے ممکن تھا۔

حبیب احمد کی نظر میں سوہنی کے لئے ایک چچازاد اور بیوی ہونے کے احترام کے سوا کوئی دوسرا جذبہ نہ تھا، گاؤں آتا تو سوہنی کی خاموشی سے خوف آتا شہر میں نزہت کی نگاہیں الزام دیتی محسوس ہوتیں۔

جا رے جا سانوریا

سوتن سنگ رات بتائی
کاہے کرے جھوٹی بتیاں

عجیب سی صورتحال تھی وہ محبت اور فرض کے درمیان بٹ گیا تھا تین زندہ انسانوں کو دیمک لگنا شروع ہو گئی تھی ایسے میں باسل کا بچپن خراب نہ ہوتا کیسے ممکن تھا۔

☆☆☆

''مما...... مما!'' سارہ اس کے بیڈ کے پاس پچھلے ایک گھنٹے سے بیٹھی تھی اور اس ایک گھنٹے میں وہ دوسری مرتبہ ڈار سے بچھڑی ہوئی کونج کی طرح کرلایا تھا۔

''باسل!'' سارہ نے آہستگی سے اسے پکارا تو اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں، نیند کی وادی سے مکمل طور پر باہر آنے اور ماحول سے آگاہی کے بعد جب اسے خاکستری شلوار قمیض اور سرخی مائل بھورے دوپٹے میں ملبوس سارہ کی موجودگی کا اندازہ ہوا تو اس کی آنکھوں میں حیرت اُمڈ آئی۔

نرس نے کمرے کے پردے ہٹا دیئے تھے، مسلسل چھتیس گھنٹے ہونے والی بارش کے بعد نکلنے والے شرمائے شرمائے سے سورج کی کرنیں سفید کمرے کو سنہرا پن عطا کر رہی تھیں۔

''تمہیں یہاں آنے کی ضرورت نہیں تھی۔'' وہ نقاہت بھرے انداز میں بولا تھا جواباً سارہ خاموش ہو گئی تھی۔

''پھولوں کے لئے شکریہ۔'' ایک طرف رکھے سفید گلدستے پر نظر پڑتے ہی وہ بولا۔

''مرنے کے لئے سردیوں کی بارش میں بھیگنے کا طریقہ کافی بھونڈا تھا۔''

''تم سے کس نے کہا میں وہاں مرنے گیا تھا۔''

''قبرستان میں عزیز واقارب کی قبروں پر فاتحہ پڑھنے تو سبھی جاتے ہیں، مگر کچی زمین پر بیٹھنے والے کی، جبکہ وہ بیمار ہو اور جنوری کی بارش برس رہی ہو مرنے کے سوا کوئی اور خواہش میری سمجھ میں تو نہیں آتی۔''

اب کے بار خاموش ہونے کی باری باسل کی تھی، کمرے میں اتر آنے والی خاموشی عجیب سی تھی، سارہ نے ایک نظر اس پر ڈالی جو اپنے کپڑوں کی بجائے پرائیویٹ ہسپتال کے فراہم کردہ ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس تھا، کمرے میں ہیٹر آن تھا اس کے باوجود ایک نیلا کمبل باسل نے اوڑھ رکھا تھا، آج سے پہلے وہ ہمیشہ نفیس کپڑوں میں ملبوس سنورے بال اور زندگی سے بھرپور چہرہ لئے دکھا تھا مگر آج وہ بہت ہی مرجھایا ہوا سا لگ رہا تھا، تیز بارش میں اس کا اپنی ماں کے مرقد پر بیٹھا ہونا بلاوجہ تو نہیں ہوگا نا شاید اسے اپنی ماں یاد آ رہی ہوگی عام دنوں سے کچھ زیادہ۔

''شدت سے بڑی شدت سے......'' باسل کے بولنے پر وہ یوں چونکی جیسے اس نے سارہ کا دماغ پڑھ لیا ہو مگر اگلے ہی لفظوں نے اس کے خیال کی نفی کر دی تھی۔

''بڑی شدت سے بارش برسی تھی نا کل! ٹھنڈی بوندوں کی بوچھاڑ اس تپش اور تکلیف کو کم نہیں کر سکی جو میرے اندر اتنے عرصے سے زندہ ہے سانس لے رہی ہے ہر گزرتے لمحے کے ساتھ بڑھ رہی ہے، پھل پھول رہی ہے، اپنی جڑیں گہری سے گہری تر کر رہی ہے۔'' وہ بھرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''ماضی سے جڑا رہنا ہمیشہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔'' وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکی۔

''ماضی سے جڑا رہنا اختیاری نہیں ہوتا خاص طور پر تب جب ماضی نے آپ کی شخصیت کو تراشا ہو میں توقع نہیں رکھتا کہ تم اس بات کو سمجھو

گی میں کسی سے بھی کوئی توقع نہیں رکھتا۔" اس کا لہجہ حتمی تھا۔

"میں یہ نہیں کہتی کہ ماضی سے پیچھا چھڑانا آسان ہے، اب تک شاید ہی کوئی ایسا ہو جو ماضی جیسے عفریت سے خود کو آزاد کروا سکا ہو، مگر یہ ایسی چیز ہے اس سے جتنا بھاگو گے یہ اتنی شدومد سے پیچھے آئے گی، اس کے ساتھ سمجھوتہ کر لو اس کی نظروں میں نظریں ڈال کر کھڑے ہو جاؤ یہ ڈر کر سہم کر رہ جائے گا، اس عفریت کو جنگل کے وحشی جانور سے سرکس کا دم ہلاتا پالتو بنا لو تب ہی سکون سے رہ پاؤ گے، اسے تم ایک طرح سے میرا ذاتی تجربہ کہہ سکتے ہو۔" باسل کچھ نہ بولا، بس خاموشی سے سارہ کو دیکھتا رہا۔

"ان الفاظ کی مجھ سے امید نہیں تھی نا۔" اس کی مسکراہٹ جگمگائی تو باسل بھی ہلکا سا مسکرا دیا وہ ٹھیک کہہ رہی تھی وہ سارہ سے ان الفاظ کی امید واقعی نہیں کر رہا تھا وہ کچھ بدلی بدلی سی تھی باسل کو یہ بدلاؤ اچھا لگا تھا، دونوں کے درمیان در آنے والی خاموشی اب کے ذرا بھی تناؤ بھری نہیں تھی اس میں نرمی تھی مٹھاس بھی۔

دروازہ ناک ہوا تھا اور سفید لباس میں ملبوس نرس اندر آئی تھی جو باسل کا لنچ اور دوائیاں لے کر آئی تھی۔

دوا لینے کے بعد وہ غنودگی محسوس کرنے لگا تھا باسل نے جیسے ہی آنکھیں موندیں وہ وہاں سے اٹھ آئی۔

"بی بی یہ لیتے جایئے گا گھر۔" بابا فضل اسے انتظار گاہ میں ملے تھے، سارہ نے ان کے ہاتھ میں پکڑا شاپر تھام لیا تھا، وہ گاڑی خود ہی ڈرائیو کر کے آئی تھی جیسے یونیورسٹی جاتی تھی، گھر واپس آ کر اس نے شاپنگ بیگ میں موجود کپڑے لانڈری کے دیگر کپڑوں کے ساتھ رکھ دیئے پیچھے ایک نیلی ڈائری رہ گئی تھی جس کے اندر برسوں برستے والی بارش کی نمی ابھی تک موجود تھی باسل اس ڈائری کو قبرستان میں لے کر گیا ہو گا تبھی یہ گیلی ہوئی ہو گی، وہ اسے اپنے ساتھ کمرے میں لے آئی تھی۔

رات کا کھانا اس نے کمرے میں ہی منگوا لیا اتنے بڑے گھر میں اس کے علاوہ کوئی موجود نہ تھا لہٰذا سونیا اور اس کی بیٹی روزینہ اپنے کوارٹرز میں جانے کی بجائے نیچے کے کمرے میں سو رہی تھیں، تھوڑی دیر پڑھنے کے بعد وہ سونے کے لئے بستر پر آئی تو نگاہ نیلی ڈائری پر پڑی اسے اٹھا کر وہ بیڈ پر بیٹھ گئی ساری بتیاں گل تھیں سوائے لیمپ کے۔

پہلا صفحہ سادہ تھا، دوسرے پر دو الفاظ تحریر تھے۔

"سوہنی حبیب۔" تو یہ باسل کی نہیں اس کی ماں کی ڈائری تھی۔

"جی چاہتا ہے ایسی بستی میں گھر بناؤں جہاں خوبصورت سے جھکے جھکے بادل ہوں، بہت سے پھولوں کی خوشبو نے فضا کو مہکا رکھا ہو، رم جھم برستی بارش کے موتیوں نے زمین کو سجا دیا ہو اور ہوا میں معلق احساس...... احساس صرف محبت ہو۔" اسے یہ فقرے پڑھ کر ہی احساس ہوا تھا باسل کی ماں یقیناً محبت سے گندھی خاتون تھیں، وہ لوگوں کے اس قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں جو محبت کے نام پر اپنا سب کچھ گنوا دیتے ہیں اور ذرا ملال نہیں کرتے۔

وہ اگلا صفحہ پلٹنے ہی لگی تھی جب یہ احساس ہوا کہ یہ ایک غیر اخلاقی حرکت ہوتی، ڈائری سائیڈ ٹیبل کے دراز میں رکھ کر رہ فوراً کھڑی ہوئی اس گھر کے افراد کی کہانی اسے اداس کر دیتی تھی، ایک شخص جس نے دو خوبصورت اور پروقار

عورتوں کی محبت پائی تھی مگر ایک تیسرا بے حد قریبی رشتہ اکلوتا بیٹا روٹھا ہوا تھا، نزہت ہاشم جنہوں نے محبت پائی مگر اسے اپنی سوتن کے ساتھ تقسیم کیا۔

باسل حبیب ایک قانونی شرعی تعلق کی پیداوار جس میں شامل یکطرفہ محبت نے ماں کے دامن کو جھلسایا ہی تھا آنچ بیٹے تک بھی پہنچی تھی اور سوہنی حبیب جو پندرہ برس قبل مٹی تلے جا سوئی تھی اس گھر کے در و دیوار میں آج بھی سانس لیتی تھی۔

اس گھر کے افراد کی آپس میں رنجشیں نہ تھیں نہ ہی حسد و نفرت والی فضا تھی بس رویوں میں تناؤ تھا اور اس کے دل کی خواہش تھی کاش وہ اس تناؤ کو دور کرنے کے لئے کوئی کردار ادا کر پائے، اسے دو ہفتے قبل خالد سے ہونے والی گفتگو یاد آ گئی، وہ ہفتے کی ایک اور سرد رات تھی آتشدان میں روز کی طرح لکڑیاں جل رہی تھیں ہیٹرز کی بجائے حبیب احمد کو یہ روایتی انداز پسند تھا، لکڑیوں کی خوشبو چار سو پھیلی ہوئی تھی، سارہ کی گود میں کتاب بند پڑی تھی اس سے قبل دونوں یا تو کتاب پڑھ رہے ہوتے یا کسی موضوع پر گفتگو مگر آج دونوں کے درمیان خاموشی حائل تھی۔

''مجھے لگتا ہے سارہ میں اور باسل ساری زندگی اجنبیوں کی طرح گزار دیں گے اور پھر جب اجل مجھ کو آئے گی تو اس کے دل میں بھی ویسا ہی پچھتاوا پیدا ہو گا جیسے سوہنی کی موت کے بعد میرے دل میں ہوا تھا، مگر تب تک ازالہ کرنے کا وقت ختم ہو چکا ہو گا۔''

تو کیا یہ طے ہے کہ مر جائیں گے
تو ہی قدر پائیں گے

وہ گنگنائے تھے۔

سارہ کمرے کی کھڑکی کھول کے کھڑی ہو گئی اسے چاند دیکھنے کی خواہش تھی گول چمکتا چاندی کا ٹکڑا اسے ہمیشہ خوشی دیتا تھا مگر کہر کی دبیز چادر نے چاند کو اوجھل کر رکھا تھا وہ غائب نہیں ہوا تھا موجود تھا مگر اسے دیکھنے کے لئے دھند کو ہٹانے کی ضرورت تھی، سورج کو آنے کی ضرورت تھی، سارہ نے گھر پر چھائی دھند کے لئے سورج بننے کا فیصلہ کر لیا۔

☆☆☆

سارہ یونیورسٹی سے واپس لوٹی تو گھر میں آ کر اسے اداسی نے آ گھیرا، خالو اور خالہ کو گئے تھوڑے ہی دن ہوئے تھے مگر وہ انہیں بہت یاد کر رہی تھی باسل کو بھی ابھی بیمار ہوتا تھا ویسے اس کی خاص بنتی تو نہیں تھی باسل سے مگر پہلے کی نسبت اب وہ اسے خاصا معقول لگتا تھا، کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ سخت اور سرد مزاج شخص محض باپ کی ضرورتوں کا خیال رکھنے کی بجائے جذبات و احساسات کا رکھتا، دونوں اکٹھے ہوتے اور ان کے درمیان کافی کی تلخی کی بجائے چائے کی مٹھاس اور خوشبو بسی ہوتی وہ اپنے بچپن، لڑکپن اور جوانی کے قصے سنا رہے ہوتے اور باسل ان سے مزید اور مزید سننے کی تکرار کر رہا ہوتا دونوں اپنے پسندیدہ راک بینڈ بیٹلز کو ڈسکس کرتے ایک کو جان لینا پسند تھا تو دوسرے کے نزدیک پال میکارٹنی سے بڑھ کر کوئی نہ ہوتا۔

خالو کا جی چاہتا ہو گا کہ آتشدان کے آرام دہ نشستوں پر بیٹھ کر ان کا بیٹا بھی کبھی انہیں نسیم حجازی کا سفید جزیرہ یا مستنصر حسین تارڑ کی ہنزہ داستان سنائے اور خانہ بدوش پر بحث ہو، وہ جانتی تھی کہ خالو کو حسرت تھی ان کا بیٹا باسل آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ آپ نے دوا لے لی؟ آپ کی تھراپسٹ آئی تھی، جیسے سوالات پوچھنے کی بجائے حقیقی گفتگو کرے یہ سچ تھا انہوں نے باسل کی ماں سے ناانصافی کی تھی مگر وہ اتنی بڑی سزا کے

حقدار نہیں تھے کہ ساری زندگی سزا بھگتتے رہتے۔
سارہ سوچوں سے تب باہر آئی جب میز پر پڑے اس کے موبائل کی سکرین روشن ہوئی، سکرین پر کالر آئی ڈی کی جگہ پر مام لکھا دیکھ کر اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی کتنے دن ہو گئے تھے ان سے لمبی سی بات کیے ہوئے وہ خوشی خوشی ان سے حال دریافت کرنے لگی۔
''اگلے مہینے ہم پاکستان آ رہے ہیں۔''
''اتنی اچانک؟'' اسے خوشی کے ساتھ ساتھ حیرت ہوئی۔
''ضویا کے لئے ایک اچھا رشتہ آیا ہے لڑکا ایڈورٹائزنگ کمپنی کا مالک ہے تمہارے ابو کے دوست کا بھانجا ہے منگنی کے ساتھ نکاح کر دیں گے تاکہ دوبارہ ویسا کچھ نہ ہو جیسا پہلے ہوا ہے۔'' جواباً وہ چپ ہو گئی، اس کی چپ کی وجہ کا ادراک اس کی ماں کو ہوا تو اپنے منہ سے نکلنے والے الفاظ کے لئے جیسے پچھتانے لگیں۔
''میرا غلط مطلب نہیں تھا سارہ ایسا ہونا تھا اس میں تمہاری یا کسی اور کی غلطی نہیں ہے۔'' وہ جلدی سے بولیں۔
''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں امی۔'' وہ گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولی، ان سے تھوڑی دیر مزید گفتگو کرنے کے بعد وہ کمرے میں آ گئی آج وہ ہسپتال نہیں جا سکی تھی البتہ بابا فضل کو فون کر کے اس نے باسل کا حال دریافت کر لیا تھا اور انہوں نے سارہ کو بتایا تھا کہ اسے ہسپتال میں مزید دو تین روز رہنا پڑے گا، خود وہ پہلے روز سے واپس ہسپتال میں ٹکے ہوئے تھے حالانکہ اس کی ضرورت نہیں تھی سارہ نے بھی انہیں کہا تھا کہ وہ واپس آ کر ریسٹ کر لیں ان کی جگہ نذیر وہاں رہ لے گا مگر انہوں نے منع کر دیا تھا یہ فرض سے زیادہ ان کی باسل سے محبت تھی۔

اگلے روز وہ یونیورسٹی سے سیدھا ہسپتال آئی تھی اور پہلے روز کی طرح سفید گلدستہ میز اور دیوار کے ساتھ ٹکا کر رکھ رہی تھی جب نرمی سے کہا گیا۔
''تھینک یو۔'' اس کی سماعت سے ٹکرایا، باسل کو مسکراتا دیکھ کر اسے خوشگوار حیرت ہوئی تھی یہ رسمی مسکراہٹ نہیں تھی یہ وہ مسکراہٹ تھی جو ہونٹوں پر کھلتی ہے اور آنکھوں کو چھوتی ہے، اس لمحے وہ سارہ کو بہت اچھا لگا تھا کیا ہی اچھا ہوتا وہ ہمیشہ ایسے موڈ میں رہتا۔
''میں تمہارے لئے کچھ کتابیں اور میگزین لے کر آئی تھی۔'' سارہ نے پیکٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تو باسل نے تھام لیا۔
''شکریہ میں کل تک ڈسچارج ہو جاؤں گا مگر پھر بھی اس کی مجھے سخت ضرورت تھی۔''
''کل؟ مگر ڈاکٹرز کے مطابق تمہیں مزید دو تین روز ادھر رہنے کی ضرورت ہے۔'' وہ حیرت سے گویا ہوئی۔
''ویسے تمہیں کیسے پتہ چلا میری پسندیدہ کتابوں کا؟'' سارہ کی بات کا جواب دینے کی بجائے، وہ پیکٹ کھول کر حیرت سے بولا اس کے ہاتھ میں نسیم حجازی کی خاک اور خون تھی۔
''کیونکہ یہ کتابیں انکل حبیب کی بھی پسندیدہ ہیں اور اکثر باپ بیٹے کی پسند ایک سی ہوتی ہے، جیسے انہیں نیلا رنگ پسند ہے تمہیں بھی اور تمہارا پسندیدہ بینڈ بیٹلز ان کا بھی اور تمہیں بھی ان کی طرح کافی کی بجائے چائے پسند ہے۔''
''اور تمہیں یہ ساری باتیں کیسے معلوم ہیں؟'' وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔
''کچھ خالو کے توسط سے اور باقی مشاہدے کی طاقت سے۔'' وہ خوشدلی سے بولی، مگر باسل ذرا نہ مسکرایا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

''اوہ اب تم شاید سننا چاہتی ہو گی کہ میں تمہاری معلومات سے بہت متاثر ہوا ہوں مگر ایسا ہرگز نہیں ہے، نیز ایک بات واضح کر دوں۔'' باسل کی آواز مزید سخت ہوئی۔

''میں بالکل بھی تمہارے خالو حبیب جیسا نہیں ہوں ایک آدھ مماثلت کچھ بھی ظاہر نہیں کرتی کم از کم میں ان کی طرح کسی انسان کو زندہ درگور کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، میں ان جتنا باصلاحیت نہیں ہوں میں ان سے قطعی مختلف ہوں۔'' باسل کی آواز فقرے کے اختتام تک بھرا گئی تھی، کمرے میں چند لمحوں کے لئے خاموشی چھا گئی۔

''انہیں اس سب کا دکھ اور پچھتاوا ہے ان کی غلطی ہے کہ اپنی غلطیوں کا احساس انہیں تب ہوا جب ازالے کا وقت گزر چکا تھا، تم ان سے جرم کا اعتراف چاہتے ہو؟ انہیں ایک موقع دو وہ یہ بھی کر گزریں گے، انہوں نے ایک اچھے شوہر ہونے کا حق ادا نہیں کیا مگر وہ ایک اچھے باپ تو تھے، کیا تم ایک اچھا بیٹا نہیں بن سکتے؟''

''اور تم کون ہو ان کی کیا وکیل؟'' وہ تلخی سے بولا، سارہ کو دکھ ہوا مگر اس نے ظاہر نہ ہونے دیا۔

''تم میری ماں کے ساتھ ہونے والے سلوک کے متعلق کچھ نہیں جانتی لہٰذا تم اس معاملے میں کچھ مت کہو۔'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ قدرے نرمی سے گویا ہوا تھا جیسے احساس ہوا ہو کہ سارہ اس کے اس تلخ رویے کی مستحق نہ تھی۔

''تم صحیح کہہ رہے ہو میں ان کے متعلق کچھ زیادہ نہیں جانتی مگر جتنا جانتی ہوں اس سے یہ ضرور اندازہ لگا سکتی ہوں کہ اگر وہ یہاں ہوتیں تو اس صورتحال سے خوش نہیں ہوتیں، ان سے غلطیاں کوتاہیاں زیادتیاں جو بھی کہو تم سرزد ہوئی ہیں مگر باسل حبیب چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہوا کرتی ہے عمر قید نہیں۔''

''ہم اپنوں کو فار گرانٹڈ لیتے ہیں جب تک وہ زندہ ہوتے ہیں ہمارے آس پاس تب تک ان کی قدر نہیں کرتے پھر جب وہ کبھی واپس نہ آنے کے لئے دور چلے جاتے ہیں تب لاحق ہونے والے پچھتاوے کو بھاڑ میں جھونک دینا چاہیے۔''

''میں پاپا کا خیال رکھنے کی پوری کوشش کرتا ہوں۔'' وہ آہستگی سے بولا۔

''میں اتنا کہوں گی صرف کوشش مت کرو، حقیقت میں خیال رکھو۔'' سارہ کی بات کے جواب میں باسل خاموش ہو گیا تھا تیر نشانے پہ لگا تھا وہ اسے سوچنے کے لئے وقت دینا چاہتی تھی خیالات بدلنے میں بہرحال وقت لگتا ہے۔

''میں اب چلتی ہوں کل میری اسائنمنٹ جمع ہونی ہے جو کہ ابھی تیار کرنی ہے میں نے، اپنا خیال رکھنا خدا حافظ۔'' وہ بینڈ بیگ اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''خدا حافظ۔'' سارہ کو کمرے سے نکلتے ہوئے باسل کی ہلکی سی آواز سنائی دی تھی۔

رات کو نزہت خالہ کا فون آیا تھا وہ کافی خوش محسوس ہوتی تھیں، خالو نے فون پر اس سے باسل کے متعلق پوچھا تھا اور وہ انہیں بتاتی بتاتی چپ کر گئی تھی کیونکہ اسے بابا فضل کے ساتھ ساتھ باسل نے بھی منع کیا تھا کیونکہ وہ پریشان ہو جاتے، وہ سوچتے سوچتے رکی تھی باسل اپنی بیماری کا بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ ان کی پرواہ کرتا تھا۔

''میں نے کیسے سوچ لیا وہ اچھا بیٹا نہیں ہے۔'' سارہ نے دل میں سوچا۔

☆☆☆

دو دن مزید ہسپتال میں گزارنے کے بعد وہ ڈسچارج ہو کر گھر آ گیا تھا اسے تندرست دیکھ کر سارہ کو واقعی خوشی ہوئی تھی وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر بیٹھا دراز سے کچھ نکال رہا تھا جب وہ دستک دے کر اندر داخل ہوئی، سردی کا زور ویسا ہی تھا مگر کمرے میں ہیٹر آن ہونے کی وجہ سے حدت تھی جو نہایت خوشگوار محسوس ہو رہی تھی، باسل کا کمرہ اس گھر کی سب سے صاف شفاف جگہ تھی غیر ضروری فرنیچر سے پاک دیواروں پر بھی ایک پورٹریٹ کے سوا کچھ نہ تھا۔

''میں یہ دینے آئی تھی۔'' وہ نیلی ڈائری باسل کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی تو اس کے چہرے پر تشکیک آمیز تاثرات آ گئے۔

''فکر مت کرو میں نے اسے نہیں پڑھا۔''

''مجھے ایسی کوئی فکر لاحق نہیں لیکن یہ تمہیں ملی کہاں سے؟''

''فضل بابا نے دی تھی اس روز جب تم ہسپتال میں تھے۔''

''ہوں۔''

''ویسے کب واپس آ رہے ہیں پاپا اور آنٹی نزہت۔'' وہ جانے کے لئے واپس مڑنے لگی تو باسل نے پوچھا۔

''معلوم نہیں تم فون کر کے خود کیوں نہیں پوچھ لیتے۔'' سارہ تنگ کرنے کے سے انداز میں بولی تو وہ اس کی پشت کو گھور کر رہ گیا۔

پچھلے دو روز میں اس نے سارہ سے ہونے والی گفتگو کو کئی مرتبہ اپنے دماغ میں دوہرایا تھا اور پھر حقیقت پسندانہ انداز سے اپنے اور حبیب احمد کے تعلق کو جانچا تھا وہ واقعی ویسا نہیں تھا جیسا ہونا چاہیے تھا اور سوتنی حبیب جتنی محبت اس کے باپ سے کرتی تھی واقعی یہاں ہوتی تو باسل کے حبیب احمد سے روا سلوک پر ناخوش ہوتی، باسل انجانے میں اپنے باپ کو سزا دے رہا تھا اس شخص کو جو پہلے ہی پچھتاوے کی آگ میں جھلس رہا تھا، باسل نے نیلی ڈائری کے آخری صفحات کھول لئے۔

''آج مجھے خود میں توانائی سی محسوس ہو رہی ہے رات کو نیند بھی اچھی آئی، صبح اٹھی تو طبیعت ہشاش بشاش تھی حبیب احمد گاؤں میں نہیں ہے پھر بھی سنگھار کرنے کو جی چاہا ریشم نے چوٹی میں پھول گوندھے ہیں میں نے آنکھوں میں کاجل لگا کر لبوں پر سرخی سجائی ہے، الماری میں موجود بسنتی جوڑا زیب تن کیا ہے، سب خوش ہیں کہ میں اتنا بیمار رہنے کے بعد بالآخر تندرستی کی طرف مائل ہوں مگر مجھے معلوم ہے شمع بجھنے سے قبل بھڑکتی ضرور ہے مجھے مرنے کا خوف نہیں فکر صرف باسل کی ہے وہ ابھی بہت چھوٹا ہے۔''

''اس روز حبیب احمد کا نزہت کے فون آنے پر شہر کی جانب بھاگنے کا عمل بھی آنکھوں پر پڑے بہت سے پردے اتار گیا، میری طبیعت اس قدر خراب نہ ہوتی تو میں ہمیشہ کی طرح اسے نہ روکتی حویلی کا کوئی اور فرد یہاں ہوتا تو بھی اسے جانے دیتی مگر...... ڈیلیوری کسی بھی وقت متوقع تھی۔''

''میں گاڑی کے پیچھے بھاگی تھی مگر حبیب احمد نے گاڑی نہیں روکی تھی اور وہی ہوا جس کا ڈر تھا اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے متلی ہوئی تو میں تیزی سے غسل خانے کی طرف بھاگی اور راستے میں ہی پاؤں رپٹ گیا صرف حویلی کا سناٹا تھا جو ان تکلیف دہ لمحوں میں میرے ساتھ تھا اور میں اسی رات مر چکی ہوتی گر ریشم مجھے نہ دیکھ لیتی۔''

''باسل کے آٹھ سال بعد ہونے والا بچہ اس دنیا میں آنے سے قبل ہی رخصت ہو گیا، میں

غمگین ہوں بہت زیادہ مگر یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ بچہ حبیب احمد کا بھی اتنا ہی تھا جتنا میرا اسے بھی میری طرح ہی دکھ ہوا ہوگا، میں حبیب احمد سے محبت کے ناطے یہ بھی جانتی ہوں کہ اگر دوبارہ اسے یہ موقع ملے ایسی ہی ایک رات اور آئے جب وہ یہاں ہو اور رات نو بجے نزہت اسے فون پر بلائے تو پھر بھی وہ نزہت کو ہی منتخب کرے گا۔''

''میں حبیب احمد کے انتخاب پر ناراض ہو سکتی ہوں، خفا ہو سکتی ہوں نہ چلا سکتی ہوں کیونکہ میں جانتی ہوں اگر انتخاب کا ایک موقع مجھے دیا جائے یا ایک ہزار موقعے میں ہر مرتبہ حبیب احمد کو ہی چنوں گی پھر میں اس کے نزہت کو چننے پر اعتراض کیوں کروں اسے بھی تو میری ہی طرح محبت کا روگ لاحق ہے۔''

''اور محبت کے لئے میں تمہیں معاف کرتی ہوں آج بھی کل بھی اور ہمیشہ۔''

صفحے پر چودہ اپریل تاریخ درج تھی اکیس اپریل کو اس کی ماں کی موت واقع ہوگئی تھی۔

باسل کا دل غم سے پھٹنے لگا ڈائری اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر بیڈ پر جا گری تھی اور وہ خود بیڈ پر بے سدھ سے انداز میں لیٹا تھا اپنے اندر اسے اتنی سی ہمت بھی محسوس نہ ہو رہی تھی کہ ہاتھ بڑھا کر لیمپ بجھا دیتا۔

آج کیا کہیئے کہ ایسا کیوں ہے؟
شام چپ چاپ فضا نخ بستہ
دل میرا کہ سمندر کی طرح زندہ تھا
آج اتنا تنہا کیوں ہے؟
دل کے ہمراہ بدن ٹوٹ رہا ہو جیسے
روح سے رشتہ جان چھوٹ رہا ہو جیسے
آ کہ تو چشمہ آواز بھی ہے
حاصل نغمگی ساز بھی ہے
لب کشا ہو!
لب کشا ہو کہ سر شام فگار
اس سے پہلے کہ شکستہ دل میں
بدگمانی کی کوئی تیز کرن چبھ جائے
اس سے پہلے کہ چراغ وعدہ یکا یک بجھ جائے
لب کشا ہو کہ فضا میں پھر سے
جلتے لفظوں کے دہکتے جگنو
ٹھہر جائیں تو سکوت شب عریاں ٹوٹے
لب کشا ہو کہ
میری نس نس میں زہر بھر دے نا کہیں
وقت کی زخم فردشی پھر سے
لب کشا ہو کہ مجھے ڈس لے گی خود فراموشی پھر سے
میرے کمرے میں اتر آئی خاموشی پھر سے

پانی کا ایک قطرہ اس کی آنکھوں سے نکل کر تکیے میں جذب ہوگیا۔

''اور محبت کے لئے میں بھی آپ کو معاف کرتا ہوں حبیب احمد، اس محبت کے لئے جو سوہنی جیب نے آپ سے کی اس محبت کے لئے جو میں آپ سے کرتا ہوں۔''

☆☆☆

اگلے روز طوفان کے بعد اطمینان کے سے انداز میں گزرے تھے نزہت حبیب اور حبیب احمد عمرہ سے فرحاں وشاداں لوٹے خالو جانے کی نسبت آکر خوش وخرم اور مطمئن دکھائی دیتے تھے یہ یقیناً پاک سرزمین سے ملنے والے فیوض و برکات کا اثر تھا، عمرہ خدائی دعوت ہوتا ہے اور اس سے بڑھ کے خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی ہے کہ کہ خدا اپنے گھر کی زیارت کے لئے بلائے اور انسان سارے دنیاوی کام چھوڑ کر بھاگا چلا جائے۔

''میں نے یہاں آ کر باسل میں ایک تبدیلی محسوس کی ہے اس کے رویے میں گرمجوشی آ گئی ہے وہ پہلے سا رسمی انداز مختصر گفتگو ختم ہو گئی

ہے کل وہ اتنی دیر میرے پاس بیٹھا رہا کہ مجھے خود حیرت ہونے لگی کہ اسے آفس کا کوئی کام نہیں۔" خوشی خالو کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی سارہ ان کی بات پر مسکرا دی۔

"میں نے بیت اللہ کو دیکھتے ہی دعا کی تھی کہ مجھے میرا بیٹا معاف کر دے ان زیادتیوں کے لئے جو میں نے اس کی ماں سے کیں، خدا نے میری دعا قبول کر لی سارہ۔"

"وہ آپ کا بیٹا ہے اس کی ناراضگی ختم ہوتی تو لوٹ کر اسے آپ کے پاس ہی آنا تھا۔"

اس گفتگو کے اگلے ہی روز وہ آتشدان کے پاس اکیلی بیٹھی کتاب پڑھنے میں مصروف تھی خالو جلدی سونے کے لئے اپنے کمرے میں چلے گئے تھے کیونکہ ہسپتال سے چیک اپ کرانے کے بعد وہ خاصے تھک گئے تھے، سارہ بانو قدسیہ کی راجا گدھ پڑھنے میں منہمک تھی جب اس کے قریب موجود نشست پر باسل آ کر بیٹھا تھا۔

"میں تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا۔"

"کس لئے؟"

"ہسپتال میں کی جانے والی اس روز کی گفتگو کے لئے، میرے اور پاپا کے درمیان ایک شیشہ حائل تھا جس پر پڑنے والی اوس نے ہمارے رشتے اور تعلق کو دھندلا دیا تھا، تمہارے لفظوں نے اس اوس کو ہٹایا تو مجھے اس محبت کا صحیح اندازہ ہو سکا، جو میں پاپا سے کرتا ہوں پھر وہ حائل شیشہ توڑنا اتنا مشکل ثابت نہیں ہوا۔" وہ آگ کی طرز دیکھتے ہوئے دھیرے سے بولا، سنہری روشنی میں اس کا چہرہ بہت خوبصورت تاثر دے رہا تھا سارہ نے نظریں ہٹائیں۔

"میں بھی خالو کو خوشی دینے اور اس تناؤ کو ختم کرنے کے لئے تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔" جواباً وہ مسکرا دیا۔

☆☆☆

اسے لگتا تھا ضویا سے ملنا اس کا سامنا کرنا مشکل ہوگا وہ کیسے اس کے سامنے جا سکتی تھی جس کو لگتا تھا کہ سارہ نے اس کی محبت چھینی ہے، ضویا کے ساتھ ارحم نے جو کیا تھا اس کے لئے وہ خود کو دوش دینا بہت عرصہ قبل چھوڑ چکی تھی جب اس نے کچھ کیا نہیں تھا تو ڈر کیسا شرمندگی کیسی۔

پاکستان آنے پر ضویا سارہ سے سرد مہری سے ملی تھی، امی ابو البتہ ایسے ملے تھے جیسے دس ماہ نہیں دس سال دور رہے ہوں زوار بھائی اور بھابھی نے دو دن بعد آنا تھا، جب وہ امی ابو اور ضویا اپنے گھر میں جا رہے تھے تو خالو اور خالہ یوں اداس ہو رہے تھے جیسے بیٹی کو رخصت کر رہے ہوں۔

"تین ہفتوں کی تو بات ہے خالہ میں پھر یہیں ہوں گی۔" وہ لاڈ سے ان کے گلے لگتے ہوئے بولی تھی۔

گھر پہنچ کر مانوس سا احساس ہوا تھا ان درو دیوار کو اس نے پچھلے دس ماہ بہت یاد کیا تھا، خالہ کے گھر میں اسے کسی قسم کی کوئی تنگی یا تکلیف تو نہیں تھی مگر پھر بھی وہ اس کا گھر نہیں تھا۔

تین روز قبل یہاں کی صفائی کے لئے خالہ نے ملازم بھجوائے تھے لہٰذا کافی صاف ستھرا لگ رہا تھا بس ہلکی سی جھاڑ پونچھ کی ضرورت تھی، کچن میں موجود فریج اور کیبنٹ اشیائے خورد و نوش سے خالی تھے۔

"ایسا کرتے ہیں لسٹ بناتے ہیں اور جو جو گراسری کی اشیاء چاہئیں میں مارکیٹ جا کر لے آتی ہوں آپ اور ابو ریسٹ کریں۔"

"ایسا کرو پھر ضویا کو ساتھ لے جاؤ کمپنی بھی رہے گی اور ضویا گھر کی بند فضا میں قید ہونے سے بھی بچ جائے گی ویسے بھی اسے تمہاری امی کے

ساتھ جا کر خریداری کرنے کا تجربہ ہے۔" سارہ نے ابو کی بات پر تھوک نگلا تھا خوشگوار یہ ضویا کے لئے بھی نہیں تھا مگر انکار کرنے کی جرأت دونوں میں نہیں تھی۔

راستے میں سارہ نے اس سے بات کرنے کی کوشش کی مگر ہوں ہاں کے سوا کوئی جواب نہ ملا ضویا کے تاثرات سنجیدہ مگر آنکھوں میں بدگمانی اور سختی تھی مارٹ کے اندر جا کر ضویا نے پرس سے لسٹ نکالی اور دونوں ٹرالی کے اندر چیزیں رکھتی جاتیں اور لسٹ پر لی جانے والی چیزوں پر ٹک کا نشان لگا دیتیں، تمام چیزیں خریدنے میں پینتالیس منٹ لگ گئے تھے۔

"سارہ!" گھر واپس پہنچ کر وہ گاڑی سے نکلنے ہی لگی تھی جب ضویا کی آواز اس کے کان سے ٹکرائی تھی۔

"میرے معاملات سے دور رہنا۔" پانچ تکلیف دہ الفاظ بول کر وہ گاڑی سے اتر چکی تھی۔

☆☆☆

اگلے چار روز ہنگاموں سے ویسے ہی عبارت تھے جیسے کہ کسی بھی ایسے گھر میں ہو سکتے ہیں جس میں ایک درمیانے درجے کے فنکشن کی تیاریاں ہو رہی ہوں، ضویا نے اسے اپنے معاملات سے دور رہنے کو کہا تھا، وہ حتی المقدور اس کی خواہش پوری کر رہی تھی مگر گھر کے ایسے بہت سے کام تھے اور شاپنگ تھی جس میں اس کا ہونا ناگزیر تھا، زوار بھائی اور شہلا بھابھی کے آ جانے کے بعد یہ مسئلہ بھی کافی حد تک حل ہو گیا۔

نکاح سے دو روز قبل صہیب کے گھر والے نکاح کا جوڑا اور دیگر اشیاء دینے آئے، ہلکے سرمئی اور سلور رنگ کے فراک کے ساتھ سلور رنگ کا ہائی ہیل جوتا، نکاح کا جوڑا عام جوڑوں سے مختلف مگر بے حد خوبصورت تھا۔

"ضویا تمہارا جوڑا بہت پیارا ہے خوب جچے گا۔" سارہ اتنے دنوں میں پہلی مرتبہ اس کے کمرے میں آئی تھی اس کے جوڑے کو دیکھنے کے بعد وہ اپنی خوشی چھپائے بنا بولی تھی اس کے الفاظ کا خلوص اس کے حلق میں ہی اٹک جاتا اگر وہ ضویا کے ماتھے پر ابھرنے والی تیوری اور چہرے پر اُمڈ نے والی سختی دیکھ لیتی۔

"میں نے تم سے بولا تھا میرے معاملات سے دور رہنا اور تم میرے کمرے میں پہنچ گئی ہو، میں کہتے کہتے تھک چکی ہوں مگر تمہارے ڈھیٹ پن میں کوئی فرق نہیں آیا۔" ضویا تنفر سے بولی چند لمحے کے لئے سارہ بھی چپ ہو کر رہ گئی یہ اسی کی بہن تھی نا۔

"جو کچھ ہوا اس میں میری......"

"ہاں ہاں تمہاری غلطی نہیں تھی میں سن سن کر تھک گئی ہوں لیکن اب کیا ہی اچھا ہو اگر تم میری جان چھوڑ دو اور میرے معاملات سے دور رہو، میں تمہارے اس فقرے سے تنگ آ گئی ہوں کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ میں تم سے ہی تنگ آ چکی ہوں، تمہیں معلوم ہے میں امی ابو کے ساتھ کینیڈا تھی تو تمہاری غیر موجودگی میرے لئے سکون کا باعث تھی، ایسے جیسے کوئی بہت بڑا بوجھ سے سر ہٹ گیا ہو۔"

ضویا کو شاید خود معلوم نہیں تھا وہ کیا کہہ رہی ہے مگر سارہ کو بے حد تکلیف ہوئی تھی یکدم اس کا جی چاہا وہ اس کمرے سے دور بھاگ جائے حتیٰ کہ اس گھر سے بھی مگر یہاں صرف ضویا ہی تو نہیں تھی اس کے اور بے حد پیارے لوگ بھی تو تھے، احساس غم سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے لاؤنج میں بیٹھے امی ابو، خالہ خالو اور زوار بھائی شہلا بھابھی وغیرہ سے نظریں بچا کر وہ لان

کی سرد فضا میں نکل آئی کرسی پر بیٹھتے ہی اس نے پاؤں اوپر کر لئے اور گھٹنوں میں سر دے کر سسکنے لگی، اس یوں روتے ہوئے چند منٹ ہی ہوئے ہونگے جب اس کے سامنے والی کرسی پر کوئی آ کے بیٹھا۔

سارہ نے سر اٹھا کر دیکھا وہ باسل تھا، اسے سخت قسم کے غصے نے گھیر لیا کیا یہ ضروری تھا کہ ہر دفعہ جب وہ کوئی نہ کوئی احمقانہ حرکت کر رہی ہوتی تو سات بلین افراد جو اس سیارہ زمین پر موجود تھے ان میں سے یہ ایک چھ فٹ کا ہینڈسم مگر تاک تاک کر وار کرنے اور اگلے شخص کو چاروں شانے چت کرنے کی صلاحیت رکھنے والا شخص ہی اسے شرمندہ کرنے کے لئے آ کھڑا ہوتا، وہ رونا بھول کے خاموشی سے باسل کو دیکھنے گئی۔

''تمہیں رونا بند نہیں کرنا چاہیے۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''ایسے کیوں دیکھ رہی ہو یہ کوئی Reverse psycology نہیں ہے یہ صرف سائیکلوجی ہے رونے کے بعد انسان بہتر محسوس کرتا ہے۔''

''ہاں مگر رونا کمزوری کی نشانی ہے۔''

''نہیں رونا انسان ہونے کی نشانی ہے، رونے کا مطلب ہے آپ کے اندر جذبات ہیں اور جذبات نہ ہونے سے ہونا بہتر ہوتا ہے۔''

سارہ حیرت سے باسل کو دیکھ رہی تھی۔

''یہ باسل ہی تھا نا۔''

''اب مجھے اپنے رونے کی وجہ بتاؤ۔''

''کوئی خاص وجہ نہیں ہے۔''

''مجھے عام وجہ سننے میں بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔''

''تین سال قبل ضویا کی منگنی اس کے کلاس فیلو ارحم سے ہوئی تھی دونوں کی پسند سے مگر ضویا اسے حد سے زیادہ چاہتی تھی سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا ارحم ہمارے گھر آتا ضویا اور وہ اکٹھے گھومنے پھرنے یا کھانے پینے چلے جاتے امی ابو کو بھی کوئی اعتراض نہ تھا پھر ارحم کا زاویہ نظر بدلہ یا تم اسے دماغ کی خرابی کہہ لو، اس نے اپنے والدین سے کہا کہ وہ ضویا کی بجائے مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے اور نہلے پہ دہلا یہ ہوا کہ اس کے امی ابو یہ بات میرے امی ابو سے کرنے آ گئے۔'' سارہ نے گہری سانس کھینچی۔

''پھر ضویا کی منگنی ختم ہوگئی مگر ضویا کو لگتا ہے اس سب میں میرا عمل دخل ہے میری رضا مندی نہ ہوتی تو اسے اور اس کے والدین کو یہاں رشتہ لے کر آنے کی ہمت ہوتی، وہ یہی کہتی ہے اور اس بات کا میرے پاس جواب نہیں ہے۔'' وہ سب کچھ بتا کر خاموشی سے باسل کو دیکھنے لگی۔

''مجھے تم پر یقین ہے تم نے کچھ نہیں کیا بلکہ تم اپنی بہن کے ساتھ کبھی غلط کر ہی نہیں سکتی۔'' باسل کے الفاظ کے یقین پر خود سارہ کو حیرت ہونے لگی ایک طرف اس کی بہن تھی جسے اس کی بجائے ارحم پر اعتبار تھا جو اس کے اعتماد اور محبت کی دھجیاں اڑانے کا سبب بنا تھا اور دوسری طرف باسل تھا جس نے دس ماہ کے قلیل عرصے میں ہی جان لیا تھا وہ اپنی بہن کا دل دکھانے کی طاقت نہیں رکھتی۔

''یقین کرو جلد ہی اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا۔''

''اس واقعے کو ہوئے لگ بھگ ایک برس تو بیت ہی گیا ہے جانے کب ہو گا اسے احساس۔'' ایک اور آنسو نرگس کے پھول سے ٹپکا تھا۔

''بہت جلد۔'' باسل آہستگی سے بولا، ٹشو کا ڈبہ اس کی طرف بڑھا دیا۔

☆☆☆

تمام لوگ ہال میں جانے کے لئے تیار ہو رہے تھے اور ضویا کو بیوٹی سیلون جانے کی فکر لاحق تھی تین بجے سہ پہر اس کی اپائنٹ منٹ تھی اور وقت ڈھائی کا ہو چکا تھا۔

"میں لے جاتا ہوں واپسی پہ بھی میں ہی پک کرلوں گا۔" باسل نے آفر کی تو ضویا نے مسرت بھرے انداز میں سر ہلا دیا جبکہ سارہ کو حیرت نے آ گھیرا، ان دنوں باسل اسے تعجب سے مارنے پر تلا ہوا تھا، ضویا اپنا سامان لے کر باسل کے ساتھ گاڑی میں روانہ ہوئی تو اطمینان کا سانس لیا۔

"تھینکس۔" ضویا، باسل کی طرف دیکھتے ہوئے بولی تو وہ محض مسکرا دیا۔

"مجھے سارہ کے متعلق تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" وہ بولا تو ضویا کے مسکراتے لب سکڑے اور آنکھوں میں سرد سا تاثر ابھر آیا یہ شاید باسل کا لحاظ تھا کہ وہ پھٹ نہیں پڑی تھی بس خاموشی سے ونڈ سکرین کے پار بھاگتی دوڑتی زندگی کو دیکھنے لگی تھی۔

"اگر میرا کوئی بھائی ہوتا اور ہمارے درمیان کوئی چپقلش ہوتی تو اسے مجرم ٹھہرانے سے قبل میں یہ ضرور سوچتا کہ میرا اور اس کا کتنے برسوں کا ساتھ ہے کیا کبھی اس سے قبل اس نے مجھے تکلیف پہنچانے کی کوشش کی، میری پیٹھ میں چھرا گھونپا میں اس پر بطور بھائی کے اعتبار نہ بھی کروں بطور انسان اس کی فطرت کو جانچوں گا اتنے سال ساتھ گزارنے کے بعد اس قدر قابل تو ہوں گا کہ اپنے بھائی کے متعلق سمجھ سکوں کہ وہ فطرتاً کیسا ہے۔" ضویا نے جواباً ایک لفظ نہیں کہا تھا مگر اس کے تنے ہوئے نقوش کسی قدر ڈھیلے ضرور پڑے تھے۔

"کیا میرا بھائی اتنا بے حس اور خود غرض ہو سکتا ہے کہ اپنی خوشیوں کی خاطر میری خوشی قربان کر دے اور اگر میں اتنا جانچنے کی صلاحیت بھی نہ رکھتا ہوتا تو اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھتا کیا اس نے میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی چھیننے کی کوشش کی ہے اور اگر وہ نظریں چرائے بغیر نہیں بولتا تو میں ایک لمحے کے لیے بھی اس کے جواب پر شک نہیں کرتا۔" ضویا نے سر جھکا لیا یہ اعتراف تھا اپنی غلطی کا تھوڑی دیر بعد اس نے سر اٹھا کر باسل کی طرف دیکھا تو باسل کو اس کی نظروں میں ندامت آنسو بن کر چمکتی دکھائی دی اور یہ احساس بھی کہ وہ اپنی کوتاہی کا ازالہ کرے گی۔

باسل نے اطمینان بھرا سانس لیا تھا دونوں کے درمیان مزید کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی، دو گھنٹے بعد باسل نے دوبارہ اسے سیلون سے پک کر کے گھر پر چھوڑا تو ضویا کی نظروں نے سب سے پہلے سارہ کو تلاشا تھا اور چند لمحوں بعد ہی اس کی نظر سارہ پر پڑ گئی تھی سفید اور سلور فراک پہنے ریشمی باریک سرخ دوپٹہ سر پر نزاکت سے ٹکائے سیدھے ریشمی بھورے بال بائیں جانب آگے کو ڈالے وہ بہت پیاری لگ رہی تھی حسین اور معصوم ضویا کے ذہن میں باسل کے الفاظ آئے، کیا اس کی یہ بہن جس کے ساتھ ضویا نے بچپن سے لے کر اب تک شرارتوں، محبتوں اور بہناپے کے حسین رشتے کی مٹھاس سے بھرپور وقت گزارا تھا اس کی خوشی چھین سکتی تھی اس کے دل نے نفی میں جواب دیا تھا ندامت کی تیز اونچی لہر نے اس کے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیا آنکھوں سے آنسو چھلکنے کے لیے بے تاب ہو گئے، نکاح ہو گیا تو سب ضویا اور صہیب کے ساتھ تصویریں بنوانے کے لیے اسٹیج پر جانے لگے، سارہ البتہ ایسا کرنے سے باز رہی آخر ضویا نے اسے خود سے دور رہنے کو جو کہا تھا، مگر شہلا بھابھی نے اسے بالآخر کھینچ ہی لیا قدم گھسیٹتے ہوئے وہ ضویا کے ساتھ صوفے پر آ کر براجمان ہوئی تو دل دھک دھک کرنے لگا تقریب ختم ہوتے ہی اسے ضویا سے مزید ڈانٹ ڈپٹ کی امید تھی، فوٹوگرافس بن رہی تھیں اس نے اپنے چہرے پر زبردستی مسکراہٹ سجانے کی کوشش کی ذرا سے ہونٹ پھیلائے اور کھٹاک کھٹاک تصویریں بنوائیں ابھی اٹھنے کا وہ ارادہ کر ہی رہی تھی جب ضویا کے دائیں ہاتھ نے سارہ کا بایاں ہاتھ پکڑ لیا۔

"آئی ایم سوری سارو۔" سارہ کو لگا اسے سننے میں غلط فہمی ہے مگر ضویا کی آنکھوں میں بھی اسے نفرت کی بجائے نرمی اور شرمندگی نظر آئی، جواباً سارہ نے بھی اسے ہاتھ کی نرمی سے دباتے ہوئے چھوڑ دیا تھا، نجانے کون سی کراماتی بارش ضویا کے دل پر برسی تھی کہ ساری کدورتیں دھل گئی تھیں وہ کراماتی بارش اسے کچھ فاصلے کی دوری پر نظر آ گئی اپنی طرف دیکھتے پا کر باسل بھی مسکرایا تھا اگر عام دنوں میں اس کا دل دوڑتا تھا تو اس وقت فراٹے بھر رہا تھا اس کی نظریں فوراً ہی جھک گئی تھیں۔

تقریب کے اختتام پر وہ گھر لوٹے تو سب سے پہلے اس نے باسل سے بات کرنے کا موقع تلاشا تھا اس قدر تو اسے معلوم ہو ہی گیا تھا کہ باسل کی ضویا کو سیلون لے کر جانے کی آفر بے وجہ نہیں تھی مگر وہ حیران تھی اس نے ایسا کیا ضویا سے کہا تھا کہ وہ بدگمانی جو پچھلے تین سو پچاسی دنوں سے دونوں کے درمیان میں موجود تھی وہ اتنی جلدی دور ہو گئی تھی، کہیں اس نے ضویا کو سارہ کی خودکشی کی ناکام کوشش کے متعلق تو نہیں بتا دیا تھا وہ لب کاٹتے ہوئے سوچ رہی تھی، تبھی باسل

لاؤنج میں بیٹھے افراد کے ہجوم سے بیرونی دروازے کی طرف جاتا دکھائی دیا، سارہ بھی چپکے سے اس کے پیچھے بھاگی لاؤنج کے دروازے سے جیسے ہی وہ باہر آئی باسل اسے ستون کے پاس کھڑا دکھائی دیا۔

”میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی۔“ وہ قریب آکر بولی تو باسل مسکراتا ہوا مڑا۔

”اس کی ضرورت نہیں تھی۔“ اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی بڑی مشکل سے اس نے سارہ کے چہرے کا طواف کرتی نظروں کو مزید بھٹکنے سے بچایا۔

”اور میں نے اس بارے میں ضویا کو کچھ نہیں بتایا اگر تم فکر مند ہوتو۔“ سارہ جان گئی تھی وہ کس کے بارے میں بات کررہا ہے باسل کی قدر اس کے دل میں مزید بڑھ گئی تھی ہر کوئی راز چھپانے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

”میں دوبارہ شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔“

”اور میں دوبارہ کہنا چاہتا ہوں اس کی ضرورت نہیں ہے۔“

”شکر ہے ضویا نے یہ مانا کہ قصور میرا نہیں تھا۔“ وہ خود کلامی کے سے انداز میں گویا ہوئی۔

”قصور کسی کا نہیں ہوتا قصور اعتدال میں نہ رہنے کا ہوتا ہے محبت اور نفرت دونوں میں انتہا خرابی پر منتج ہوتی ہے، میری ماں کی محبت نے کسی دوسرے کو نہیں ان کے اپنے وجود کو راکھ کر ڈالا۔“

”اور ضویا کی ارحم سے محبت نے اسے اس نہج پر پہنچا دیا کہ اسے ارحم کی غلطی پورے معاملے میں کہیں نظر نہیں آئی اور وہ صرف تمہیں الزام دینے میں بضد رہی۔“

”تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ضویا صرف ارحم سے ہی محبت کرتی تھی مجھ سے نہیں۔“ سارہ تشکیک آمیز انداز میں بولی تو باسل ہنس دیا۔

”نہیں سارہ ہم ویسے ہی اپنے خونی رشتوں کی قدر نہ کرنے کے عادی ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا ہم ان سے محبت نہیں کرتے ہوتے ہمیں بس پتہ ہوتا ہے کہ ہم سے لاکھ جھگڑیں، خفا ہوں، دور جائیں لوٹ کر انہیں ہمارے پاس ہی آنا ہوتا ہے، رشتوں اور محبتوں میں اعتدال نہ ہوتو گھاٹا کسی نہ کسی کو سہنا ہی پڑتا ہے۔“ باسل کی بات سارہ کے دل کو لگی تھی۔

”اب محبت کی بات چل نکلی ہے تو میں بھی تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔“ باسل کا لہجہ بدلا تو سارہ کا دل زور سے دھڑکا اور دھڑک کے جیسے تھم گیا۔

”میں کہنا چاہتا ہوں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔“ وہ بولتے ہوئے ہنس دیا، سارہ کو بھی شرارت سوجھی۔

”کیا تم کہنا چاہتے ہو کہ تم مجھ سے پاگلوں کی طرح محبت کرتے ہو؟“ وہ مسکرا کر بولی اور پھر جھینپ کر لب دانتوں میں داب لیا۔

”نہیں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں تم سے دانشمندوں کی طرح محبت کرتا ہوں۔“ اب کی بار دونوں ہنس دیئے، سارہ چاہت بھرے انداز میں سامنے کھڑے رنگریز کو دیکھ رہی تھی جو اس کی چنری کو الفت کے حسین رنگوں میں رنگنے والا تھا۔

☆☆☆

''خیریت! آپ نے مجھے یہاں کیوں بلایا؟'' اس کے ساتھ سنگی بینچ پر بیٹھتے ہوئے بولی تھی، خزاں کا موسم تھا درختوں کے زرد پتے پورے پارک میں بکھرے ہوئے تھے سارا ماحول زرد زرد تھا۔

''میں آپ سے آپ کے متعلق بات کرنا چاہتا تھا پیا!'' وہ پراعتماد انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھتے بولا تو پیا نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''میرے متعلق، آخر کیا بات کرنی ہے آپ کو؟'' وہ واضح طور پر الجھی دکھائی دی۔

''دیکھیں پیا! فرحاب کی جو حالت میں نے رات دیکھی وہ میرے لئے بہت تکلیف کا باعث بنی، جو اس کا ایٹی ٹیوڈ ہے آپ کے ساتھ وہ بالکل بھی صحیح نہیں ہے اپنی بیماری کا ذمہ دار وہ آپ کو کیوں سمجھ رہا ہے؟'' اس نے توقف کرتے پیا کا چہرہ دیکھا۔

''میں سمجھی نہیں آپ کی اس بات کا مطلب؟''

''فرحاب کو کسی اچھے سائیکاٹرسٹ کی ضرورت ہے اور آپ کو اچھے وقت کی، جو آپ بالکل بھی اپنے لئے نہیں نکال رہیں، فرحاب کے لئے ایک میل نرس کا انتظام کیجئے اور خود گھر اور آفس کو مین ٹین رکھیں۔'' اس نے خلوص کے ساتھ مشورہ دیا مگر پہلی بار پیا کو اس کی باتیں اچھی نہیں لگیں تھیں، وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

''میرے خیال میں فرحاب کا خیال مجھ سے زیادہ بہتر اور کوئی نہیں رکھ سکتا، آپ کو میری اتنی زیادہ فکر کیوں ہو رہی ہے؟''

''اس لئے کہ آپ میری تخلیق ہو پیا اور میں آپ کو یوں خوار ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔'' میکس نے بے حد کرب و دکھ سے وضاحت دی

مکمل ناول

تھی۔

''مجھے تخلیق کرنے والا میرا رب ہے مسٹر میکس! اور آپ میرا پورٹریٹ بنا کر اپنا بہت نام اور مقام بنا چکے ہیں آپ کا مقصد پورا ہوا اب میری زندگی پر سے آپ کا تسلط بھی ختم ہوتا ہے یہ میری زندگی ہے میں اسے جس طرح چاہے گزار سکتی ہوں میں اس کے لئے کسی کے آگے جوابدہ نہیں ہوں۔'' وہ تلخی سے بولی میکس کا ضبط جواب دے گیا۔

''مگر میں یوں آپ کو نہیں دیکھ سکتا پیا۔'' اس کی بات ختم ہوتے ہی وہ چلایا۔

''کیوں...... کیوں نہیں دیکھ سکتے آخر میرا اور آپ کا رشتہ ہی کیا ہے؟'' وہ بھپری۔

''اس لئے کیونکہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں اور اب سے نہیں اس وقت سے جس دن میں نے پہلی مرتبہ آپ کو دیکھا تھا اور بار بار دیکھتا رہا تھا، نہیں دیکھ سکتا میں آپ کو اس تکلیف اور کرب میں۔'' اور پیا کو لگا اس پر کسی نے یخ ٹھنڈے پانی کی بالٹی انڈیل دی ہے وہ ساکت وضاحت میکس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''میکس!'' پیا کے لبوں نے بے آواز جنبش کی آنکھوں میں تحیر کے سارے رنگ تھے۔

''ہاں پیا! خداوند گواہ ہے کہ میری ہر صبح آپ کی یاد سے شروع اور شام آپ کی یاد پر ختم ہوتی ہے اور میں نے آپ تک صرف اور صرف آپ تک پہنچنے کے لئے یہ سب کچھ کیا، اس کائنات کا ذرہ ذرہ میری محبت کا گواہ ہے میری دیوانگی کا امین ہے۔''

''میکس! آپ جانتے ہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' پیا ششدر تھی۔

''اچھی طرح سمجھتا بھی ہوں پیا، میں محبت کا بار اٹھاتے اٹھاتے تھک گیا ہوں۔'' پیا نے اسے بے بسی سے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھامتے دیکھا، پیا کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ اس کس طرح سے سمجھائے۔

''مجھے ایسی کسی بات سے فرق نہیں پڑتا پیا، محبت ان باتوں سے ماورا جذبہ ہے۔'' وہ بالوں کو نوچتا بے بسی سے چلایا اٹھا اس کے لہجے میں واضح کرب، درد اور اذیت اس کے اندرونی خلفشار اور دماغی ٹوٹ پھوٹ کو عیاں کر رہی تھی۔

''مگر مجھے فرق پڑتا ہے میکس! آپ سوچ بھی نہیں سکتے کہ آپ کی یہ سوچ مجھے کہاں تک پہنچا سکتی ہے اس اسٹیج پر آ کے جب مجھے پارسا کا ٹائٹل تک دے دیا گیا ہے، آپ جانتے ہیں نا کہ میری طرف کتنی انگلیاں اٹھ سکتی ہیں، کون کون سے قصے جنم لے سکتے ہیں، میں کس کس بات کی وضاحت کروں گی اور کون میری پارسائی کا یقین کرے گا۔'' وہ حد درجہ خائف کٹیلے لہجے میں اپنا غصہ اس پر انڈیل رہی تھی۔

''کوئی کچھ نہیں کہے گا پیا! کسی کو پتہ ہی کب چلے گا۔'' وہ لجاجت سے اس کے دونوں ہاتھوں تھامنے ہی لگا کہ پیا نے سرعت سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑا لیا تھا۔

''پلیز۔'' میکس نے اس کی یہ حرکت پورے دل سے محسوس کی۔

''سوری میکس! آپ کے میری ذات پر بہت سے احسانات ہیں مگر......'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی میکس بھی اس کی تقلید میں اٹھ پڑا۔

''آج کے بعد ہم کبھی نہیں ملیں گے۔'' اس نے سامنے موزائیک کی روش کی جانب قدم بڑھاتے فیصلہ سنایا۔

میکس تو تڑپ اٹھا پل کے پل میں کائنات لٹتی محسوس ہوئی تھی اسے، دو قدم آگے بڑھ کر اس کا راستہ روکتے اس کے سامنے آن کھڑا ہوا عجیب

بے بسی کی تصویر بنا کھڑا تھا وہ اس سمے۔

"ایسا ظلم کس لئے پیا، مجھے اتنی بڑی سزا تو نہ دیں آپ سے محبت کرنا میرا اتنا بڑا جرم تو نہیں ہے آپ کو دیکھ کر تو کوئی بھی آپ کی محبت میں مبتلا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔" وہ محبت میں پور پور بھیگا یاسیت سے بھیک مانگنے کو کاسہ دل گزار کئے کھڑا تھا پیا لب بھینچ کر رہ گئی کاش وہ اس کو سمجھا سکتی، مگر بہرحال کچھ کہنا ہی تھا۔

"ہم نہ ملیں اسی میں ہماری بہتری ہے؟" اس نے رخ پھیرتے اجنبیت کا اظہار کیا۔

"لیکن کیوں؟ کسی نے تعلق کی ترویج نہ سہی مگر پرانے تعلق کی بناء پر تو ہم مل سکتے ہیں آخر ہم اچھے دوست بھی تو ہیں؟" اسے قطعی اس کی منطق نہیں بھا رہی تھی۔

"ہماری دوستی کی بقا ہمارے نہ ملنے میں ہی پوشیدہ ہے میکس، میری زندگی میں بہت سی آزمائشیں ہیں میں اس میں کوئی اسکینڈل نہیں برداشت کر سکتی۔" وہ اپنے فیصلے میں اٹل تھی۔

"میں آپ کی یہ بات نہیں مان سکتا پیا، کیونکہ میں آپ کو دیکھے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔" اچانک جانے کیا ہوا میکس نے جنونی اور جذباتی انداز میں اسے دونوں کندھوں سے تھامتے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا اور یہی وہ وقت تھا جب ایک پریس فوٹو گرافر نے اس پوز میں ان کی دھڑا دھڑ تصاویر کھینچ لیں تھیں دوسرے روز اخبار کی مصالحہ نیوز کے لئے، مگر تصاویر لینے کے بعد وہ فوری رفو چکر ہوا تھا۔

"ڈونٹ ٹچ می۔" وہ غرا کر پیچھے ہٹی تھی۔

"چلیں جائیں یہاں سے ورنہ میں بھول جاؤں گی کہ آپ میرے محسن ہیں۔" وہ ضبط کی آخری حد پر کھڑی بمشکل تمام لہجے کو ہموار کرتے بول پائی میکس نے ایک بے بس سی نگاہ اس کے حسین چہرے پر ڈالی جو لمحوں میں اس سے کتنی دور اور اجنبیت سے بھرپور ہو گئی تھی۔

لمحاتی بھول اس کے لئے ساری زندگی کا پچھتاوا بن رہی تھی وہ پیا کو کھو رہا تھا، اس لمحے میکس کروک نے اپنی دنیا اندھیر ہوتے دیکھی اور محسوس کی تھی خالی دل اور دامن اندر محشر برپا کیے ہوئے تھے آن واحد میں ہوا انکشاف جان بلب تھا وہ پیا کو کھونے کی ہمت خود ہی نہیں رکھتا ہے وہ اسے چھوڑ نہیں سکتا تھا۔

"آپ جو بھی کہیں پیا! مگر میں آپ کو ان حالات میں یوں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔" وہ ابھی بھی اپنی ذات کو بے بسی کا اشتہار بنائے اس کے سامنے منت کر رہا تھا۔

"مجھے گھن آ رہی ہے اس وقت خود سے مسٹر میکس! کہ میں نے آپ جیسے انسان سے دوستی کر کے کتنی بڑی غلطی کی ہے آپ پر اعتماد کر کے میں نے کتنا بڑا گناہ کیا ہے مگر مجھے کیا خبر تھی کہ آپ طرح میرے اعتبار کی کرچیاں کریں گے یوں میرے لئے سوچیں گے کہ مجھے اپنے وجود سے ہی نفرت محسوس ہو رہی ہے۔" پیا کا غم و غصے سے برا حال تھا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ایک غیر مسلم مرد اس سے محبت جیسا رشتہ و جذبہ استوار کرنے کا خواہاں ہے وہ تو اسے بہت مہربان سمجھتی تھی اسے کیا خبر تھی کہ دوستی کی آڑ میں محبت کے دھوکے میں وہ اسے اپنے کس جذبے کی تسکین کا سامان بنانا چاہ رہا ہے، پیا کے بپھرے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی درد کا اتھاہ احساس آن واحد میں میکس کے دل میں جاگزین ہوا تھا وہ پیا کی سوچ پر دکھ سے چور بس اسے ایک نگاہ دیکھ کے رہ گیا تھا۔

"آپ مجھے ایسا سمجھتی ہیں؟" کچھ دیر کے توقف کے بعد اس نے خود کو سنبھالنے کے بعد

کرب سے کہا۔

''میں آپ کو کیا سمجھتی ہوں یا کیا نہیں اب یہ بحث لاحاصل ہے لیکن مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا میکس کہ میں نے غلطی کی۔'' نا چاہتے ہوئے بھی اس کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی پیا نے اپنی آنکھیں نمکین پانیوں سے دھندلی ہوتی محسوس کیں۔

''آپ غلط سوچ رہی ہیں پیا! مجھے آپ سے کوئی لالچ نہیں ہے نہ ہی مجھے کچھ چاہیے، مجھے تو بس آپ کی رضا اور خوشی چاہیے میں صرف آپ کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں کامیاب اور پرسکون۔'' پیا کے ناراض چہرے پر نظر پڑتے ہی میکس نے اپنی آنکھیں نم ہوتی محسوس کی تھیں وہ ان آنکھوں میں اپنے لئے نفرت اور بے اعتنائی کے رنگ نہیں دیکھ سکتا تھا ان آنکھوں میں اس نے ہمیشہ اپنے لئے نرمی، گنجائش، احترام اور عقیدت دیکھی تھی پھر اب یہ نیا احساس، دیکھنا اور سہنا بہت مشکل تھا اس کے لئے۔

''میرا سکون اسی میں ہے کہ آپ میری زندگی سے نکل جائیں۔'' کہہ کر وہ رکی نہیں تھی روش پر تیز تیز قدم بڑھانے لگی تھی میکس پیچھے کھڑا چلایا۔

''اور میں بھی آپ سے کہے دے رہا ہوں، میں اس مطلب پرست اور شکی مزاج کے حوالے نہیں کر سکتا آپ کو، نہ آپ کو اکیلا چھوڑ سکتا ہوں نہ ہی آپ کی پرواہ کرنا۔''

اس روز سینٹرل پارک کے اس سنگی بینچ پر بیٹھے وہ بچوں کی مانند پھوٹ پھوٹ کر رویا تھا وہ روتے ہوئے پیا کو آگے بڑھتے دیکھتا رہا اور پیا روتے ہوئے ہی آگے بڑھتی رہی واپسی کا سفر کم تکلیف دہ اس کے لئے بھی نہیں تھا، یہ تو طے تھا کہ اسے میکس کی محبت کا جواب محبت سے نہیں دینا تھا کیونکہ اس کے دل میں اس کے لئے ایسا کوئی جذبہ تھا ہی نہیں وہ شادی شدہ اور ایک وفادار عورت تھی ایسا سوچنا بھی گناہ سمجھتی تھی لیکن وہ میکس کو کبھی بھی اتنے سخت اور کھردرے لہجے میں اپنی زندگی سے نکالنا بھی نہیں چاہتی تھی مگر وہ مجبور ہوگئی تھی۔

ایکسیڈنٹ کے بعد سے فرحاب میں جو واضح تبدیلی پیا نے محسوس کی تھی وہ اس کا شک تھا وہ بلاوجہ پیا کو شک کی نظروں سے دیکھتا رہتا تھا اس کا یقین واثق تھا کہ پیا جیسی لڑکی ایک معذور مرد کے ساتھ گزارا نہیں کر سکتی جو اس کی ضروریات اور دلی خواہشات کی تسکین پوری کرنے سے قاصر ہو چکا ہے وہ مکمل طور پر اس کا محتاج ہو چکا تھا مگر جانے کیوں اپنے تند رویے کے پیش نظر وہ جیسے اس کے ضبط کو آزمانے پر تلا رہتا تھا اور ہر گھڑی جیسے اسی انتظار میں رہتا کہ کب پیا کا ضبط جواب دے اور کب وہ کہہ سکے کہ عورت معذور اور غریب مرد کے ساتھ گزارہ نہیں کرنے والی ہوتی ہر عورت ریا کار اور بد کردار ہوتی ہے اور پیا انہی چند جملوں سے بچنے کے لئے کڑی جدوجہد کرتی اور آج اس نے میکس کو بھی اسی وجہ سے اپنی زندگی کی کتاب سے کسی غیر اہم باب کی مانند پھاڑ کر نکال دیا تھا، مگر یہ مسئلے کا حل نہیں تھا تب تک جب تک میکس کو ساری صورتحال کی سمجھ نہ آجاتی۔

شام گہری اور سرمئی ہو رہی تھی جس وقت وہ گھر میں داخل ہوئی تھی، اس نے فرحاب کے کمرے میں جانے سے پہلے دوسرے کمرے کے واش روم میں جا کر چہرے پر پانی کے دو چار چھینٹے مار کر خود کو کمپوز کیا اور پھر فرحاب کے کمرے کی طرف آئی، وہ کمرے میں داخل ہوئی تو اس نے دیکھا کہ فرحاب وہیل چیئر پر بیٹھا

کھڑکی سے باہر جھانک رہا تھا، پیا کے دل کو کچھ ہوا اس کے ویران چہرے پر اداسی رقم تھی ایک نامعلوم کرب اس کی آنکھوں میں ٹھہر سا گیا تھا وہ ایک بے حد متحرک شخص تھا بے حد پھرتیلا اور محنتی، اپنے ساتھ ہوئے اس حادثے کو وہ ابھی تک ذہنی طور پر قبول نہیں کر پا رہا تھا کر ہی نہیں سکتا تھا۔

''فرحاب! آپ وہیل چیئر پر خود کیسے بیٹھے؟'' پیا نے خوشگوار لہجے میں گھرے حیرت سے پوچھا تھا اسے فرحاب کے چہرے پر نظر آتا موت جیسا سناٹا بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''کیوں تمہیں کیوں اتنا دکھ ہو رہا ہے مجھے یوں بیٹھے ہوئے دیکھ کر، تمہاری کیا خواہش ہے کہ میں یونہی ساری زندگی تمہارا محتاج ہو کر رہوں؟'' مردہ جب بھی بولے کفن پھاڑ کر ہی بولے کے مصداق فرحاب نے بھی ایسا بول پیا کے اوپر انگاروں سے بھری بالٹی الٹ دی تھی اس کا وجود اہانت و بے عزتی کے احساس سے بھڑ بھڑ جلنے لگا تھا، لمحہ بھر پہلے کی دل میں جاگی ہمدردی جل کر راکھ ہو گئی۔

اس نے اگر خود پر ضبط کے پہرے نہ بٹھا رکھے ہوتے تو یقیناً کچھ ایسا جلا کٹا جواب دیتی کے اس کے اندر بھانبھڑ بھڑکاتی آگ پر فرحاب کی سلگن کے چند چھینٹے تو پڑ کر ضرور وہی سکون مہیا کرتے مگر وہ خاموش رہی تھی۔

''کھانا کھا لیا آپ نے؟'' اس نے ہموار لہجے میں کہتے سکون سے پوچھا۔

''کہاں تھیں اب تک تم؟'' فرحاب نے جواب نہیں دیا سوال کیا۔

''روز کہاں جاتی ہوں؟'' پیا نے تھک کر سانس لی۔

''جہاں مجھے بتا کر جاتی ہو وہاں تو نہیں تھیں کہیں اور جاتی ہو تو مجھے کیا خبر میں تو سارا دن گھر پر ہی ہوتا ہوں۔'' اس کے الفاظ میں نہیں لہجے میں کاٹ تھی۔

''آپ خود جایا کریں ناں پھر آفس، میں گھر پر رہا کروں تاکہ آپ کو یقین آ جائے کہ میں اور کہیں نہیں جایا کرتی۔'' اس نے سکون سے کہتے فرحاب کا سکون غارت کیا۔

''میری بے بسی کا مذاق اڑانا تو خوب آ گیا ہے تمہیں سیانے سچ ہی کہتے ہیں سنگ باری کرنے میں اپنے ہی پیش پیش ہوتے ہیں۔'' اس نے وہیل چیئر کے دونوں پہیوں پر اپنے ہاتھوں کا دباؤ ڈالتے اسے موڑ کر پیا کے سامنے ہوا۔

''میں نے ایسا کچھ نہیں کہا کہ جس سے آپ کی دل آزاری ہو فرحاب مگر آپ بھی تو یوں پل پل بے اعتبار نہ کیا کریں۔'' پیا نے وضاحت دی مگر فرحاب نے ان سنی کرتے اپنی بات جاری رکھی۔

''گھر کا مرد اگر معذور ہو کر عورت کا محتاج ہو جائے تو گھر کی عورتیں یونہی سر پر چڑھ کر ناچنے لگتی ہیں تمہارا کیا قصور تم عورتیں ہوتی ہی اسی قماش کی ہو۔'' الفاظ تھے یا زہر میں بجھے نشتر پیا نے ان نشتر سے لگنے والے زخموں سے اپنا وجود نیلوں نیل ہوتا محسوس کیا، درد کی ٹیسیں پورے وجود کو کسی تیزاب کی مانند جلائے جا رہی تھیں مگر وہی اس کا ضبط اور کچھ نہ کہنے کا خود سے کیا عہد، اسے وہ زہر پینے پر مجبور کر گیا تھا وہ پلٹ کر کمرے سے باہر نکلنے لگی کہ پیچھے سے فرحاب کی سرد اور پرسکون آواز پیا کے پیروں میں سنگلاخ بیڑیاں ڈال کر اسے ٹھٹکنے پر مجبور کر گئی۔

''کچھ دیر پہلے ناصر آیا تھا، تم سے کسی اہم کاغذات پر دستخط کروانے بتا رہا تھا کہ آفس سے

تم ساڑھے چار بجے نکل گئی تھیں تو اب رات کے ساڑھے سات ہو رہے ہیں اتنی دیر تم کہاں رہیں جبکہ اس شہر میں تمہارا کوئی چاہنے والا بھی نہیں ناسوئے میکس کروک کے اور میکس کے بارے میں تم یقیناً یہی کہو گی کہ تمہارا اس سے آج دن بھر میں کوئی رابطہ نہیں ہو پایا...... ہے ناں؟'' وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے سوال کر رہا تھا یا اسے بتا رہا تھا وہ یہ دونوں کام نہیں کر رہا تھا وہ اپنے لفظوں کے پتھروں سے پیا کے باکردار وجود پر شک کی سنگباری کر رہا تھا وہ پیا پر استہزائیہ کے وار کر رہا تھا وہ پیا کے وجود کو چھلنی کر رہا تھا۔

''وضاحت وہاں دی جاتی ہے فرحاب جہاں اعتبار و اعتماد کا رشتہ ہو اس لئے میں آپ کو کوئی وضاحت نہیں دوں گی۔'' پیا نے چند ثانیے کو اس کے چہرے پر چھائی سختی، شک و بربریت کو دیکھا اور ٹھنڈے لہجے میں کہتی باہر نکل گئی اب ضبط کا یارا تھا نہ ہی کچھ اور سننے اور سہنے کا حوصلہ، درد بے انتہا اور درد کا درماں کرنے والا کوئی نہ تھا، کچن میں آ کے اس نے رات کے کھانے کی تیاری کی اور ڈھیروں آنسو بہائے درد تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا اس نے سیل فون اٹھا کر ایک پیغام لکھا اور نیویارک کی سرد ہواؤں کے سپرد کر دیا۔

''زندگی میں آزمائشوں کا دورانیہ طویل ہو جائے تو ہمت ٹوٹنے لگتی ہے لمحہ بہ لمحہ آسودگی کا سمٹتا سایہ دکھ کی کڑی دھوپ میں جلائے جاتا ہے جان کنی کا عذاب بڑا جاں بلب ہوتا ہے اور آپ کی پی اس عذاب کو سہہ رہی ہے اکیلے تنہا۔''

اپنے آنسوؤں کو بے دردی سے گالوں پر رگڑتے اس نے میسج سینڈ کیا تھا پانچ سیکنڈ کے قلیل عرصے میں ہی واثق بھائی کی ترنت کال آنے لگی تھی یقیناً وہ بے حد پریشان ہو گئے تھے مگر پیا نے کال ریسو نہیں کی بلکہ کاٹ دی تھی۔

''شادی سے پہلے میں نے تم سے وعدہ لیا تھا پی کہ خود کو تم کبھی بھی تنہا مت سمجھنا اور میں اب بھی یہی کہتا ہوں ہم تمہارے ساتھ ہیں تمہارے پاس ہیں یہ فاصلے صرف نظر آتے ہیں حقیقت میں ان کا کوئی معنی و مطلب ہے نہ ہی یہ رکاوٹ ہیں۔''

''آزمائشیں اللہ کے پیاروں کا ہی نصیب بنتی ہیں صبر اور استقلال ہی دائمی خوشیوں کا سبب بنتا ہے ہم تمہارے لئے دعا گو ہیں۔'' کچھ دیر بعد واثق کا میسج آیا تھا پیا نے ایک نظر پڑھ کر ڈیلیٹ کر دیا اور کوئی ریپلائی نہیں دیا، فرحاب کو رات کا کھانا کھلا کر واش روم لے جا کر ٹوتھ برش کروایا اور انہیں دوا دے کر سلانے کے بعد خود باہر لاؤنج میں آ گئی، شام کی بحث کے بعد ان دونوں کے درمیان دوبارہ کوئی بات نہیں ہوئی تھی پیا کوئی وی لاؤنج میں بیٹھے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ کال بیل بجی تھی پیا حیران و متحیر سی دروازہ کھولنے گئی تو دروازہ کھولنے پر اسے دروازے کی دہلیز میں ایک بوکے اور سوری کا کارڈ پڑا ملا تھا، پیا لمحے کے ہزارویں حصے میں بھی جان گئی تھی کہ یہ ایکسکیوزکس کی طرف سے ہو سکتا ہے پیا نے کارڈ پر تحریر پڑھی اور نگاہ گھما کر اطراف میں ڈالی دور گاڑی سے ٹیک لگائے میکس کروک اس کے سوری کو قبول کرنے کا منتظر تھا، پہلے شاید پیا پھول اور کارڈ اٹھا بھی لیتی مگر میکس کو دیکھنے کے بعد اس کا ارادہ بدل گیا تھا اس نے کارڈ کو سفید آرکیڈز کے بوکے کے پاس رکھا اور دروازہ بند کر کے واپس لاؤنج کی طرف مڑ گئی، باہر کھڑا میکس پیا کی اس اجنبی بھری حرکت پہ تڑپ کر رہ گیا، وہ بے حد پچھتا رہا تھا کاش، کاش وہ جذباتی نہ ہوتا اور اپنے دل کی بات پیا پر آشکار نہ کرتا تو آج وہ

پیا کو کھو نہ چکا ہوتا۔

وہ ایک اچھے اور مخلص دوست کی طرح سے اس کی ہمیشہ کیئر کیے جاتا اور اپنی خاموش محبت کی تسکین پائے رہتا مگر پیا کا اتنا شدید ری ایکشن، وہ سمجھنے سے قاصر تھا شدید اضطراب اس کے وجود کو بے کل کیئے دے رہا تھا پیا کی بے رخی و بے اعتنائی وہ برداشت نہیں کر پا رہا تھا، وہ مضطربانہ کیفیت میں بے اختیار آگے بڑھا اور کال بیل پر انگلی رکھ کر اسے بجاتا گیا، وحشت و سراسیمگی پورے بدن میں پھریری دوڑائے اس کی عقل کو سلب کیئے ہوئے تھے وہ غلطی کر رہا تھا وہ پیا کے لئے مشکلات کا سبب بن رہا تھا مگر وہ سمجھ ہی نہیں پا رہا تھا وہ جنونی تھا اور اس پر جنون ہی سوار تھا، کال بیل پر انگلی رکھ کر اٹھانا بھول گیا تھا، پیا بے اختیار اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی تھی اسے ڈر تھا کہ کہیں فرحاب کی نیند نہ خراب ہو جائے اور اگر وہ اٹھ گیا تو ایک نیا مقدمہ ایک نیا فساد جنم لے گا، پیا نے دروازہ کھولا اور دھک سے رہ گئی میکس کروک بڑی بکھری بکھری حالت میں اس کے سامنے کھڑا تھا آنکھوں میں ناچتے سرخ ڈورے شدت ضبط کی گواہی دے رہے تھے، اس کے چہرے پر بکھرا اضطراب صاف دکھائی دے رہا تھا مگر پیا کو اس کے اضطراب اس کی بے چینی کی مطلق پرواہ نہیں تھی اسے بس اپنا آشیانہ بچانا تھا جسے میکس کروک کی دیوانی محبت کے شعلوں کی لپک کا خدشہ لاحق ہو گیا تھا پیا نے بغیر کچھ کہے اسے تنبیہی نگاہوں سے دیکھا اور دروازہ بند کر دیا مگر میکس کروک دروازہ بجاتا رہا دھڑ دھڑا دھڑ۔

وہ اتنے زور سے دروازہ بجا رہا تھا کہ پیا کو لگا دروازہ ٹوٹ جائے گا پیا کو وہ ہوش میں نہیں لگ رہا تھا اور وہ ہوش میں تھا بھی نہیں، جنون انسان کو ہوش و خرد سے بیگانہ کر دیتا ہے، وہ بھی بیگانہ تھا پاگل تھا دیوانہ تھا۔

''کیا مسئلہ ہے میکس!'' تنگ آ کر تماشا بننے کے ڈر سے پیا نے دروازہ کھول کر اسے سرد نظروں سے گھورتے بے حد ٹھنڈے لہجے میں پوچھا تھا۔

''مجھے اتنی بے رخی کی مار مت مارو، پیا رحم کرو مجھ پر۔'' وہ تو جیسے بھرا بیٹھا تھا پیا کے استفسار پر بس تڑپ کے رہ گیا۔

''میکس پلیز جائیں یہاں سے تماشا مت بنائیں۔'' اس نے ضبط سے کہتے دروازے کو اچھے سے پکڑا۔

''کیسے چلا جاؤں پیا! آپ کو ناراض چھوڑ کر مجھے تو سکون کی موت بھی نہیں آئے گی اگر آپ کو منائے بغیر چلا گیا تو۔'' وہ بکھر رہا تھا بھی سسکتے ہوئے بولا۔

''میری زندگی پہلے ہی عذاب بنی ہوئی ہے میکس، میرے لئے مزید آزمائش نہ بنائیں پلیز۔'' وہ دبے دبے غصے سے چیخی۔

''تو کس نے کہا ہے اس عذاب میں رہنے کو ابھی چلیں میرے ساتھ زندگی کو زندگی کی طرح سے جینے کے لئے، میں وعدہ کرتا ہوں پیا میں آپ کو موم کی گڑیا کی طرح آزمائشوں کی دھوپ سے بچا کر رکھوں گا۔'' جذبات کا شوریدہ سر دریا تھا جو میکس کو بہا کر لے گیا تھا حق دق ششدر سی سمجھنے کی کوشش میں کھڑی رہی مگر جیسے ہی اس کی سمجھ میں میکس کی بات کا مفہوم آیا وہ تو جیسے پھٹ پڑی تھی۔

''آؤٹ...... آئی سے آؤٹ...... چلے جاؤ یہاں سے ہمیشہ کے لئے ورنہ...... ورنہ میں تمہیں جان سے مار دوں گی۔'' شدت ضبط سے اس کی آواز پھٹ گئی تھی۔

''مار ڈالیں بے شک...... مگر میرے لئے اس زندگی کو جینے کا کوئی مقصد ہے نہ ہی خواہش جس میں آپ کا ساتھ اور پیار نہ ہو۔'' وہ تو آج سارے لحاظ بالائے طاق رکھے جانے کیوں دل کے نہاں خانوں میں پوشیدہ راز فاش کر رہا تھا، پیا کے دماغ کی نسیں پھڑ پھڑانے لگیں سمجھ نہ آیا کہ اسے کس زبان میں واپس جانے کو کہے، تبھی بولی تو آواز میں شکستگی کا واضح عنصر تھا۔

''میکس! میری شادی شدہ زندگی داؤ پر لگ جائے گی آپ کو اپنے خدا کا واسطہ یہاں سے چلے جائیں میرے لئے مشکلات کھڑی مت کریں۔'' اس کے لہجے میں واضح طور پہ محسوس کی جانے والی پسپائی تھی۔

''چلا جاؤں گا اگر ایک دفعہ مجھ سے کہہ دیں کہ آپ بھی مجھ سے پیار کرتی ہیں۔'' اس کے نئے مطالبے کو سن کر تو پیا کے سامنے ساتوں آسمان گھوم گئے تھے دل تو چاہا کہ سامنے کھڑے اس جنونی صفت بندے کا چھتروں سے منہ لال کر کے اس کی عقل ٹھکانے لگا دے مگر اپنی اس خواہش کی تکمیل نہیں کر سکی کیونکہ اچھے سے سمجھ رہی تھی کہ اس کا فی الوقت کوئی فائدہ نہیں ہے وہ اپنے خوش میں ہی کہاں تھا۔

''میں آپ سے پیار نہیں کرتی میکس میں فرحاب سے پیار کرتی ہوں جو کہ میرا شوہر ہے اور مسلمان شادی شدہ عورتیں صرف اپنے شوہروں کی وفادار ہوتی ہیں صرف انہی سے پیار کرنا اپنا فرض سمجھتی ہیں۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہتے اسے رسان سے سمجھایا۔

''جھوٹ بالکل جھوٹ، میں نے بہت سی مسلم خواتین کو یہاں اپنے شوہروں سے چیٹ کرتے دیکھا ہے۔'' وہ ترنت ہنوز دیوانی کیفیت میں کہتے چلایا تھا۔

''ہو سکتا ہے آپ نے ایسی خواتین کو دیکھا ہو مگر میں ان میں سے نہیں ہوں یہ بات کبھی مت بھولئے گا۔'' اس نے اتنا کہہ کے دروازہ بند کرنا چاہا مگر اتنے میں سرعت سے میکس نے ہاتھ بڑھا کر اس کی دروازہ بند کرنے کی کوشش کو ناکام بنا دیا۔

''میں اتنی آسانی سے یہاں سے ہرگز نہیں جاؤں گا، پیا تب تک جب تک آپ مجھ سے اظہار نہ کریں اور مجھے سے صلح نہ کریں۔'' اور دونوں ہی کام پیا کے لئے ممکن نہیں تھے، بہت کڑی شرط تھی مگر میکس اٹل تھا۔

''صبح بات کریں گے ابھی آپ گھر جائیں۔'' اس کو دروازے کے سامنے پرسکون انداز میں جمے دیکھ کر اس نے آہستگی سے کہا تھا۔

''میں گھر نہیں جاؤں گا، میں یہیں صبح ہونے کا انتظار کروں گا۔'' وہ ضدی پن سے بولا تھا۔

''ٹھیک ہے بھاڑ میں جائیں۔'' اس نے کلس کر کہتے دروازہ تیزی سے بند کیا تھا، میکس ساری رات شدید سردی میں پیا کے دروازے کے سامنے بیٹھا رہا تھا۔

دوسری صبح وہ اٹھی تو اس کا سر درد کی بھاری سل بنا ہوا تھا ساری رات وہ ایک لمحے کو بھی سو نہیں پائی تھی میکس کی دیوانگی نے اسے عجیب مخمصے میں ڈال کر سراسیمہ کر دیا تھا، رہ رہ کر اسے یہی سوچ پریشان کرتی رہی کہ اگر فرحاب کو پتہ چل گیا تو کیا ہوگا اور اگر خدانخواستہ یہی خبر میڈیا کے کسی بندے کی نظر میں آ گئی تو ساری دنیا اس کی پارسائی پر تھوتھو کرے گی، اذیت سی اذیت تھی جس کا کوئی درماں نہیں تھا، اس نے اس کا حل سوچنے کی متعدد بار کوششیں کیں مگر اسے کوئی حل سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ کیا کرے کہاں جائے،

جہاں یہ پریشانیاں اس کا پیچھا نہ کریں پونے دو سال، پونے دو سال اس نے خوشیوں کے ہنڈولے میں بیٹھ کر جھولا جھولتے ہوئے گزارے تھے دکھ کس چڑیا کا نام ہے پریشان کسے کہتے ہیں اسے تو ان لفظوں کے معنی و مطلب بھی معلوم نہیں تھے اور لیکن واہ رے زندگی، جس نے اسے جھولتے ہوئے ہنڈولے سے آن واحد میں بہت اونچائی سے دکھوں و اذیتوں کی گہری دلدل میں پہنچا تھا، پیا نے اپنے ستے ہوئے چہرے کو بغور آئینے میں دیکھا اور اپنی متورم زدہ پپوٹوں والی سیاہ بھنور آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مار کر ان میں ہوتی جلن اور درد کو کم کرنے کی کوشش کی، پھر اپنے لئے ایک کپ کافی بنا کر لاؤنج میں آ کے بیٹھ کے سارے حالات و واقعات کا تجزیہ کرنے لگی تھی، کافی کا آخری گھونٹ بھر کے اس نے ویکیوم کلینر اٹھا کر پورے گھر کی صفائی کی پھر باہر لان کی صفائی کرنے کا سوچا پت جھڑ کا موسم تھا لان روز ہی ڈھیروں ڈھیر پتوں سے اٹ جاتا، پیا نے خود کو اچھی طرح میرون سویٹر اور شال میں لپیٹا اور باہر نکل آئی، باہر نکلتے ہی سرد یخ ہوا کے خون جماتے جھونکے نے اس کا استقبال کیا تو وہ بے اختیار کانپ کر رہ گئی اس سے پہلے کہ وہ چند قدم آگے چل کر لان میں پڑے پتے اکٹھے کرنا شروع کرتی اسے سامنے سڑک پر میکس کروک کھڑا دکھائی دیا تھا، پیا حیرت کے مارے وہیں جم کر رہ گئی تو کیا وہ رات سے وہیں تھا یا ابھی ابھی آیا تھا، پیا کو دیکھ کر وہ اسے فوراً اپنی سمت بڑھتا محسوس ہوا تھا اسے لگا پیا اس سے بات کرنے کے لئے باہر نکلی ہے، پیا نے متوحش نظروں سے پہلے اسے اور پھر اپنے بیڈ روم کی طرف دیکھا، فرحاب اب وہیل چیئر پر اپنے سہارے بیٹھ جایا کرتا تھا اگر اس نے اسے دیکھ لیا تو یقیناً قیامت متوقع تھی۔

''تھینک گاڈ پیا آپ باہر آئیں ان فیکٹ مجھے یقین تھا کہ آپ باہر ضرور آئیں گی۔'' وہ پیا کے نزدیک آنے پر لہجے میں زبردستی کی بشاشت پیدا کرنے کی کوشش کرتے بولا، پیا نے ذرا کی ذرا اسے نظر بھر کر دیکھا، سردی کی وجہ سے اس کے ہونٹ سیاہی مائل نیلے ہو رہے تھے، سرخ ناک سے پانی بہہ رہا تھا اور ہاتھوں کی انگلیوں میں واضح لرزش اور سوجن تھی گویا وہ ساری رات باہر ٹھنڈ میں باہر پڑے بینچ پر بیٹھا رہا تھا، پیا کو اس سے اس کی دماغی حالت پر واضح طور پر شبہ ہوا وہ دو دو سویٹرز اور شال میں بھی کانپ رہی تھی اور وہ صرف جیکٹ میں بغیر کسی احتیاطی تدبیر کے صحیح سلامت کھڑا تھا۔

''میکس! یہ کیا پاگل پن ہے؟'' وہ حیرت سے ششدر تھی۔

''یہ پاگل پن نہیں پیار ہے پیا، جو میں آپ سے کرتا ہوں بے حد بے حساب۔'' پیا اس اظہار پر جل کر رہ گئی، اسے یہ موضوع بے حد تکلیف دیتا تھا۔

''یہ پیار نہیں پاگل پن ہے میکس! اگر کسی نے دیکھ لیا تو کیا سوچے گا؟''

''آپ کو دنیا کی اتنی پرواہ کیوں ہے پیا! آپ کو اپنی پرواہ کیوں نہیں ہے آپ دنیا سے یہ کہے گی دنیا وہ کہے گی کیوں سوچتی ہیں آپ کیا چاہتی ہیں آپ کیا سوچتی ہیں یہ اہم کیوں نہیں آپ کے لئے۔'' اب کے بار وہ واضح جھنجھلایا تھا۔

''غلط نہیں سوچتی آپ کو بھی سوچنا چاہیے، سوچیں ذرا آپ کی ریپوٹیشن کتنی خراب ہو سکتی ہے اگر کسی کو معلوم ہو گیا کہ آپ ساری رات یہاں ٹھنڈ میں میرے گھر کے سامنے کھڑے رہے

ہیں۔" اس نے اپنے لہجے میں نرمی سمو کر اسے سمجھنا چاہا۔

"میں چلا جاؤں گا واپس اگر آپ مجھے معاف کر کے میرے ساتھ ویسی ہی دوستی دوبارہ استوار کر لیں گی۔" اس کے لہجے میں آس تھی۔

"ایسا تو میں قطعی نہیں کر سکتی۔" پیا کا جواب صفا چٹ تھا۔

"تو پھر میں بھی یہاں سے نہیں جاؤں گا۔" اب کی بار اس نے بھی ہٹیلے پن سے کہتے ہوئے اپنا فیصلہ سنایا تھا پیا نے بے بس سی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

☆☆☆

فرحاب کو لے کر وہ ہاسپٹل آئی تھی اس نے یہاں نیو یارک کے جانے مانے فزیو تھراپسٹ مارک ایڈیسن سے ٹائم لے رکھا تھا، فرحاب کے گھٹنوں کے زخم اب تقریباً مندمل ہو چکے تھے ایکسرے رپورٹ میں واضح طور پر اس کی ریڈھ کی ہڈی بالکل صاف سیدھی اور صحیح کام کرتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

مارک ایڈیسن فرحاب شفیق کی ایکسرے رپورٹ دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا فرحاب کو مصنوعی ٹانگیں لگ سکتی تھیں وہ دوبارہ چل پھر کر ایک نارمل زندگی گزار سکتا تھا پیا کو لگا جیسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی تھی اس نے ڈاکٹر کو فوری طور پر فرحاب کی ٹانگیں لگانے کے لئے کہا تھا، فرحاب پر بھی اس خوشخبری کا بہت اچھا اثر پڑا تھا، بہت دنوں کے بعد فرحاب نے پیا سے خوشگوار موڈ میں باتیں کی تھیں، ویسی ہی محبت بھری باتیں جسے سننے کے لئے پیا کو اپنے اردگرد تتلیوں کا رقص ہوتا محسوس ہوتا تھا پیا نے اس سے ڈھیر ساری باتیں کی اور اپنی اور اس کی باتیں خوش کن باتیں گھر آ کر پیا نے ایک ڈرائیور کی مدد سے فرحاب کو وہیل چیئر پر بٹھایا اور گھر کی اندرونی سمت بڑھنے ہی لگی کہ اسے پھر میکس دکھائی دیا ویسے ہی اسی حلیے میں، پیا نے سر جھکا اور آگے بڑھ آئی وہ ان خوبصورت اور خوشگوار لمحات کو ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی۔

☆☆☆

فرحاب نے زندگی میں دوبارہ سے دلچسپی لینا شروع کر دی تھی پندرہ دن بعد اسے مصنوعی ٹانگیں لگ گئی تھیں اور پیا اسے روز فزیو تھراپسٹ کے پاس ہاسپٹل فزیو تھراپی کے لئے لے کر جایا کرتی تا کہ وہ جلدی اپنی ٹانگوں پر چلنا سیکھ لے اور وہ جلدی سیکھتے ہوئے ری کور بھی کر رہا تھا، پیا کے ساتھ اس کا رویہ آہستہ آہستہ نارمل ہو رہا تھا مگر خوشیوں کے لمحات پیا کے لئے اب کی بار بے حد مختصر ثابت ہو رہے تھے، میکس روز اسے اپنے گھر کے سامنے کھڑا ہوا ملتا اور پیا روز ہی دعا کرتی کہ فرحاب کی نظر اس پر نہ پڑے، پیا نے اسے وہاں سے چلے جانے کو کتنے جتنوں سے منایا تھا یہ پیا کا دل ہی جانتا تھا۔

اس روز بہت طوفانی بارش تھی اور میکس پر پھر اسی دیوانگی کا دورہ تھا جواب اکثر و بیشتر ہی پڑنے لگا تھا اس نے وڈکا اور شیمپئین کی دو بوتلیں ایک ساتھ ختم کیں مگر درد تھا کہ ختم ہونے کا نام ہی نہ لے رہا تھا اور یاد تھی کہ آئے ہی جا رہی تھی، پیا نے اسے اپنی محبت کا واسطہ دیا تھا کہ وہ وہاں سے چلا جائے مگر وہ محبت کی قسم میں ہار تو گیا تھا مگر اب دوری برداشت کرنا اس کے لئے سوہان روح تھا، اسے کتنے دن ہوئے تھے پیا کو دیکھے ہوئے کتنے دنوں سے وہ اسٹوڈیو گیا تھا نہ ہی آفس، پریس والے اس سے پارسا کی کامیابی کے حوالے سے بات چیت کرنے کے خواہاں تھے مگر اسے پرواہ تھی نہ ہی خواہش، وہ میڈیا سے

ہمیشہ بہت اخلاق اور رواداری سے ملا کرتا مگر اب اپنے اندرونی خلفشار کی وجہ سے بدتمیزی کرتے انہیں بے عزت بھی کر جاتا پرنٹ میڈیا اور الیکٹرونک میڈیا نے اس کے گریز، بدتمیزی اور اکھڑ مزاجی کی جو وجہ پتا لگائی تھی اس کی خبر انہوں نے دنیا والوں کو کرتے ذرا بھی دیر نہیں لگائی تھی۔

میکس نے آج حتمی طور پر پیا سے بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا اس نے نشے میں ڈولتے گاڑی کی چابی اٹھا کر الفاظ ترتیب دیئے تھے۔

''میں آپ کو دیکھے بغیر نہیں جا سکتا مجھے آپ کی ضرورت ہے میکس آپ کے بغیر ادھورا ہے اسے چاہیں جو مرضی سزا دے لیں مگر اسے خود سے دور مت کریں۔'' اور ٹھیک یہی الفاظ اس نے پیا کے دروازہ کھولنے پر کہے بھی تھے۔

☆☆☆

پیا نے فرحاب کی پسند کا قیمہ مٹر بنایا تھا، فرحاب اور پیا نے ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا فرحاب ٹی وی دیکھ رہا تھا جب وہاں اچانک بریکنگ نیوز کا اسکرول بار بار نمودار ہوا۔

''میکس کروک کی تخلیق اور ان کی محبت پارسا میں گہرا اختلاف، میکس اضطرابی کیفیت میں ان کے گھر کے سامنے کئی کئی گھنٹے کھڑے رہتے ہیں اکثر انہیں ساری ساری رات وہاں کھڑے دیکھا گیا ہے، پارسا اور ان کے درمیان ہے کیا اختلاف دونوں ہی بتانے سے گریزاں ہیں پیا ان کی خدمت میں۔'' کال بیل کی چنگھاڑتی آواز نے اینکر کی باقی آواز کا گلا گھونٹ دیا تھا، ایک سور اسرافیل تھا جو اس نے پھونکا تھا، پیا کا دل چاہا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے کال بیل بج رہی تھی ویسے ہی دھڑ دھڑ ادھڑ، مگر پیا کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ انڈیلے بیٹھی رہی

فرحاب کی اس خبر کو سننے کے بعد کیا حالت تھی، پیا اس کی سمت دیکھ نہیں پائی وہ بے یقینی سے اسکرین پر آنے والی اپنی اور میکس کی تصاویر دیکھتی رہی کیا ان تصاویر کو دیکھ لینے کے بعد بھی وہ اپنی صفائی میں کچھ کہہ پائے گی کال بیل کی چنگھاڑ مسلسل جاری تھی اور کیا اس کا یقین کیا جائے گا۔

''دروازہ کھولو پیا!'' فرحاب کی سخت اور سرد آواز پیا نے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناتی محسوس کی تھی۔

''میں کہہ رہا ہوں دروازہ کھولو پیا۔'' اب کی بار وہ دھاڑا تھا پیا کی گردن بے اختیار نفی میں ہل گئی وہ اگر دروازہ کھول دیتی تو اپنی قسمت کے دروازے کو ہمیشہ کے لئے بند کر دیتی جو طوفان اپنے آثار دکھا رہا تھا وہ طوفان آ کر اسے تباہ و برباد کر دیتا۔

''میں نے کہا ہے پیا دروازہ کھولو۔'' اس نے پیا کو اب کی بار دروازے کی جانب دھکا دیتے کہا تھا وہ بے اختیار منہ کے بل زمین پر گری تھی۔

''جاؤ۔'' وہ اور بھی زور سے چیخا ٹی وی پر اب بھی وہی مختلف مناظر دکھائے جا رہے تھے ان میں پارسا کو لاؤنچ کرنے سے پہلے کی بھی تصاویر اور ویڈیو کلپس تھے، فرحاب کے دل میں کیا چل رہا تھا اس کے چہرے سے اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا مگر خلاف توقع وہ ضبط کی کیفیت میں تھا اور خاموش تھا، پیا نے موت کے سناٹے اپنے اندر گونجتے محسوس کیے، اس نے مرے مرے قدموں سے جا کر دروازہ کھولا اس کے تمام تر بدترین خدشوں کی تصدیق کرتا میکس دروازہ میں نشے سے جھومتا کھڑا تھا۔

''پیا!'' ایک سراسیمگی کی کیفیت میں دروازہ بند کر دیا اور لمبے گہرے سانس لیتے واپس

پلٹ آئی مگر فرحاب منتظر اور متوجہ تھا باہر زوروں کی طوفانی بارش تھی بادلوں کی گرگراہٹ ماحول کو عجیب وحشت زدہ بنا رہی تھی۔

''کون تھا؟'' بریکنگ نیوز دیکھ لینے کے بعد ابھی وہ پوچھ رہا تھا کیا اپنے شک کی تصدیق کرنا باقی تھی ابھی۔

''کک...... کوئی بھی نہیں، ایسے ہی کوئی بیل بجا کر بھاگ گیا۔'' پیا نے اپنے لہجے میں واضح لڑکھڑاہٹ اور ہاتھوں میں لرزش دیکھی کس قدر بودا بہانہ تراشا تھا اس نے مگر اس کا مفلوج ذہن کام کرنے کی پوزیشن میں تھا ہی کہاں۔

تبھی بیل دوبارہ بجی تھی فرحاب شفیق نے اسے جتلاتی نظروں سے دیکھا اور خود اٹھ کر دروازہ کھولنے کے لئے دروازے کی سمت بڑھنے لگا ایک دو تین وہ قدم پر قدم اٹھا رہا تھا اور زندگی پیا سے دور ہوتی جا رہی تھی، چار پانچ چھ وہ دروازے تک پہنچ گیا تھا اور پیا نے کرب سے آنکھیں موند لیں دروازہ کھل چکا تھا باہر برستی بارش اور ٹھنڈی ہوا کا جھونکا پیا کے وجود کو سنسنا گیا، فرحاب نے ضبط کی اعلیٰ مثال قائم کرتے میکس کروک کو بارش میں دیوانہ وار بھیگتے دیکھا اور برداشت کیا۔

''آئی نیڈ یور وائف بی کاز آئی ایکسریملی لو ہیر۔'' فرحاب شفیق کے اندر غیرت مند مرد نے اپنے کانوں سے ایک اجنبی غیر مسلم مرد کے منہ سے اپنی بیوی کے لئے اظہار محبت سنا اور زندہ کھڑا رہا، برستی بارش میں پور پور بھیگتے وہ پیا کو مانگتا رہا۔

''میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا پلیز، مجھے ان کی زندگی سے زیادہ ضرورت ہے۔''

تابوت میں آخری کیل یہ الفاظ فرحاب کا ضبط توڑ گئے اس نے اپنی پوری طاقت صرف کرتے ایک زوردار تھپڑ میکس کروک کے چہرے پر مارا تھا اور دروازہ بند کر دیا تھا، میکس دیوانوں کی طرح سے دروازہ بجانے لگا۔

''خدا کے لئے فرحاب! میری بات سن لیں میں مر جاؤں گا پیا کے بغیر۔'' وہ دروازہ دھڑ دھڑا رہا تھا اور اندر وہ پیا کو روئی کی مانند دھنک رہا تھا بے تحاشا بے حد و حساب۔

''تم سب عورتیں ایک جیسی ہوتی ہو، بدکار اور ریاکار، میری غلطی تھی کہ میں نے تم پر اعتبار کیا، آستین کے سانپ کو اپنا خون جگر پلایا، تمہیں پارسا سمجھا تمہیں مریم کہا آہ تھو۔'' اس نے پیا پر نفرت سے تھوکا تھا۔

''تم مریم نہیں ہو، تم پارسا بھی نہیں ہو تم ایک بدکردار عورت ہو تم ریاکار ہو تم سب عورتیں ایک جیسی ہو، وہ بھی بدکردار تھی تم بھی بدکار ہو، وہ بھی مسلمان تھی اور تم نے بھی اپنی نسوانیت کو رسوا کرتے مذہب کو تار تار کیا'' اس روز اس نے پیا کو اتنا مارا کہ اس کے اپنے ہاتھ تھک گئے پیا نیم مردہ ہو گئی اس نے اپنی صفائی میں ایک لفظ نہیں کہا اور یہی بات فرحاب شفیق کو اور مارنے پر اکساتی رہی فرحاب شفیق کو اس کی خاموشی اقبال جرم کی مانند محسوس ہو رہی تھی یعنی وہ اپنے گناہ کو مانتی ہے، تسلیم کرتی ہے مگر شرمندہ نہیں ہے، گھنٹے بعد بارش تھمی ساتھ ہی فرحاب شفیق کی بربریت بھی، پیا ادھ موئی کیفیت میں کب سے اشک اپنے اندر گراتی رہی، جس آشیانے کو بچانے کے لئے اس نے اتنے جتن کیے تھے وہ بالآخر شک کی ذرا سی آندھی سے تنکا تنکا ہو کر بکھر گیا تھا پیا پتھرائی آنکھوں اور سلب دماغ سے سوچنے کی کوشش کرتی رہی، کوئی ایسی غلطی، ایسا گناہ ایسی زیادتی جس کی اتنی کڑی سزا اسے ملی تھی، اس نے میکس کا کیا بگاڑا تھا وہ کیوں دیوانہ ہوا تھا اس نے کیوں پیا کو

برباد کیا تھا، بہت سارے سوال تھے مگر جواب کون دیتا، اس کی پارسائی پر داغ لگ چکا تھا اس کی عصمت مٹ چکی تھی اس کی نسوانیت تار تار ہو رہی تھی اور وہ ضبط کے پہرے بٹھائے بالکل خاموش مگر ویران لیکن دیکھنے والوں کے لئے ان کے لئے جو چشم بصیرت رکھتے تھے نہ کہ ان کے لئے جو آنکھیں رکھنے کے باوجود بھی اندھے تھے۔

"تم نے بیماری میں میرا ساتھ دیا اور میری خدمت کی بھلے اپنے گناہ کو چھپانے کے لئے ہی سہی مگر اس کے عوض میں تمہیں اتنی رعایت دیتا ہوں کہ اس گھر سے تم جو چیز لے جانا چاہو لے کر جا سکتی ہو۔" کچھ دیر بعد فرحاب انسانیت کا علم بلند کرنے کی کوشش میں سرگرداں اس پر احسان عظیم کرتے کہہ رہا تھا، پیا کو اس کی باتیں غیر فہم لگیں اور اس نے سمجھنے کی کوشش بھی نہیں چونکی وہ تب جب اس نے پیا کی گرم شال لا کر اس پر پھینکی تھی۔

"گھر۔" لفظ گھر پیا کے ذہن میں گردش کرنے لگا۔

"عورت چار دیواری کو اپنا گھر کیوں مان لیتی ہے وہ اسے مضبوط اور پر تحفظ آشیانہ کیوں تصور کر لیتی ہے جبکہ گھر تو محض ایک چھوٹی سی غلط فہمی کی ٹھوکر پر کھڑا رہتا ہے اور کبھی بھی تو اس ٹھوکر کی ضرورت بھی نہیں رہتی۔"

پہلی بار یہت ہوانے کے لئے اجازت تو پیا کو فرحاب نے خود دی تھی اس وقت تو وہ لبرل ازم کی اعلیٰ مثال پیش کرتے خود کو دنیا کا فراخدل شوہر ظاہر کر رہا تھا پھر اس نے عملاً اس فراخدلی کا ثبوت کیوں نہیں دیا تھا، مرد قصوروار کیوں نہیں ہوتا وہ سزا کا مستحق کیوں نہیں ٹھہرایا جاتا، ذلت اس کا نصیب کیوں نہیں بنتی یہ سب عورت کا ہی نصیب کیوں؟ پیا اٹھنے کی کوشش میں لڑکھڑا گئی فرحاب منہ پھیرے اس کے جانے کا منتظر رہا، پیا اٹھ کر دروازے تک گئی پہلی بار فرحاب شفیق نے مڑ کر دیکھا وہ خالی ہاتھ جا رہی تھی وہ ننگے سر اور ننگے پاؤں جا رہی تھی بے تحاشا مار سہنے اور بار بار گرنے، اس کی باریک اسٹریپس والی چپل ٹوٹ چکی تھی لیکن وہ اسی میں پاؤں گھسیٹتے جا رہی تھی، گھر کی دہلیز پار کرتے وہ فرحاب شفیق کی زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکل گئی تھی، اس کے جانے کے بعد فرحاب شفیق بے اختیار ہو کر رویا اور ایسا رویا کہ در و دیوار تک لرز اٹھے۔

عورت ہمیشہ اسی کے لئے کیوں آزمائش بن کے آتی تھی دھوکہ صرف اسی کو کیوں ملتا تھا جب وہ مخلص اور بے ریا تھا تو اس کے ساتھ مخلصانہ اور بے ریا ہو کر کیوں نہیں چلا جاتا تھا، سوال ہی سوال تھے، مگر جواب ندارد، درد بے شمار اور اذیت بے انت۔

☆☆☆

دسمبر کی ٹھٹھرا دینے والی سردی اور بارش کے بعد کی ٹھنڈ، ہلکا ہلکا گرتا کیرا اور ہاتھ کو ہاتھ نہ سجھائی دینے والی دھند، پیا نے دروازے کے پار بیٹھے مطلق العنان ظلم و جبر کے پیم اس شخص سے مدد کی بھیک مانگی نہ ہی جائے پناہ، وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کا اس شہر میں کوئی جاننے والا نہیں ہے اس کے پاس ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے کہ وہ کسی ہوٹل میں قیام کر سکے۔

پیا بے حسی سی چلتی جا رہی تھی باہر نکل کر ہوا کا ٹکرانے والا تیز ریلا اس کے وجود کو کپکپا گیا تھا مگر وہ ہر احساس سے بے نیاز بس چلے جا رہی تھی، گھر سے باہر سڑک پر آتے اس نے سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر دائیں بائیں دیکھا اور گہری سانس لی۔

''اب کہاں جائے اس وقت اس حال میں؟'' پریت اور جسی سنگھ بھی ابھی تک واپس نہیں آئے تھے، پہلی بار اس نے سوچا تھا وہ کچھ دیر اپنے پیروں پر کھڑی رہی مگر پاؤں میں مار کھانے کے باعث آنے والی موچ نے اسے اپنے قدموں پر کھڑا نہیں رہنے دیا وہ لڑکھڑا کر واپس مڑی اور گھر کے باہر پڑے بینچ پر ٹک گئی۔

بربادی کا آغاز کہاں سے ہوا تھا اور اس کا انت کیا ہوگا، اس نے سوچنے کی کوشش نہیں کی، اس کا سیل فون اس کا پاسپورٹ اس کا والٹ سب اندر رہ گیا تھا، وقت تھم سا گیا تھا آزمائش کا دورانیہ طویل تھا صبر کی انتہا تھی اور ضبط کا انت۔

اس نے آج خود کا قتل اپنی ہی بے جان اور پتھرائی آنکھوں سے ہوتے دیکھا تھا، بے بسی کی کوئی حد نہیں ہوتی ضبط کا کوئی انت نہیں ہوتا صبر کی کوئی انتہا نہیں ہوتی، سردی ٹھٹھرتے اور کانپتے اس نے اپنے زندہ ہونے کا احساس ہوتے ہی سوچا تھا۔

وہ ابھی بھی زندہ تھی اتنی ذلت سہنے کے بعد بھی، کس لئے، کس کی خاطر؟ اس نے دھندلائی آنکھوں سے ماؤف ہوتے دماغ کے ساتھ اپنے زندہ ہونے کا عذر تراشنا چاہا مگر جواب نہیں ڈھونڈ پائی، کچھ دیر مزید گزری اس نے اپنے پاس ایک قیمتی گاڑی رکتے محسوس کی، مگر وہ بے حس اور بے نیاز بیٹھی رہی، اس نے ذہن پر زور ڈالتے جیسے اس گاڑی کی شناخت کرنے کی کوشش کی، یہ کس کی گاڑی تھی اور کون باہر نکل رہا تھا؟

ایک بے حد قیمتی تھری پیس میں ملبوس سونڈ بونڈ شخص گاڑی سے اتر کر پیا کے نزدیک آیا تھا پیا نے اپنی یادداشت کھنگالتے اسے پہچاننے کی کوشش کی، آنے والا بے حد مودبانہ انداز میں اس کے پاس آکر کھڑا ہو گیا، جیسے جیسے اس کے بولنے کا منتظر ہو مگر وہ کیا بولتی کیا اس کے پاس بولنے کو کچھ رہ گیا تھا کیا اسے واقعی میں اب بولنا چاہیے تھا، وہ اسٹیو تھا میکس کروک کا پی اے، مگر وہ پیا کے پاس کیوں آیا تھا اب بھلا اس کے پاس بچا ہی کیا تھا جو وہ لوٹنے آیا تھا۔

''میم! پلیز میرے ساتھ چلیں۔'' اس نے اسٹیو کے لب ہلتے دیکھے مگر اسے الفاظ کا مفہوم سمجھ نہیں آیا۔

''آپ کی حالت بہت خراب ہے میم! میرے ساتھ چلیں۔'' وہ اس کی بکھری حالت ویران اور زخمی چہرے کو دیکھتے گزارش کر رہا تھا، پیا بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''سانپ کا دوست بھی سانپ ہی ہوتا اور دونوں کا ایک ہی کام موقع ملتے ہی ڈس لینا، تو کیا وہ اسٹیو کو بھی ڈسنے کا موقع دے دے؟'' ماتھے پر جمے خون اور پھٹے ہونٹوں پر جما کہرا اسٹیو نے اس لمحے پارسا کو گہرے کرب کے حصار میں گھرا دیکھا حسین چہرے بگڑ جائیں تو وہ دیکھنے والے برداشت نہیں کر پاتے، اسٹیو بھی برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔

''آپ نے اتنا تشدد برداشت کیا میم، آپ کو پولیس کو کال کرنی چاہیے تھی، یہاں عورت پر ہاتھ اٹھانا سنگین جرم سمجھا جاتا ہے؟'' اسٹیو اس کی اجڑی بکھری حالت کو دیکھتے تکلیف سے کہہ رہا تھا۔

''پولیس، یہاں اس ملک میں، سنگین جرم۔'' پیا کے ذہن میں الفاظ ناچنے لگے، آگے پیچھے، پیچھے آگے دوڑتے الفاظ جن کا سرا پیا کے ہاتھ میں آکے نہیں دے رہا تھا، اس نے تو کبھی خود کو اس ملک کا باشندہ سمجھا ہی نہیں تھا اس کی روح بھی پاکستانی تھی اس کا دل بھی پاکستانی تھا اس کا گھر اور اس گھر کے رہائشی کے اصول بھی

پاکستانی تھے اس نے تو کبھی حق حقوق کی باتیں کی ہی نہ تھیں ایسے میں اسے یاد کہاں تھا کہ اسے اپنے حقوق کی جنگ بھی لڑنی ہے خود کو ظلم و بربریت کا شکار بننے سے بچانا ہے۔

''سردی بہت زیادہ ہے اور آپ شدید زخمی ہیں پلیز میم ضد نہ کریں آپ کو ہائپوتھرامیا ہونے کا خدشہ ہے۔'' اسٹیو اب بول بول کے تھک گیا تھا کہ ابھی مڑ کے دو قدم چلا ہی تھا کہ اسے کسی چیز کے گرنے کی آواز سنائی دی تھی، وہ چونک کے واپس پلٹا اور ساکت رہ گیا پیا پتھریلی روش پر اوندھے منہ گری تھی، بے ہوش گری تھی اسٹیو اپنے اندیشے کی تصدیق ہوتے ہی دیوانہ وار اس پر جھکا تھا۔

☆☆☆

پیا کو ہائپوتھیرامیا ہو گیا تھا بے تحاشا اسٹریس کی وجہ سے اس کا برین ہیمرج ہوتے ہوتے بچا تھا وہ موت کے منہ میں جا کے واپس آئی تھی کاش نہ آئی ہوتی مگر...... زندگی کو ابھی بہت سے قرض چکانے تھے سو اسے مہلت دی گئی تھی۔

پارسا کی پارسائی پر داغ خود میکس کروک نے ہی لگا دیا تھا، لیونارڈو کے فن پارہ کے ریکارڈ کو بریک کرنے کی کوشش میں اپنے غرور اور اوور کانفیڈنس کی بدولت اس نے پارسا کی پارسائی پر ہمیشہ کے لئے سوالیہ نشان لگا دیا تھا، جب جب پارسا کا ذکر ہو گا ساتھ میں یہ کہانی دہرائی جاتی رہے گی بالکل ویسے ہی جیسی کہانیاں مونا لیزا کے بارے میں مشہور تھیں۔

خامی اور کمی بیشی ہر فنکار میں ہوتی ہے مگر وہ بری نہیں لگتی بری وہ اس وقت لگتی ہے جب غرور اور گھمنڈ میں گھر کے اسے پرفیکٹ قرار دے دیا جاتا ہے، بالکل یہی غلطی میکس کروک نے کی تھی، دعویٰ کر کے، خواہش غلط نہیں ہوتی اس کے حصول کا طریقہ اسے غلط بنا دیتا ہے، یہ میکس کروک کو تب سمجھ میں آیا تھا جب پوری دنیا کے ہر خاص و عام انسان کی انگلی اس نے خود پر اٹھتے محسوس کی تھی، جب پیا کی پارسائی پر سوالات اٹھے تھے جب اس کے کردار کو زیر بحث لاتے اس کو پارسا کا ٹائٹل دینے پر شدید اختلاف اور مذمت کی گئی تھی، آن واحد میں میکس نے اپنے سر سے عشق کا بھوت اترتے اپنی سنگین غلطی کا اعتراف کیا تھا وہ اب کچھ بھی کر لے، جتنی مرضی کانفرنسز کر کے اپنی اور پارسائی کی خاطر صفائیاں دے لے مگر کمان سے نکلے تیر کی مانند اس غلطی کا ازالہ اب ناممکن ہو چکا تھا، جو اپنی بے وقوفی اور جذباتیت میں کر چکا تھا۔

گناہ عظیم کیا تھا پیا کا دل اور گھر برباد کر کے، اسے بدنام کر کے، اس نے زندگی میں ہمیشہ خود کو حق پر اور صحیح سمجھا تھا لیکن اس نے خود سے بے تحاشا نفرت بھی محسوس کی اس نے کبھی بھی شراب جیسی لعنت کو برا نہیں سمجھا مگر اس نے حقیقت کا احساس ہوتے ہی اپنے پورے بار کو توڑ پھوڑ کر کرچی کرچی کر دیا۔ وہ ان دنوں بے تحاشا شراب پیتا نہ حواس کھوتا نہ ہی اتنا سب کچھ ہوتا، اپنے تمام سورسز استعمال کر کے اس نے فوری طور پر اپنے اور پارسا پر اچھالے جانے والے کیچڑ کا سلسلہ بند کر دیا تھا اس کا مستقبل تو تباہ و برباد ہوا ہی تھا مگر پارسا کی بدنامی اسے مضطرب کیے اس کا چین و سکون غارت کیے دے رہی تھی۔

اسے اپنی پروا نہیں تھی وہ مرد تھا، اسے پیا کی پرواہ تھی جو پارسا تھی مگر اب نہیں رہی نہیں تھی۔

☆☆☆

اس نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولنے

کی کوشش کی، اس کا سر بے حد بھاری محسوس ہو رہا تھا اس کی آنکھیں درد کے مارے کھلنے سے انکاری تھیں پیا نے اپنے پورے وجود کی طاقت صرف کر کے بمشکل تمام اپنی آنکھوں کو کھولا ایک ڈاکٹر اور نرس فوری طور پر لپک کر اس کی جانب آئے، ڈاکٹر کے چہرے پر فاتحانہ چمک ابھری بالآخر پیا ہوش میں آ گئی تھی۔

"ہیلو! آر یو او کے۔" ڈاکٹر اس پر جھکا تھا اور وہ اسے پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی ایک اجنبی چہرہ اس پر جھکا تھا، اسے بے حد کوفت سی ہوئی پھر اسے اسٹیو کا چہرہ نظر آیا اور پھر اس کے ساتھ کھڑے میکس کروک کا، پیا نے ایک زہر آلود نگاہ اس پر ڈالتے اپنے پورے وجود میں نفرت کا زہر پھیلتا محسوس کیا۔

"اب کیسی طبیعت ہے پیا؟" وہ بے حد فکر مندی سے اس پر جھکا پوچھ رہا تھا، اسے برباد کر کے وہ پوچھ رہا تھا کہ کیسی ہو، کیا مذاق تھا وہ عش عش کر اٹھی تھی۔

"مجھے یہاں کیوں لائے تھے تم؟" اب کی بار اس نے اسٹیو کی طرف غصے سے دیکھ کر کہا وہ نظریں جھکا گیا۔

"پلیز پیا ریلیکس، تمہاری حالت بہت نازک ہے؟" میکس فکر مند تھا تبھی اسے ٹوک گیا مگر کیا وہ ٹوکنے کا حق رکھتا تھا؟

وہ خود وہاں اس کی موجودگی سے ہی خائف تھی اس کے لگاوٹ و محبت کے اس مظاہرے پر بھڑک اٹھی۔

"تو مرنے دیا ہوتا مجھے، کیوں میری لاش کو گھسیٹ لائے ہو یہاں آخر تم چاہتے کیا ہو، کیوں مجھے برباد کر دیا ایسا کیا بگاڑا تھا میں نے تمہارا۔" وہ بیڈ پر اچھل اچھل کر اس تک ہذیانی کیفیت میں بولتے اسے مارنے کو لپکنے کی کوشش کرتے چیخی، اس کے ہاتھوں اور کلائیوں میں مختلف قسم کی ڈرپس لگی تھیں جو اس کے ہیسٹریک ہونے کی وجہ سے نکل گئی تھیں اور اب ان میں سے خون بہہ رہا تھا، ڈاکٹر اس کی طرف فوراً بڑھے تاکہ اسے اس جنونی کیفیت سے نکال سکیں۔

"آپ پلیز باہر جائیں مسٹر میکس!" نرس نے آگے بڑھ کر اس سے ریکویسٹ کی۔

"اس سے کہیں ڈاکٹر یہ یہاں سے چلا جائے اور دوبارہ مجھے اپنی شکل نہ دکھائے ورنہ میں اپنی جان دے دوں گی۔" کمرے سے نکلتے ہوئے میکس نے پیا کو کہتے سنا تھا، مگر اسے برا نہیں لگا تھا وہ ایسے ہی رویے کا مستحق تھا ایسی ہی نفرت کا حقدار بھی، جو جرم اس سے سرزد ہوا تھا وہ ہرگز بھی قابل معافی نہیں تھا۔

"آپ کسی کا دل اجاڑ دیں کسی کا گھر برباد کر دیں الگ بات ہے مگر آپ یہ دونوں کام کرتے کسی کو بھری دنیا میں رسوا کر کے اس کو دنیا کو منہ دکھانے لائق نہ چھوڑیں تو اسے ظلم نہیں کہتے اسے گناہ کہتے ہیں ناقابل تلافی گناہ۔" اور میکس سے یہ گناہ سرزد ہوا تھا، جس کی معافی تھی ہی نہیں، اس کے بعد وہ اس کے سامنے نہیں گیا اسٹیو ہی اس کے پاس جا کر اسے میکس کروک کے ایک دوسرے گھر جو اسی شہر میں تھا، جا کر رہنے پر مناتا رہا۔

"میں اس کے گھر کسی قیمت پر نہیں جاؤں گی اسٹیو میں، میں جھوٹ کو سچ نہیں کر سکتی مجھے تو وہ برباد کر چکا ہے پھر اب یہ ہمدردی کیا ڈھونگ کیسا؟" وہ نفرت سے پھنکار رہی تھی، آج ہوسپٹل سے ڈسچارج ہونا تھا۔

"میم اس شہر میں آپ کسی کو نہیں جانتی میڈیا والے آپ کے پیچھے ہیں فی الوقت آپ کا

ان کے سامنے نہ آنا ہی بہتر ہے؟''

''مجھے اب کسی کی پرواہ نہیں ہے میڈیا والوں کی بھی نہیں، اب میرے پاس بچا ہی کیا ہے جو میڈیا والے میری جستجو کریں گے۔'' اس کے لہجے میں تلخی تھی۔

''ایسی بات نہیں ہے میم! میڈیا والے اب آپ کے اور میکس کروک کے آئندہ لائحہ عمل کے بارے میں جاننے کو بے چین ہیں طرح طرح کے تجزیے سامنے آرہے ہیں اور یقیناً وہ آپ کو بھی سر کی طرح پریشان کرتے تبھی تو آپ کی یہاں اس ہاسپٹل میں موجودگی کو۔''

''تو پھر جاؤ اور اپنے صاحب سے کہہ دو کہ اپنی کامیابی اور میری بربادی کا جشن منائے میں تو برباد ہو چکی، میرا آشیانہ تو بکھر چکا۔'' پیا نے تکیے پر سر پٹختے ہوئے کہا تو اسٹیو کا دل دکھ سے بھر گیا۔

''پلیز میم! سر آپ کی وجہ سے پہلے ہی بہت اپ سیٹ ہیں اور آپ پلیز خود کو ٹینس کر کے بیمار مت کریں، جب تک آپ کے حالات سدھرتے نہیں آپ پلیز میرے ساتھ چلیں۔'' اسٹیو اسے تمام اونچ نیچ سمجھاتے بولا۔

''میں تمہارے ساتھ کسی قیمت پر نہیں جاؤں گی اسٹیو، میں اپنے گھر جاؤں گی جسے میں نے تنکا تنکا جوڑ کر بنایا تھا اور جسے تمہارے سر کی نفرت و انتقام کے خفیہ جذبے نے بکھیر دیا ہے، مگر میں اپنا آشیانہ دوبارہ بناؤں گی اپنی جنت کی تعمیر دوبارہ کروں گی، میں ہار نہیں مانوں گی۔'' پیا نے ایک عزم سے کہا تو اسٹیو باوجود کوشش کے اسے بتا نہیں سکا کہ واپسی کے تمام راستے اب پلوشے آفریدی کے لئے بند ہو چکے ہیں۔

''میں کسی بھی قیمت پر میکس کروک کو اس کے ناپاک عزائم میں کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔'' اس نے چلا کر کہا تھا، نیویارک کی سرد فضاؤں نے پیا کی یہ بازگشت کو اپنے اندر کہیں گہرے راز کی مانند چھپا لیا تھا۔

☆☆☆

اس نے کال بیل پر انگلی رکھی اور اٹھانا بھول گئی، پانچ منٹ بعد دروازہ کھولا تھا پیا سر جھکائے آنسو ضبط کرنے کی کوشش میں کھڑی رہی، کچھ دن پہلے تک یہ گھر اس کا اپنا تھا اس گھر کی وہ بلا شرکت غیرے مالک تھی اور آج، وہ اپنے ہی گھر میں اجازت کی پابند تھی، دروازہ کسی میل نرس نے کھولا تھا، پیا کو اس کے یونیفارم سے ہی اندازہ ہو گیا تھا۔

''مجھے فرحاب سے ملنا ہے؟'' پیا نے اپنے لہجے کو مضبوط کیا۔

''سوری پارسا! وہ آپ سے نہیں مل سکتے؟'' اس نے مودب ہو کر صفا چٹ انکار کیا پیا حیران رہ گئی وہ اس کا نام کیسے جانتا ہے مگر وہ بھول گئی تھی کہ اسے تو بچہ بچہ جانتا ہے۔

''دیکھیں میرا ان سے ملنا بہت ضروری ہے، میں...... میں ان کی بیوی ہوں یہ...... یہ گھر میرا ہے؟'' اسے دروازہ بند کرتے دیکھ کر وہ بے اختیار بے ربط سے جملے بولتی چلی اٹھی۔

''میم...... میں نے آپ کو بتایا ناں کہ......''

ابھی بات اس کے منہ میں ہی تھی کہ فرحاب چلا آیا، پیا نے اسی پیاسی نگاہوں سے ترستے ہوئے دیکھا وہ کتنا کمزور ہو گیا تھا۔

''کیا بات ہے جیمز؟'' وہ پیا کو نظر انداز کرتا میل نرس کی جانب بڑھا۔

''سر یہ میڈم آپ سے ملنے کی ضد کر رہی ہیں؟''

''ان سے کہہ دو، کہ میں اجنبیوں سے ملتا ہوں نہ ہی فقیروں کو بھیک دیتا ہوں، یہ چلی جائیں یہاں سے۔'' غصہ نفرت اہانت کیا نہیں تھا

فرحاب کے لہجے میں پیا کے لئے، مگر وہ برداشت کر گئی تھی ابھی وہ غلط فہمی کا شکار تھا، اسے معلوم نہیں تھا وہ حقیقت سے آگاہ نہیں تھا، اسی لئے ایسا کہہ رہا تھا پیا کو یقین تھا جب اسے سچائی کا علم ہوگا وہ اسے معاف کر کے پھر سے اپنا لے گا، بالکل ویسے ہی جیسے وہ پہلے پیا سے بدگمان ہو جایا کرتا تھا اور صورتحال کا علم ہوتے ہی وہ پیا سے معذرت کرتے اسے منا لیا کرتا تھا، وہ اب بھی مان جائے گا بس ذرا سا بدگمان تھا، پیا نے سوچ لیا تھا وہ اسے منا لے گی چاہے اسے اس کے پیر ہی کیوں نہ پکڑنے پڑیں، وہ پکڑ لے گی تبھی وہ آگے بڑھی تھی۔

''فرحاب! یوں اس طرح مجھے کوئی بھی وضاحت کا موقع دیئے بغیر آپ نہیں جا سکتے پلیز ایک بار میری پوری بات سن لیں، مجھے ایک موقع تو دیں۔'' وہ آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھامتے بولی تو فرحاب نے نفرت سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

''میں اب تمہاری کسی نئی چال میں آنے والا نہیں ہوں، اپنے آنسو بچا کر رکھو کسی اور مرد کو پھانسنے کے کام آئیں گے۔'' پیا نے فرحاب کے زہریلے لفظوں سے اپنے جسم پر کوڑے پڑتے محسوس کیے تھے۔

''فرحاب!'' پیا درد کے مارے بول ہی نہ پائی وہ نفرت و غصے سے پلٹا۔

''آج کے بعد اپنی ناپاک زبان پر میرا نام بھی مت لینا ورنہ...... خدا کی قسم میں تمہاری زبان کاٹ دوں گا۔'' انگلی اٹھاتے اسے تنبیہ کرتا وہ پیا کو بے حد سفاک لگا۔

''صرف ایک دفعہ مجھے اپنی صفائی میں کچھ کہنے کا موقع دے دیں پھر بے شک کاٹ دیجیے گا میں کوئی شکوہ تک نہیں کروں گی، بخوشی زبان کٹوا لوں گی۔'' وہ جانثار ہوتے والے انداز میں کہتے سچ مچ ان کے قدموں میں گری تھی وہ قدم جب وہ تھے نہیں تو پیا ان کے قدم بن گئی تھی پیا ان کی طاقت بن گئی تھی وہ کٹھن چکر بنی گھر، آفس اور ایک معذور شخص کی ذمہ داری نبھاتے فرحاب شفیق کو اس بات کا احساس ہونے ہی نہ دیتی تھی کہ وہ معذور ہے اور پیا اتنی زیادہ ذمہ داریاں بیک وقت نہیں نبھا سکتی، لیکن وہ عورت تھی جو جذبہ ایثار سے گندھی ہوتی ہے فرحاب شفیق مرد تھا جو ہمیشہ لاشعور کی سوچیں پڑھنے کی کوشش تو کرتا ہے مگر جذبات و احساسات کی زبان سے ناواقف رہتا جو عورت جیسی کتاب کو جاننے کا دعوئ تو کرتا ہے مگر کبھی بھی عورت کے ٹائٹل سے بڑھ نہیں پاتا۔

''یہ ڈرامہ بازی بند کرو اور جاؤ یہاں سے؟'' وہ اپنی پوری قوت لگا کر دھاڑا تھا۔

''نہیں جاؤں گی تب تک جب تک آپ کو سچائی کا علم نہیں ہو جاتا؟'' وہ آنسو پونچھتے سیدھی ہوئی فرحاب شفیق نے اسے نیچے جھکتے دیکھ کر ہی اپنے پاؤں پیچھے ہٹا لئے تھے۔

''مجھے کچھ نہیں سننا، سمجھی تم؟'' پیا نے منہ پر ہاتھ رکھ کر سسکی کا گلا گھونٹا۔

''فرحاب! میں آپ کی بیوی ہوں؟ آپ تو مجھ پر اعتبار کرتے تھے آپ ہی کہتے تھے۔''

''ناں تم میری بیوی نہیں گناہ کی پوٹ ہو مجھے تو یہ سوچ سوچ کر ہی شرمندگی ہوتی ہے کہ میں نے تم جیسی لڑکی سے شادی ہی کیوں کی جس کا کام ہی پرائے مردوں کو رجھانا ہے میں نے تم پر اعتبار کیا یہ میری زندگی کی فاش غلطی تھی جس کے لئے میں ساری زندگی خود کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔'' وہ اور بھی نفرت سے پھنکارا تھا اس کے لہجے میں کوڑیالے ناگ جیسی زہر آلود مہک تھی، پیا کے وجود میں اترے اسے نیل و نیل کر

رہی تھی، گھر سے باہر ذرا دور کھڑے اسٹیو نے یہ منظر ڈبڈبائی نظروں سے پھٹتے ہوئے دل کے ساتھ دیکھا تھا اسے میکس اور میڈیا دونوں پر بیک وقت ٹوٹ کر غصہ آیا۔

فرحاب واپس لوٹا تو اس کے ہاتھ میں پیا کا پاسپورٹ تھا جو اس نے اس کے منہ پر مارا تھا۔

''یہ رہا تمہارا پاسپورٹ اور آئی ڈی، اس سے زیادہ بھلائی کی توقع تم مجھ سے کبھی مت کرنا آج میں اپنا ہر تعلق تم سے ختم کرتا ہوں آج میں تمہیں آزاد کرتا ہوں، میں نے تمہیں طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی۔'' نیویارک کی سرد ترین فضا نے فرحاب شفیق کے سرد لہجے میں سنائی سزا کو خنجر کی مانند اپنے دل میں اترتا محسوس کیا، پیا نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھا، پل کے پل میں دنیا راکھ کا ڈھیر کیسے بنتی ہے کسی کی ہستی کا غرور کیسے خاک میں ملتا ہے اور دل برباد کیسے ہوتا ہے۔

پیا نے اس شام نیویارک کی سرد فضا میں کوئین سٹی سٹائل اپارٹمنٹ کے ٹھنڈے فرش پر بیٹھے جانا تھا، اس نے اپنے ہاتھ کی خالی لکیروں میں قسمت کو کھوجا اس کے پاس یعنی شاید اب پیا کی زندگی کے لئے کچھ نہیں بچا تھا۔

☆☆☆

جانے کتنی دیر گزر گئی اس نے یعنی زندہ لاش کو گھسیٹنے کے لئے ہمت مجتمع کرتے ڈھیر سارے آنسو اپنے دل پر گراتے اس میں چھید کر دیئے، وہ لق ودق صحرا میں بالکل اکیلی آبلہ پائی کا کرب سہتی خشک حلق اور ویران سوتے لئے فرحاب شفیق کی دہلیز پر رحم کی بھیک کے لئے پھیلایا خالی کشکول تھامے اٹھ گئی، انسان جب فرعون کا روپ دھارتا ہے تو یونہی ظلم کی مثالیں قائم ہونے لگتی ہیں بالکل ویسی ہی مثال فرحاب شفیق نے بھی قائم کی تھی اس سے، اس نے بس سوچ لیا تھا

کہ اگر ایک عورت دھوکہ دے گئی ہے تو دوسری یقیناً دے گی ہر عورت ریاکار، بے وفا اور بدکردار ہوتی ہے کیونکہ اس کی زندگی میں آنے والی پہلی عورت اپنی سب خامیوں کا مرقع تھی اس نے پیا پر اعتماد تو کیا پر کبھی بھی یقین نہیں کیا تھا بعض دفعہ آنکھوں دیکھی اور کانوں سنی بھی جھوٹی ہوتی ہے تو کیوں نہیں اس نے سچ جاننے کی کوشش کی، وہ اپنی بیوی کا سکینڈل میکس کروک کے ساتھ برداشت نہیں کر سکتا اس لئے کیونکہ وہ بے غیرت نہیں ہے تو پھر اس نے سچ جاننے کی کوشش کیوں نہیں کی، اس نے پیا پر اعتماد کیا پر یقین نہیں، اس نے پیا کو پیار دیا پر اعتبار نہیں؟ اس نے پیا کو محبت دی مگر عزت نہیں۔

اس نے پیا کو پورٹریٹ بنوانے کی اجازت دے کر خود کو لبرل ظاہر کیا مگر اپنے اندر کے شک کو مارا نہیں، اس نے کیا...... کیا، کیا نہیں یہ اب ایک لاحاصل بحث کے سوا کچھ نہیں تھا، اس نے پیا کی روح چھلنی کرتے اسے جیتے جی مارتے اپنے سنگین الفاظ کی مار سے مار دیا اس کا احساس تو اسے شاید کبھی ہو بھی نہیں سکتا اس نے بھری دنیا میں اکیلا چھوڑ کر بے سہارا کرتے یہ بھی نہیں سوچا کہ پیا نے تو اس کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا کسی بھی قیمت پر۔

پیا کی ذات پر انگلی اٹھانے والوں کی انگلیاں کاٹنے کی بجائے وہ بھی انہی لوگوں میں شامل ہو گیا، واہ کیا انصاف تھا اور کیا احسان کا بدلہ؟

مگر عورت احسان کہاں کرتی ہے وہ تو صرف دان کرتی ہے اپنی محبت، عزت، وفا، قربانی، خدمت خلوص اور مرد یہ سب حق کی طرح وصول کرتا ہے بعض دفعہ کسی احسان کی طرح، آہ یہ حوا کی بیٹی اور اس کا نصیب، نہ لڑ سکتی ہے نہ چھوڑ

سکتی ہے نہ ہی دھتکار سکتی ہے۔

ہاں البتہ چھوڑی بھی جاتی ہے اور دھتکاری بھی پھر بھی اسی مرد کے لئے روتی ہے جو صرف نفرت اور بے اعتنائی ہی دان کرتا ہے۔

پیا بھی تو رو رہی تھی زاروں زار اور فرحاب شفیق کمرے کے وسط میں کھڑا سینہ پھلائے خود کو داد و تحسین دیتا شاداں و فرماں تھا کہ وہ بے غیرت نہیں ہے اور اس نے اپنی مردانگی اور غیرت کا سر فخر سے بلند کرتے ایک اعلیٰ مثال قائم کردی ہے۔

تاریخ میں اس کا نام سنہری حروف میں لکھا جائے گا یہ اس کا خیال تھا جو کہ سراسر غلط تھا، تاریخ دان تصویر کے دونوں رخ دیکھ کر ہی تاریخ سازی کیا کرتے ہیں۔

☆☆☆

''میم رک جائیں میم! آپ کدھر جائیں گی۔'' اسٹیو اس کے پیچھے بھاگا آرہا تھا جو اپنے دونوں خالی ہاتھ اطراف میں گرائے سڑک پر سامنے چلے جا رہی تھی، دوپٹہ سر سے سرکتے کندھے پر ہولے سے اٹکتے زمین بوس ہو رہا تھا مگر اسے پرواہ نہیں تھی یہاں زندگی ہی خاک ہو گئی تھی جینے کی کیا پرواہ۔

''میم پلیز رک جائیں۔'' اسٹیو اسے روکنے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ رکی نہیں اسے سنائی دے رہا تھا نہ ہی کچھ دکھائی وہ تو بس چلے جا رہی تھی، بے آب و گیاہ صحرا میں کسی منزل کی نشان دہی کے بغیر۔

''میم!'' اسٹیو بے بس ہو کر رہ گیا۔

''آپ وہ گھر نہ بیچیں فرحاب، مجھے ساری عمر یہاں نہیں رہنا واپس جانا ہے اور پھر وہ ہمارا آبائی گھر ہے کل کو ہمارے بچے ہوں گے تو۔''

''میں نے فیصلہ کر لیا ہے پی اور میں اپنے فیصلے بدلا نہیں کرتا؟'' فرحاب شفیق کی قطعیت بھری بازگشت فضا میں ابھرتی و معدوم ہو رہی تھی جلتی بجھتی روشنی کی طرح چاہے غلط ہی کیوں نہ ہو، پیا کی آواز میں حیرت تھی۔

''ہاں چاہے غلط ہوں میں اپنے فیصلے کر کے پچھتایا نہیں کرتا؟'' دوسری بازگشت بڑی پرسکون تھی، پیا بھی پرسکون ہو گئی اپنے سامنے کھڑے وجود کو اس نے دھندلائی آنکھوں سے دیکھا، شناسائی کی رمق تک نہیں تھی ان ساکت بے جان پتلیوں میں، ان آنکھوں میں جن میں ہیرے کی کنیاں چمکتی تھیں جن میں جگنو راستہ تلاش کرتے تھے۔

''میم پلیز ضد چھوڑ دیں اس شہر کے بدنما گدھ آپ کو نوچ ڈالیں گے پلیز فار گاڈ سیک خود پر رحم کریں۔'' اسٹیو مودب سا سر جھکائے ہاتھ جوڑے رو دیا، اتنا لمبا چوڑا مضبوط مرد پیا کی بے بسی پر رو دیا پیا خالی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔

''جو ہوا وہ اچھا نہیں ہوا، مگر سر آپ کو تحفظ دے سکتے ہیں آپ کو واپس آپ کے ملک بھجوا سکتے ہیں۔'' پیا کے ذہن میں جھماکا ہوا۔

''اپنے ملک...... پاکستان؟'' ساکت پتلیوں میں حرکت ہوئی۔

ہاں یہ اس کا ملک نہیں تھا یہ اس کے لوگ نہیں تھے تو اس کے ساتھ ایسا ہوا اس کا وطن اس کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کر سکتا تھا اور اس کے وطن کے لوگ بھی، اس نے بے ربط انداز میں سوچ بچار کی تھی۔

وہ اکیلی نہیں تھی اس کی ماں، واثق بھائی ابھی اس کے ساتھ تھے، پیا کے ذہن میں آندھی سی چلی۔

''کیا ماں یہ دکھ سہہ پائے گی کہ اس کی بیٹی کو طلاق ہوئی ہے اور کس وجہ سے اور اگر ماں

نے بھی پیا پر اعتبار نہ کیا تو۔" وہ سارے جگ کی بے اعتنائی سہہ سکتی تھی، مگر اپنی ماں کی بہر حال نہیں، پیا کو چکر آیا بڑے زور کا چکر زمین آسمان گھوم گئے اسٹیو آگے بڑھا۔

"میم! پلیز سنبھالیں خود کو۔" پیا کے بے دم وجود میں کوئی حرکت نہیں تھی۔

☆☆☆

اس کی آنکھ کھلی تو نظر سیدھی لکڑی کے انسولیشن سے مزین چھت کے عین درمیان لٹکتے بے شمار روشنیوں سے سجے فانوس پر پڑی جس کے جلتے زرد بلب سونے کے بنے معلوم ہو رہے تھے، اس نے نظر گھما کر پورے کمرے کا جائزہ لیا یہ ایک درمیانے سائز کا گیسٹ روم لگ رہا تھا جس کی اونچی اور دیوار گیر کھڑکیوں پر سفید جھالر لگے شیفون کے پردے لگے تھے اس کمرے کا سارا فرنیچر بھی پرانے آرٹسٹک انداز کا امریکن کلچر کی نشاندہی کرتا نظر آ رہا تھا، پیا کے ذہن میں جھماکا سا ہوا وہ اچانک لیٹے سے اٹھ بیٹھی اسے یہ اندازہ کرنے میں چنداں بھی وقت نہیں ہوئی کہ وہ کس کے گھر میں ہے، اس کے اٹھ کر بیٹھتے ہی کرسٹین فوراً اس کے پاس آئی۔

"کیسی طبیعت ہے میم!" پیا نے ایک نظر اسے دیکھا جو چہرے پر اپنی پیشہ ورانہ مسکراہٹ سجائے اس سے پوچھ رہی تھی پیا کو حیرت ہوئی تبھی پوچھ بھی لیا۔

"بلاوجہ مسکرا مسکرا کر تمہارے چہرے نہیں تھکتے کرسٹین؟" کرسٹین جواب میں پھر مسکرائی۔

"نو میم، اب تو عادت ہو گئی ہے۔" پیا ہولے سے مسکرائی۔

"مجھے یہاں......"

"اسٹیو لایا تھا آپ کی حالت اس وقت بہت خراب تھی میم!" کرسٹین فوراً تفصیل سنانے لگی تو پیا نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"اسٹیو کدھر ہے اس وقت؟"

"وہ آفس میں ہے سر کے ساتھ انہوں نے آج ایک پریس کانفرنس منعقد کر رکھی ہے ناں، آپ کے کھانے کے لئے کچھ لاؤں میم؟" وہ فوراً انز دیک ہوئی۔

"کیسی کانفرنس؟" اس کا ذہن الجھ گیا۔

"ایکچوئیلی میم، جس چینل نے آپ کے اور سر کے بارے میں رومر (افواہ) پھیلایا سر نے ان پر کیس کیا ہے ان لوگوں نے سر سے معذرت بھی کی اور آج اس رومر کی تردید کے لئے سر نے کانفرنس بلایا ہے اور یہ کانفرنس لائیو کوریج دے گا آل اوور دا ورلڈ۔" پیا کا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا۔

کیا یہ سب ڈھونگ رچانے سے اب اس کی عزت واپس آ جائے گی اس کے دامن پر لگنے والا داغ دھل جائے گا، پیا کی سوچ میں کرب تھا مگر وہ خاموش رہی۔

"میم! کچھ کھا لیں پلیز۔" کرسٹین کو اس کی واقعی میں فکر ہو رہی تھی۔

"کرسٹین تم مجھے وہ سارے اخبار لا دو گی جس میں وہ سب چھپا تھا؟" پیا نے اچانک کرسٹین کی جانب دیکھتے لب دانتوں میں دبائے بمشکل خود کو کہنے پر آمادہ کیا، کرسٹین سمجھ گئی کہ وہ کیا پوچھ رہی ہے اس نے آہستگی سے سر اثبات میں ہلایا۔

"تھینکس، پلیز ابھی لا دو مجھے۔"

"میم آپ کی طبیعت ایسی نہیں آپ پھر کسی وقت......" مگر پیا نے تڑپ کر بات کاٹی۔

"مجھے زہر لا دو کرسٹین تا کہ میرا نظر آنے والا یہ زندہ وجود بھی تم لوگوں کو دکھائی نہ دے کیونکہ میرے کرب کا اندازہ اس طرح سے تم

لوگوں کو نہیں ہو سکتا، میری ساری زندگی ختم ہو چکی ہے میرے پاس کچھ باقی نہیں ہے کوئی رشتہ، کوئی غمگسار کچھ نہیں ساری دنیا میرے اوپر تھوک کر رہی ہے کہ ایک مسلمان لڑکی اپنے شوہر سے بے وفائی کر کے کس طرح سے اپنے بوائے فرینڈ کو بے وقوف بناتی رہی ہے اور اپنا مطلب پورا ہونے پر اس سے اپنا ناطہ توڑ کر پیچھے ہٹ گئی ہے اور......'' اس نے دکھ کی ہچکی لی اور اپنی بات جاری رکھی کرسٹین بے حد حیرت سے منہ کھولے اس کی بات سن رہی تھی۔

''غیر مسلم بوائے فرینڈ اس مسلمان لڑکی کا دیا فریب سہہ نہیں پا رہا اور دیوانوں کی مانند اس کے پیچھے اس زیادتی کا بدلہ۔'' پیا نے ایک اور ہچکی لی۔

''میم آپ کو کیسے پتہ چلا کہ نیوز پیپرز میں یہ سب لکھا ہے؟'' کرسٹین واقعی حیران تھی کہ اسے کیسے پتہ، جو کہانی وہ سنا رہی تھی چینلز اور نیوز پیپر ایسی ہی کہانی کا پرچار کر رہے تھے، مگر پیا اسے بتا نہیں سکی کہ کالک چاہے دنیا کے کسی بھی ملک میں چہرے پر مل جائے اس کا رنگ سیاہ ہی ہوتا ہے اور وہ سیاہ ہی دکھتا ہے۔

کرسٹین تقریباً بھاگتے ہوئے وہاں سے نیچے اسٹڈی روم کی جانب بڑھی اور ان سارے میگزین، اخبارات کو نکال کر پڑھا کم و بیش یہی قصہ ہر اخبار میں دہرایا گیا تھا، کئی جگہ پر فرحاب کے بھی بیانات تھے جس میں اس نے اپنی بیوی کو بدکردار، بدچلن اور نجانے کیا کیا بولا تھا پہلی مرتبہ کرسٹین نے عورت بن کے سوچا اور خود سے عہد کیا وہ یہ اخبارات اور میگزین پیا کو کبھی نہیں دکھائے گی۔

☆☆☆

''اگر میں تمہارے در پر پڑی ہوں تو یہ مت سمجھنا کہ میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے؟'' میکس کے سامنے آتے ہی چلائی تھی۔

''ریلیکس پیا!'' وہ اس کے نزدیک ہوا۔

''میں جانتا ہوں کہ میری جو غلطی ہے اس کی معافی مجھے اتنی آسانی سے نہیں ملے گی، لیکن میں کوشش کرتا رہوں گا، تب تک جب تک آپ مجھے معاف نہ کر دیں۔''

''بھول ہے تمہاری کہ میں تمہیں معاف کر دوں گی، جو کچھ تم نے میرے ساتھ کیا اس کے لئے تو تمہیں میرا اللہ بھی معاف نہیں کرے گا تم نے میری دنیا تباہ کر دی میرا گھر اجاڑ دیا ہے تم نے مجھے دنیا بھر میں رسوا کر دیا ہے۔'' وہ ہسٹریک ہوتے چلائی، بکھرا بکھرا سا میکس دو قدم آگے بڑھا اس کی چال میں واضح لڑکھڑاہٹ اس کی ذہنی اور دلی شکست کو ظاہر کر رہی تھی۔

''پیا! میں نے یہ سب جان بوجھ کر نہیں کیا میرا یقین کریں میں نشے میں تھا اور جو خود نہیں جانتا کہ میرے ساتھ ایسا کیونکر ہوا مجھے تو کبھی نشہ چڑھتا ہی نہیں تھا؟'' وہ بے بس تھا۔

''کبھی آپ نے سوچا میکس کہ دنیا میرے بارے میں کیا سوچتی ہے۔'' وہ پلٹ کر اس کے پاس آئی۔

''یہی نا کہ ایک مسلمان لڑکی نے اپنے شوہر سے بے وفائی کی اور بوائے فرینڈ کو دھوکہ دیا، کیسی لڑکی سمجھتے ہوں گے وہ مجھے، اندازہ ہے اس کا آپ کو، مسلمان عورت کا کیا قصور ہے کیسی عزت و آبرو ہے پورے معاشرے میں کیا آپ جانتے ہیں آپ کو میں اچھی لگتی تھی آپ نے میرے چہرے کو دنیا کا خوبصورت چہرے کا ٹائٹل دلوایا، مگر کیا فائدہ ہوا، آپ کی ذرا سی غلطی نے ساری زندگی کے لئے میرے حسین چہرے پر انمٹ سیاہی تھوپ دی میری بدکرداری اور بدچلن

کی سیاہی۔" میکس تڑپ گیا مگر پیا کو بولنے سے روک نہیں سکا۔

"دنیا کی نظر میں کیا خود اپنے شوہر کی نظر میں، میں بدکار اور ریاکار عورت ہوں کئی مسلم علماء مجھے سنگسار کر دینے کا فتویٰ کر چکے ہوں گے، میڈیا کے پاس پورا ثبوت ہے، مجھے آپ کی گرل فرینڈ ثابت کرنے کے لئے، مجھے بتائیں میں کیسے اپنی بے گناہی ثابت کروں گی، سب کے سامنے سچ کیا ہے کیا کوئی اس کا یقین کرے گا؟"

وہ سراپا سوال بنی اس کے سامنے تن کر کھڑی تھی میکس گروک شرمندگی کی اتھاہ گہرائی میں اترنے لگا۔

"میری بے گناہی کا کوئی یقین نہیں کرے گا میکس؟" ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے، پیا بکھر گئی اور پھوٹ پھوٹ کے روئی پیا کا ہر آنسو میکس کے دل پر گرتا اسے شرمندگی کی گہری دلدل میں دھکیلنے لگا۔

"آپ مریم ہیں پیا، آپ پارسا ہیں؟" میکس نے چبا چبا کر ایک ایک لفظ میں طاقت بھرنے کی کوشش کی۔

"ہاں مگر کوئی یقین نہیں کرتا۔" پیا اور درد سے روئی۔

"ساری دنیا یقین بھی کرے گی اور مانے گی بھی۔" میکس نے عہد باندھ لیا، پیا نے اسے ایک نظر دیکھا اس نظر میں صرف استہزاء تھا۔

"مجھے ساری دنیا کو یقین نہیں دلانا میکس، مجھے صرف فرحاب کو یقین دلانا ہے اپنی بے گناہی کا، میری زندگی میں آنے والا وہ پہلا اور آخری مرد تھا، میں نے اسے اپنا آپ سونپا اور پوری ایمانداری سے اس کی ہو کر رہی، مجھے اسے یہ یقین دلانا ہے کہ ہر عورت بری ہوتی ہے نہ بد کردار جیسی...... جیسی افراح ایرانی تھی پیا ویسی نہیں ہے اسے بتایا گیا ہے اسے یقین آنا چاہیے ورنہ وہ کسی پر یقین نہیں کر سکے گا اور میں ایسا نہیں چاہتی کسی بھی قیمت پر۔" میکس نے دیکھا وہ آج بھی اس مرد کے لئے رو رہی تھی جس نے اسے اپنی زندگی سے نکالتے لمحہ بھر کو بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ سب جھوٹ بھی ہو سکتا ہے، کسی کی سازش بھی، ایسی ہی محبت کا تو وہ متلاشی و متمنی تھا، محبت اس کا نصیب کیوں نہیں تھی وہ تو قدر دان تھا فرحاب شفیق کے نصیب میں کیوں تھی اسے تو محبت کا مطلب و مفہوم بھی معلوم نہیں تھا۔

"آپ جانتی ہیں پیا! جب حضرت مریم علیہ السلام کے ہاں حضرت عیسیٰ کا جنم ہوا، کبھی کسی غیر مرد نے انہیں چھونا تو دور دیکھا تک نہیں تھا، تب لوگوں نے ان پر بہت باتیں کیں اتنی کہ وہ بھی اوپر والے سے شکوہ کناں ہو گئیں لیکن ان کی بے گناہی اور باکرداری خدا نے ایک مقررہ وقت پر ثابت کی ایک وقت آیا جب دنیا نے......" میکس اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا جو کہ روتے روتے زمین پر بیٹھ گئی تھی۔

"وہ حضرت مریم علیہ السلام تھیں میکس، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ انہوں نے ایک پیغمبر کو جنم دیا تھا، میں ان کے قدموں کی خاک بھی نہیں ہوں میرا اور ان کا کوئی مقابلہ نہیں آپ خدا کے لئے مجھے ایسی کسی پاکیزہ ہستی سے نہ ملائیں۔"

"سچ کہا آپ نے، مگر آپ پارسا ہیں پیا، میں اس بات کا یقین ساری دنیا کو دلا سکتا ہوں، چینلز پر معذرتی ہیڈ لائنز چل رہی ہیں اخبارات میں تردید کی جا رہی ہے دنیا جاننے لگی ہے کہ سچائی کیا ہے؟" وہ اس کے سامنے دو زانو بیٹھا آنکھوں میں نمی لئے اسے دکھ سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا یہ سب کرنے سے میرے دامن پر لگا

داغ دھل جائے گا، فرحاب مجھے دوبارہ اپنالیں گے، میرا گھر بس جائے گا میرا دل آباد ہو جائے گا؟" اس کی آنکھوں میں ڈھیر سارے سوال تھے اور لبوں پر کرلاہٹ، بین، آہیں، سسکیاں۔

"کچھ نہیں ہوگا میکس، ایسا کچھ نہیں ہوگا۔" اس کی سسکیاں پورے خواب محل میں گونجنے لگی تھیں۔

☆☆☆

"اتنا سب کچھ ہو گیا اور تم نے ہمیں بتایا تک نہیں۔" واثق بھائی فون پر بے حد برہم انداز میں برس رہے تھے، پیا بے آواز روتی رہی۔

"پیا!" کچھ دیر وہ اس کی خاموش سسکیاں سنتے رہے، بالآخر بول دیئے۔

"ملوشے آفریدی بہت باہمت لڑکی ہے وہ سخت ترین اور کڑے حالات کا مقابلہ بہت ہمت اور جواں مردی سے کرنے والی ہے، ہے ناں پیا۔" پیا تردید کرسکی نہ ہی تائید بس سسکیوں کو زبان مل گئی، اس کے آنسو واثق بھائی کے دل کو چیرتے چھید کرنے لگے۔

"میں اچھی لڑکی نہیں ہوں واثق بھائی۔" پیا کے لبوں سے الفاظ ٹوٹ کر بکھرے۔

"کون کہتا ہے؟" دوسری جانب وہ جیسے تڑپ کر بولے۔

"یہاں کا موسم مجھے راس نہیں آیا واثق بھائی، نیویارک شہر کی سرد فضا اور اونچی عمارتوں نے میری چھوٹی چھوٹی خوشیاں چھین کر مجھے تہی داماں کر دیا ہے، میں تہی دست ہوگئی ہوں داغدار ہوگئی ہوں۔" پیا کی سسکیاں ہچکیوں میں بدل گئیں۔

"ایسا کیوں سوچتی ہو پیا، تم نے کچھ نہیں کھویا، تمہارے دامن پر کوئی دھبہ نہیں ہے اور تہی دست تو فرحاب شفیق نکلا جو تم جیسے ہیرے کی قدر نہیں کر سکا۔" بے دردی سے روتی ہوئی پیا اتنی دور بیٹھے واثق بھائی کو تڑپا رہی تھی مگر وہ کچھ کر نہیں سکتے تھے۔

"واثق بھائی!" روتے روتے وہ اچانک ان سے مخاطب ہوئی۔

"آپ تو جانتے ہیں نا اپنی پی کو، آپ کو تو میری اور میرے کردار پر اعتماد ہوگا آپ جانتے ہیں نا کہ میں ایسا کچھ نہیں کر سکتی۔"

"میں جانتا ہوں پیا کہ تم ایسا سوچنا بھی گناہ سمجھتی ہو۔" واثق بھائی کے لہجے میں ٹھہراؤ اور سکون تھا۔

"تو پھر فرحاب نے یقین کیوں نہیں کیا میرا، پورے دو سال کا ساتھ تھا ہمارا وہ اچھے سے جانتے تھے مجھے، پھر انہوں نے مجھے بدکردار اور ریاکار کیوں کہا انہوں نے مجھے بدچلن کیسے سمجھ لیا۔" وہ مچل مچل کر بولتے واثق بھائی کو تڑپاتی رہی۔

"جو ہوا اسے بھولنے کی کوشش کرو پیا، زندگی بہت طویل ہے اور اسے کسی ناقدرے شخص کے جوگ میں رولنا نہیں، تمہیں آئندہ کے لئے کچھ اچھا کرنے کا سوچو۔" انہوں نے اسے رسانیت سے سمجھایا مگر پیا نے کوئی جواب نہیں دیا، جو کچھ زندگی اس کے ساتھ کر چکی تھی، اب کوئی بھی اچھی سوچ اس کے ذہن میں آ ہی نہیں پاتی تھی اور کسی کو اعتبار کے قابل سمجھنا تو اب ناممکنات میں سے ہوگیا تھا اس کے لئے۔

"اماں کو خبر ہوگئی کیا؟" تھوڑی دیر کی بوجھل خاموشی کے بعد پیا نے آہستگی سے پوچھا۔

"ہاں اور دن رات روتی ہیں تمہارے لئے انہیں یہ دکھ دیمک کی مانند چاٹے جا رہا ہے کہ انہوں نے پردیس میں بیاہ کے تمہارے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کی انہوں نے غموں کا گڑھا خود

اپنے ہاتھوں سے کھو کر تمہیں اس میں دھکا دے کر گزرا ہے ایسا ان کا قوی خیال ہے جو انہیں چین نہیں لینے دے رہا؟'' واثق بھائی نے ٹوٹ بکھرے لہجے میں کرب چھپاتے بڑے طاقت و ہمت سے کہا مگر پیا پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

''آپ نے انہیں بتایا ہی کیوں؟'' وہ کرب سے بولی۔

''جانتی ہو پیا جب تمہارا ایکسیڈنٹ ہوا تھا، تب فرحاب بوسٹن میں تھا اور میں بھی ایک کورس کے سلسلے میں لاہور گیا ہوا تھا اور اتفاق سے تمہارا رابطہ بھی کافی دنوں سے چچی سے نہیں ہو پایا تھا مگر تم جان کر حیران ہو گی جب میں آفس سے واپس گھر آیا تو سکندرہ چچی تمہارے لئے بے حد پریشان تھیں ان کی چھٹی حس بار بار انہیں الارم کر رہی تھی کہ تم کسی خطرے میں ہو، وہ ان کی ممتا کا الارم تھا پی اور ماؤں کو کبھی بھی یہ جاننے کی ضرورت نہیں ہوتی کہ ان کی اولاد کس حال میں ہے مائیں جان جایا کرتی ہیں۔'' پیا واثق بھائی کی وضاحت پر اور شدت سے رو دی واثق بھائی نے اپنی نم آنکھوں کو صاف کیا اور بولے۔

''جو ہو گیا ہم سے اچھا نہیں کر سکتے لیکن مزید برا ہونے سے بچ ضرور سکتے ہیں۔'' پیا ان کی بات سن کر الجھی۔

''میں سمجھی نہیں واثق بھائی؟''

''مانا کہ میکس کی غلطی سے تم پر انگلیاں اٹھی ہیں مگر اگر میکس یہ غلطی نہ بھی کرتا تب بھی تمہارے اور میکس کروک کے حوالے سے ایسے رومرز پھیلنے تھے، لیکن میکس نے اپنی غلطی سدھارنے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا، تمہارا علاج معالجہ تمہاری حفاظت اور رہائش کا ذمہ تک لے رکھا ہے میڈیا والے تم پر مزید کوئی کیچڑ نہ اچھالیں ان کے منہ بند کر دیئے ہیں اس نے، تمہیں تحفظ دے رہا ہے تم سے معافی کا درخواستگار ہے اور یہ اپنے آپ میں بہت بڑی بات ہے، ورنہ سوچو اگر وہ تمہاری دل سے عزت اور قدر نہ کرتا تو اسے کیا پرواہ تھی وہ تو مرد تھا اور انگلی ہمیشہ عورت پر اٹھتی ہے مرد پر نہیں۔''

''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟'' پیا نے بات کا مفہوم سمجھتے سنجیدگی سے پوچھا۔

''صرف اتنا، کہ پرانی باتیں بھولنے کے ساتھ ساتھ اپنا ظرف وسیع رکھو۔''

''آپ کے کہنے کا مطلب ہے کہ اس سارے قصے میں میکس کروک بے قصور ہے؟'' پیا تڑخی۔

''نہیں، مگر وہ شرمندہ ہے اور چاہتا ہے کہ تم اسے دل سے معاف کر دو؟'' پیا کو واثق بھائی میکس کروک کی وکالت کرتے بڑے عجیب سے لگے تھے۔

''اس شخص نے میرا گھر اجاڑ دیا فرحاب کو ہمیشہ کے لئے مجھ سے بدگمان کر دیا اور آپ کہہ رہے ہیں کہ اسے معاف کر دوں۔'' پیا حیرت سے منجمد دکھ سے چور لہجے میں بول رہی تھی۔

''تمہارا گھر اس نے نہیں فرحاب شفیق کے بے جا شک اور قدامت پسندی کی وجہ سے ٹوٹا ہے پی، مانا کہ میکس نے غلط کیا مگر فرحاب نے کون سا بڑے پن کا ثبوت دیا بغیر حقیقت جانے اس نے محض ایک خبر پر تمہیں اپنی زندگی سے نکال کر در بدر کر دیا۔''

''آہ...... حقیقت کتنی دردناک اور ہولناک تھی۔'' پیا نے کرب سے آنکھیں موندتے سوچا۔

''اسی لئے میں میکس کو سمجھاتی تھی کہ مجھ سے دور رہو اور میرے حالات کو سمجھو مگر وہ تو دشمنی پر اترا ہوا تھا اسے کیونکر میرے حالات سے ہمدردی ہوتی۔'' وہ درد سے بے حال ہوئی کرب

سے چیخ تھی۔

دروازے کے باہر سے گزرتے میکس کروک نے پیا کے ایک ایک لفظ کو زہر کی مانند اپنے دل میں اتارا، اس زہر کا تریاق شاید دنیا کے کسی حکیم اور سائنسدان کے پاس نہیں تھا، میکس کروک پچھتاوے کی بھاری سولی سینے پر لئے آگے بڑھ گیا اس کا روتا کرلاتا اور پچھتاتا دل پیا کے دروازے کے باہر کہیں دہائیاں دیتا رہ گیا اور اندر پیا کا ماتم جاری وساری رہا۔

☆☆☆

میکس کروک اپنے کمرے میں لیپ ٹاپ پر بیٹھا ای میل چیک کر رہا تھا، گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں پارسا کو اس سال کے خوبصورتی ترین چہرے کا ٹائٹل دیا جا رہا تھا اور اس کے لئے ایک نجی چینل ایک فنکشن منعقد کر رہا تھا جس میں میکس کروک اور پارسا کو باقاعدہ انوائیٹ کیا گیا تھا، میکس نے وہاں جانے کا ارادہ فی الحال کیا تھا نہ ہی جانے کی حامی بھری، اس کے بے شمار فینز کی ای میلز تھیں جن میں انہوں نے پارسا کا ذکر بڑی محبت اور اشتیاق سے کرتے بہت سی اور باتوں کے متعلق بھی پوچھا تھا، کئی ایک نے پارسا اور اس کے اسکینڈل کے بارے میں اپنی رائے بھی دی ہوئی تھی، میکس ایک نظر تمام میلز کو دیکھتا رہا مگر کسی ایک کو جواب دینے کی زحمت گوارا نہیں کی ایسا اس کا ارادہ ہی نہیں تھا مگر ایک ای میل نے اسے چونکا دیا تھا۔

اس میں نہ تو پارسا کے بارے میں کرید کیا گیا تھا نہ ہی میکس کروک کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملائے گئے تھے اس میں فقط پیا کے بارے میں پوچھا گیا تھا میکس کروک اس ای میل کو پڑھتے ہی چونک گیا تھا، اس نے فوراً ہی اس میل کا جواب دیا تھا۔

''سر!'' میل کا جواب لکھ کر اس نے سینڈ کا بٹن دبایا ہی تھا کہ کرسٹین دروازہ ناک کرتی اندر داخل ہوئی تھی۔

''ہاں بولو؟'' میکس پلٹے بغیر بولا کرسٹین نزدیک چلی آئی۔

''سر! وہ میم نے صبح سے کچھ نہیں کھایا، اب ڈنر کے لئے بھی منع کر دیا ہے اور باہر بیک یارڈ میں بغیر کسی سوئیٹر کے سردی میں بیٹھی ہوئی ہیں؟'' میکس ریوالر چیئر کو جھلا رہا تھا کرسٹین کی بات سن کر جھولانا بند کیا اور مڑا۔

''تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟'' وہ چیئر سے اٹھا اور کوٹ پہننے لگا۔

''مجھے لگا انہیں بھوک لگے گی تو کھا لیں گی۔'' کرسٹین نے سر جھکاتے آہستگی سے بتایا۔

''انہوں نے میڈیسن بھی نہیں لی ہو گی یقیناً۔'' میکس کا انداز جتانے والا تھا کرسٹین کا سر مزید جھک گیا۔

''وہ بہت ضد کرتی ہیں سر، اور بہت ہائپر بھی ہو جاتی ہیں۔'' کرسٹین نے اس کے اٹھتے تیز قدموں سے قدم ملانے کی کوشش کرتے تقریباً بھاگنے والے انداز میں کہا تھا۔

''ایسا کوئی بھی کام مت کیا کرو جو میم کو ناگوار گزرتا ہو میری سمجھ میں نہیں آتا آخر تم لوگ اس بات کو سمجھو گے کب، کتنی کریٹکل کنڈیشن ہے ان کی۔''

''سوری سر، آئندہ آپ کو شکایت نہیں ہو گی؟'' کرسٹین مودبانہ معذرت کرتی واپس پلٹ گئی، میکس کروک پیا کے نزدیک پہنچ چکا تھا جو شدید سردی میں گرتی برف پر سے دی سے بے نیازسی پول کے کنارے بیٹھی تھی، پول کے یخ پانی میں چاند کا عکس بڑا روشن اور تابناک تھا میکس دو قدم آگے بڑھا اور الجھ گیا وہ اندازہ نہیں کر پایا کہ

پانی میں نظر آتے چاند کا عکس زیادہ حسین ہے یا پیا کا چہرہ۔

''پیا! آپ نے کھانا کیوں نہیں کھایا؟'' وہ اس کے قریب پہنچ کر اس کے پاس پول کے پاس نیچے فرش پر بیٹھتے ہوئے استفسار کر رہا تھا جھلملاتے ہلکے نیلے رنگ کے پانی کا عکس پیا کے روشن اور صبیح چہرے کی تابناکی میں اضافہ کر رہا تھا، اس کے چہرے سے روشنی پھوٹتی محسوس ہو رہی تھی۔

پیا نے ایک نظر میکس کروک کو دیکھا جس کے بال سیاہ اور ہلکی ہلکی بڑھی داڑھی اسے ایشیائی مرد جیسی لگ رہی تھی اور سر جھکا کر جواب نہیں دیا فرش کی گیلی سطح پر اپنی شہادت کی انگلی سے کچھ تحریر کرتی رہی۔

''میں آپ سے مخاطب ہوں۔'' میکس نے دوبارہ قدرے اونچی آواز میں انتباہ کی۔

''کیا آپ کو ایسا لگتا ہے میکس کہ میں آپ کے ہر سوال کا جواب دینے کی پابند ہوں۔'' اس کا لہجہ ٹھنڈا اور برفیلا تھا جسے میکس نے پوری شدت سے محسوس بھی کیا۔

''آپ میری ذمہ داری ہیں فی الوقت، آپ جواب دینے کی نہ سہی مگر میں آپ کا خیال رکھنے کا پابند ضرور ہوں، اس وقت تک جب تک میں بحفاظت آپ کو آپ کے گھر نہیں پہنچا دیتا۔'' میکس نے اتنی ہی حلاوت سے جواب دیا جس قدر تندی و ترشی سے پیا نے سوال کیا تھا، پیا کے چہرے پر استہزائیہ بکھر گیا۔

''اس کا کوئی فائدہ نہیں مسٹر میکس، آپ صرف پتھر سے سر پھوڑ رہے ہیں؟'' وہ گیلی لکڑی کی مانند سلگتے ہوئے چیخی میکس دھیمے انداز میں مسکرایا۔

''میں نے پتھروں میں بھی جونک لگتے دیکھا ہے پیا، اس مقام پر ایسے ہی نہیں پہنچا بہت کشٹ اٹھائے ہیں۔'' اس نے دوبارہ پیا کے پانی سے لکھے حروف پر نگاہ جمانے کی کوشش کی وہ بار بار کیا لکھ رہی تھی میکس سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

''اچھا!'' پیا کے لہجے کا استہزاء پورے ماحول میں بکھر گیا۔

''اتنے ہی تجربہ کار تھے تو وہ سب کیوں کیا جسے آپ محض نشے میں کی ہوئی غلطی تصور کرتے ہیں، جبکہ آپ تو اس سب کے نتائج سے بھی باخبر تھے۔''

''اگر مجھے سنگین نتائج کا ذرا سا بھی اندازہ ہوتا تو وہ سب کرتا ہی کیوں، میں نے آپ سے کہا تھا ناں جوانی کے خواب بڑے اتاؤلے ہوتے ہیں یہ سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں مفقود کر دیتے ہیں۔'' میکس نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے پیا کے ناراض نروٹھے چہرے کو دیکھا پھر اس کی سیاہ بھنورا آنکھوں کو، جن میں میکس نے کبھی اپنے لئے بہت نرمی فکر محبت و حلاوت دیکھی اور محسوس کی تھی مگر آج ان آنکھوں کا اجنبیت بھرا تاثر میکس کو بہت تکلیف دے رہا تھا۔

''وہ سب آپ کی پلاننگ تھی میکس، جو کہ میں نہیں جانتی کہ میرے لئے ہی کیوں سوچی گئی تھی۔'' میکس نے ایک نظر اس کے برہم انداز کو دیکھا اور سر جھٹک گیا وہ جتنی مرضی کوششیں کرتے سر پٹخ لے مگر پیا کی بدگمانی کو ختم نہیں کر سکتا تھا۔

''میں شاید اگر جان بھی دے دوں تب بھی شاید آپ کا دل میرے لئے معافی کی گنجائش پیدا نہ کر سکے، ہے ناں؟'' میکس نے تھکے تھکے سے انداز میں کہا۔

''ایسی کوئی کوشش بھی مت کیجئے گا میکس، آپ کی ایسی کوئی بھی تھرڈ کلاس حرکت میرا دل صاف کر سکتی ہے نہ ہی میری کھوئی خوشیاں لوٹا

سکتی ہے، ہاں مجھے بدنامی کے گڑھے میں ضرور گرا سکتی ہے۔'' وہ برہمی سے بولتے میکس کو نفرت سے دیکھ رہی تھی، میکس نے اس کی انگلیوں میں واضح لرزش دیکھی، میکس نے صاف دیکھا وہ مضبوط نظر آنے کا ناٹک کرتی ہے دل کی ابھی بھی نازک اور کمزور لڑکی ہے جو اندھیرے سے بھی خوفزدہ ہو جانے والی ہے۔

''زندگی اپنے دامن میں ڈھیروں خوشیاں لئے آپ کی منتظر ہے پیا، پیچھے مڑ کر دیکھنے والے عموماً پتھر کے ہو جایا کرتے ہیں۔''

''آپ کے منہ سے ناصحانہ باتیں سن کے مجھے بہت ہنسی آ رہی ہے میکس یہ بالکل ایسے ہی ہے کہ ایک انسان جوانی جدوجہد سے مکان کی اینٹ اینٹ جوڑ کر اسے گھر بنائے اور آپ ایک ہی جست میں اسے توڑ پھوڑ کر اس کی محنت اکارت کرتے اسے کہیں کہ یہ جگہ اچھی ہے نہ ہی مکان تم دوبارہ کوشش کر کے نئے سرے سے نئی جگہ بناؤ تمہارے لئے زیادہ سودمند ہوگا، اس شخص کو کتنا دکھ ہوگا کتنی اذیت ملے گی کاش اس بات کا اندازہ آپ کر سکتے؟'' پیا نے آنکھوں میں آئی نمی کو جھٹکا وہ کسی صورت کمزور نہیں دکھنا چاہتی تھی۔

''میں آپ کے ہر دکھ کا مداوا بنوں گا پیا، میں آپ کی کھوئی خوشیاں لوٹا کر آپ کو باعزت طریقے سے......''

''بس آپ تھکتے کیوں نہیں ایک ہی راگ بار بار الاپتے، کیوں میری اذیت کو دوچند کرنے پر تلے رہتے ہیں ہمہ وقت۔'' وہ ایک دم سے اس کی ادھوری بات سن کے چلائی تھی۔

''آپ مجھے دل سے معاف کر دیں پیا، مجھے اس کے علاوہ زندگی سے کسی چیز کی تمنا نہیں ہے۔'' پیا نے اس سے تڑپ کر میکس کو دیکھا وہ ایسی دعا کیوں مانگ رہا تھا، ادھوری نامکمل دعا، جیسی پیا نے مانگی تھی فرحاب کی صحت اور لمبی زندگی کی دعا مگر وہ اپنے اور اس کے دائمی ساتھ کی دعا کرنا بھول گئی تھی میکس بھی یہی غلطی دہرا رہا تھا، پیا نے نفی میں سر ہلاتے کرب سے سوچا تھا۔

☆☆☆

''اتنا سب کچھ ہو گیا پیا اور مجھے خبر تک نہیں کی؟'' پریت اس کے سامنے بیٹھی حیرت سے اس سنگی مجسمے کو دیکھ رہی تھی جسے غم نے پتھر کر دیا تھا۔

''رسوائی تو زمانے بھر میں ہوئی مجھے لگا تم نے بھی سن لیا ہوگا۔'' اس کے کھوئے کھوئے سے انداز کو پریت نے بے حد دکھ سے دیکھا۔

''یہ کیا حالت بنا لی ہے تم نے پیا! پلیز سنبھالو خود کو۔'' پریت نے تاسف سے اس کومل لڑکی کو دیکھا جس کی معصومیت کی ایک دنیا اسیر تھی۔

''کیوں...... کیا ہوا مجھے زندہ تو ہوں، جی بھی رہی ہوں، ان فیکٹ بہت ڈھیٹ ہوں میں؟'' وہ کرب سے مسکرائی یوں کہ ہر درد آشکار ہونے لگا پریت رو ہی تو دی۔

''یہ تم مجھ سے پوچھ رہی ہو کہ تمہیں کیا ہوا ہے؟'' پریت کے لہجے میں تحیر سے زیادہ دکھ تھا۔ ''رنگت دیکھو کیسی زرد ہو رہی ہے تمہارا چہرہ کس قدر بے رونق ہو گیا ہے۔''

''میری تو زندگی ہی اجڑ گئی ہے اس کا چہرہ اتنا بھیانک اور کریہہ ہو گیا ہے کہ باقی کسی طرف تو دھیان اب جاتا ہی نہیں میرا، فرحاب کی بدگمانی نے میرے دل پر گھاؤ ڈال دیئے ہیں، پریت میرا رب گواہ ہے کہ میں نے کبھی انہیں دھوکا دینے کا سوچا تک نہیں تھا، میرے لئے تو یہ گناہ کبیرہ سے بھی بڑھ کر تھا؟'' اس نے آنسو صاف کرتے کہا۔

''میں جانتی ہوں پیا! اسی بات کا ڈر تھا مجھے

بھی، یہی خوف مجھے ستاتا تھا کیونکہ میں فرحاب بھائی کی فطرت سے اچھی طرح سے آگاہ تھی۔''
پیا نے تڑپ کر پریت کو دیکھا اور فوراً بولی۔
''مگر پریت میکس کروگ کی پیش رفت کا جواب فرحاب نے خود خوشدلی سے دیا تھا، تم جانتی ہو کہ میں انٹرسٹڈ نہیں تھی۔''
''میں جانتی ہوں پیا! مجھے تمہارے کردار کی گواہی دینے کے لئے کسی شہادت کی ضرورت نہیں ہے، تم باحیاء ہو اور یہ بات دنیا تسلیم کرتی ہے یقیناً ایک دن فرحاب بھائی بھی کریں گے جب انہیں حقیقت کا علم ہوگا؟'' پریت نے اس کے ہاتھ پر تسلی آمیز لہجہ اختیار کرتے ہاتھ رکھا۔
''تم فرحاب سے ملی تھیں؟'' پیا نے بہتے آنسوؤں کو ہاتھ کی پشت سے صاف کرتے پوچھا تو پریت نے آہستگی سے سر کو اثبات میں جنبش دی۔
''بہت بیمار اور کمزور ہو گئے ہیں پہلے سے اور...... اکیلے بھی۔''
''یہ اکیلا پن انہوں نے خود منتخب کیا ہے پریت! میں نے تو بہت کوشش کی تھی اپنا تنکا تنکا آشیانہ جوڑ کر رکھنے کی۔'' پیا کے لہجے میں سلگتے دکھوں کی ہوک تھی بین اور آہیں تھیں۔
''جسئی بتا رہے تھے اب تو بہت خاموش رہنے لگے ہیں مسجد جانے لگے ہیں ہر وقت تسبیح پڑھتے ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔'' پریت نے مزید بتایا تھا۔
''پاء جی کیسے ہیں پریت، انہیں بھی ساتھ لے آتیں؟''
''وہ بھی آئیں گے تم سے ملنے، کہہ رہے تھے مجھ سے۔'' پریت نے بیگ سے پیکٹ نکالا۔
''مجھے وہ دن بڑے یاد آتے ہیں پریت جب ہم دونوں ایک ساتھ گھر رہا کرتے تھے تمہارے ہاتھ کے بنے مزیدار کھانے اور میری فرمائشیں اور تمہارے لاؤنج کے سپرنگ والے وہ صوفے جن پر میں زور زور سے اچھلا کرتی تھی۔''
دونوں حسین یادیں یاد کرتے ایک ساتھ ہنستے ہوئے رو رہی تھیں۔
''واہے گرو نے چاہا تو وہ دن دوبارہ لوٹ آئیں گے پیا۔'' پریت نے اس کے آنسو پونچھتے تسلی دی۔
''کیسے پریت؟'' پیا کے لہجے میں ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں جیسی چبھی تھی، کانچ کی چبھن پریت کے دل پر گھاؤ ڈالنے لگی یہ تو اس نے سوچا ہی نہ تھا کہ اب یہ ممکن نہیں رہا تھا فرحاب شفیق نے فیصلہ سنانے میں جلدی بھی تو بہت کی تھی۔
''تو کیا تم چلی جاؤ گی واپس؟'' پیا نے دونوں گھٹنوں کے گرد بازو جوڑ کر او پر سر رکھ دیا۔
''پتہ نہیں، مگر یہاں رہ کر کروں گی بھی کیا نیویارک شہر کی فضا بہت سرد اور بے رحم ہے اور یہاں کے لوگ بھی، ہم جیسوں کو یہ شہر راس آتا ہے نہ ہی قبول کرتا ہے، خیر تم بتاؤ، میرا کس نے بتایا کہ میں یہاں ہوں؟'' آنسو خشک کرتے اس نے بات بدلی۔
''جیسے ہی واپس آئی تو پہلے فرحاب بھائی کے پاس گئی تھی لیکن اس سے بھی پہلے جب سارا قصہ پھیلا، تو میں نے میکس کو میل بھیجی تھی جواباً اس نے میل کے ساتھ کال کرتے ساری صورتحال بتائی تبھی میں فوراً چلی آئی میں نے جسئی کے نہ آنے کی بھی پرواہ نہیں کی اور چلی آئی۔'' پیا کو دل میں اس کی دوستی پر فخر ہوا۔
''تو کیا تم جسئی پاء جی کے بغیر انڈیا سے واپس آ گئی ہو؟''
''نہیں۔'' وہ ہلکے سے مسکرائی۔
''میں ایک فلائٹ سے واپس آئی تو وہ

دوسری سے۔

"اور ابھی بھی تم شکوہ کرتی ہو کہ وہ تم سے پیار نہیں کرتے۔" پیا نے اس کی بات درمیان سے اچکی پریت نے سر کھجاتے اسے آنکھ ماری۔

"پاء جی جیسا محبت کرنے والا شوہر بہت قسمت والوں کو ملتا ہے پریت، وہ تم پر اعتبار کرتے ہیں، بہت محبت کرتے ہیں تم سے اللہ تمہیں ہمیشہ بہت خوش رکھے۔" پیا نے اسے سچے دل سے دعا دی تو پریت ماتھے پر ہاتھ مارتے مارتے اچانک جیسے کچھ یاد آ جانے پر بولی۔

"لو باتوں ہی باتوں میں، میں تو بھول ہی گئی چندی گڑھ سے تمہارے لئے کچھ چیزیں لائی تھی یہ رہا چندی گڑھ کا سوہن حلوہ، پراندے اور پنجابی کڑھائی والے کرتے۔" پریت نے جلدی جلدی ساری چیزیں نکال کر اسے دکھائیں۔

"یہ سب چیزیں میری بے بے نے بھجوائی ہیں تیرے لئے پیا، انہوں نے بہت ساری دعائیں بھی ساتھ بھیجی ہیں کہہ رہی تھی کہ پیا سے کہنا ایسا وقت زندگی میں شاید ہر خوبصورت عورت پر آتا ہے جب حسن ہی اس کا بیری بن جاتا ہے پر تم ہمت مت ہارنا کیونکہ جیت ہمیشہ سچائی کی ہوا کرتی ہے۔" پریت نے پیا کے آنسو صاف کرتے اسے بے بے کا پیغام پہنچایا تھا۔

☆☆☆

پیا ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی وہ پروگرام دیکھ رہی تھی جس میں گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں اس کے پورٹریٹ کو مونا لیزا کے بعد دنیا کا دوسرا خوبصورت ترین پورٹریٹ کہا گیا تھا پارسا کو سال کے خوبصورت چہرے کا ایوارڈ دیا گیا تھا، پارسا کی پارسائی پر کتنا کیچڑ اچھالا گیا تھا، فن کے دلدادہ اور قدر دانوں کو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا وہ فن کے مداح تھے اور کام کو اہمیت دینے والے تھے وہ آرٹ کے مداح تھے اور کام کی بیس کو دیکھ کر ہی فیصلہ کرنے والے تھے پیا کو اس بات کا اندازہ وہ پروگرام دیکھنے کے بعد ہوا تھا، اس کے لبوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اس نے چینل تبدیل کرتے صوفے پر لیٹے آنکھیں موند لیں۔

"میم! سر پوچھ رہے ہیں اگر آپ فری ہیں تو وہ کوئی بات کرنا چاہتے ہیں آپ سے؟" کچھ ہی دیر گزری ہوگی جب کرسٹین اس کے پاس میکس کروک کا پیغام لے کر آئی تھی۔

"ہوں...... کہاں ہیں تمہارے سر؟" اس نے کچھ سوچتے دوبارہ پوچھا۔

"وہ اپنے اسٹوڈیو میں ہیں۔" کرسٹین کے جواب پر پیا نے اٹھ کر بال سمیٹے اور انہیں جوڑے کی شکل میں باندھ کر دوپٹہ اپنے شانوں پر اچھے سے پھیلا لیا، کوئی اور وقت ہوتا تو وہ کبھی نہ جاتی مگر ابھی کچھ دیر پہلے ٹی وی پر دیکھنے والے پروگرام نے اس کا موڈ قدرے بحال کیا وہ طویل کوریڈور عبور کرتی اسٹوڈیو کی طرف بڑھ رہی تھی پیا نے اس کوریڈور کی طرف سرسری نگاہ کی ہر دفعہ اسے یہ آرٹ گیلری کی مانند طرح طرح کے منی نثر پاروں سے مزین ایک خفیہ آرٹ گیلری محسوس ہوئی ماسوائے ایک فوٹو فریم کے، جو میکس کروک کی پسندیدہ ترین کار رائٹرز رائے کا تھا پیا اسٹوڈیو کے مرکزی دروازے پر رک گئی، طویل اور وسیع اسٹوڈیو خالی تھا پیا نے دیکھا اسٹوڈیو کے سفید جھالر والے پردے ہلکے ہلکے ہوا سے پھڑ پھڑا رہے تھے اس کے بائیں کونے میں پہلے ایک چھوٹا سا بار بنا تھا جس میں قیمتی شراب رکھی ہوئی تھی اور میکس کام کے دوران برابر گھونٹ گھونٹ شراب کسی امرت رس کی مانند پیتا رہتا وہ اب وہاں

موجود نہیں تھا پیا کو ایک لمحے کے لئے حیرت ہوئی، میکس نے وہ بار یہاں سے کیوں ہٹا دیا تھا وہ تو شراب کا رسیا تھا۔

پھر...... خیر یہ گھر اس کا تھا اور وہ شراب رکھے یا نہ رکھے پیئے یا نہ پیئے اسے کیا پرواہ، پیا نے ایسے سوچتے کندھے اچکائے۔

چند قدم آگے بڑھ کر پیا جب اسٹوڈیو کے وسط میں آئی تو اس کی نظر دائیں جانب سامنے بنی گلاس ونڈو کی طرف گئی یہ ایک دیوار گیر ونڈو تھی جو گلاس کی بنی تھی اور اس کے پردے ہٹے ہوئے تھے اور کھڑکی کا ایک پٹ بھی کھلا تھا، پیا لمحوں میں جان گئی، میکس ٹیرس پر تھا وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی اس طرف چلی آئی تھی اور وہیں پر اس نے میکس کروک کا وہ بائی نوکیلر اسٹینڈ دیکھا جس سے پہلی بار میکس نے پیا کو دیکھا تھا، پیا نے ایک نظر میکس کروک کے ٹیرس پر کھڑے ہو کر کوئین سٹی اپارٹمنٹ کی جانب دیکھنے کی کوشش کی مگر اونچی عمارتوں اور گہری دھند کی وجہ سے دیکھ نہیں پائی، میکس کسی کی موجودگی کو محسوس کرتے پلٹا اور پھر پیا کو وہاں دیکھ کر ساکت رہ گیا، جس کے چہرے پر کرب پھیلا تھا، اس نے سفید ڈریس پینٹ کے ساتھ ہائی نیک فیروزی جرسی پہن رکھی تھی جس میں اس کا کسرتی چوڑا سینہ مزید کشادہ محسوس ہو رہا تھا پیا نے بس ذرا کی ذرا دیکھا وہ بلاشبہ ایک وجیہہ مرد تھا اور اس بات کا اعتراف اس کے دل نے چپکے سے کیا تھا۔

''تو یہ ہے میری بربادی کی ذمہ دار؟'' پیا نے بائی نوکیلر کی جانب انگلی سے اشارہ کرتے میکس سے پوچھا تھا میکس کو پیا کا استفسار طمانچے کے طور پر لگا وہ بول ہی نہ سکا۔

''اب کس کی زندگی داؤ پر لگانا چاہتے ہیں میکس، کیا کوئی نیا شکار مل گیا آپ کو؟'' میکس نے ایک اور تھپڑ اپنے چہرے پر پڑتا محسوس کیا وہ اب بھی نہیں بول پایا۔

''آپ کو اچھا لگتا ہے نا میکس کسی کی زندگی برباد کر کے، مگر نیا شکار تلاشنے سے پہلے میری زندگی کا تو کوئی فیصلہ کر لیجئے، مجھے کس کھاتے میں ڈالیں گے آپ؟'' پیا نے واضح طور پر اس کے چہرے پر پھیلے کرب کے تاثرات بجھے دیکھے اور دو قدم آگے بڑھ آئی۔

''میں نے یہاں اسی لئے بلوایا تھا آپ کو۔'' میکس نے اپنی تمام تر ہمت کو مجتمع کرتے جواب دیا۔

''اچھا...... ذرا پتہ تو چلے کہ کیا فیصلہ کیا ہے آپ نے میرے لئے، ان فیکٹ آپ میرے گاڈ فادر جو ہوئے اور آپ نے ہی تو مجھے تخلیق بھی کیا ہے ناں؟'' اس نے مزید طنز کے وار اپنے کمان سے باہر نکالے میکس نے اس کے وار کو بڑے صبر سے برداشت کیا۔

''آپ کل شام کی فلائٹ سے واپس پاکستان جا رہی ہیں، میں نے سارا انتظام کر دیا ہے۔'' میکس نے رک رک کر کہتے پیا کے تاثرات جانچنے کی کوشش کی۔

''آپ کے ساتھ جو حادثہ ہوا اس کا ذمہ دار میں ہوں مگر میں نے ایسی کوئی کوشش جان بوجھ کر نہیں کی تھی، نہ ہی میرا مقصد آپ کا گھر اجاڑنا تھا میں بہک گیا تھا اور میری زندگی کا اب اور کوئی مقصد نہیں سوائے اس کے کہ آپ مجھے دل سے معاف کرتے ہوئے اپنی زندگی نئے سرے سے شروع کر لیں۔''

''اتنا آسان نہیں ہے یہ میکس! آپ کو لگتا ہے کہ یہ سب بھول کر ایک نئی زندگی کی شروعات کر لوں گی، دنیا بھول سکتی ہے آپ بھول سکتے ہیں مگر میں نہیں بھول سکتی اس اذیت کو جو مجھے

آپ کی وجہ سے ملی اس کرب کو جو مجھے فرحاب کی بے اعتنائی و بے اعتباری کے نتیجے میں ملا۔"

"بس کریں پیا، خدا کے لئے بس کر دیں میں نے محبت کی تھی آپ سے کوئی جرم نہیں اور میں آپ سے معافی مانگنے کا بھی خواستگار ہوں تو اسی لئے نہ کہ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہے میں اس غلطی کا مداوا بھی کرنا چاہتا ہوں پیا اور آپ چاہیں تو مگر نہیں، آپ کو تو صرف اپنا دکھ بڑا نظر آتا ہے آپ اس دکھ سے نکلنے کا سوچتی ہی نہیں ہیں پیا، صرف اسی دکھ میں جینا چاہتی ہیں، آپ کو لگتا ہے اس سارے واقعے میں نقصان صرف آپ کا ہی ہوا۔" وہ شعلہ جوالہ بنا آنکھوں میں ضبط کے ڈورے جلائے اس کی طرف جھکتے بولا۔

"میرے حصے میں کتنے نقصان آئے کیا کبھی اس کا شمار آپ نے...... نہیں ناں میری ساکھ متاثر ہوئی میرے بنائے شاہکار پر انگلیاں اٹھیں میں نے آپ جیسا اچھا دوست کھویا میں نے اپنی ماں کو کھو دیا۔" وہ روتے روتے چلایا۔

"آپ کی مام...... کیا مطلب؟" پیا نے دبے دبے لہجے میں استفسار کیا۔

"ہاں میری مام، جس نے صرف اس لئے مجھ سے ناطہ توڑ دیا کہ میں نے ایک مسلم شادی شدہ لڑکی کی زندگی اپنے خواب کی تکمیل کی خاطر تباہ کر دی، زندگی میں پہلی مرتبہ وہ مجھ سے ناراض ہوئیں اور ایسا ناراض ہوئیں کہ میرے منانے پر بھی مان نہیں رہیں انہوں نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنا ہر رشتہ ناطہ مجھ سے توڑ لیا ہے، میں دنیا میں بالکل اکیلا ہو گیا ہوں، مگر آپ کے پاس تو بہت سے رشتے ہیں پیا، آپ نے تو فقط ایک رشتہ کھویا ہے جبکہ میرے پاس تو ماں کے علاوہ اور کوئی رشتہ تھا ہی نہیں؟" پیا نے اس اونچے لمبے مرد کو اس روز بے تحاشا روتے دیکھا تھا۔

"میں چاہتا تو آپ کا پورٹریٹ آپ کی مرضی کے بغیر بھی بنا سکتا تھا مگر میں نے ایسا نہیں کیا جانتی ہیں کیوں، اس لئے۔" پیا کے گہرے ضبط کی نشاندہی کرتے چہرے پر نگاہ جماتے پوچھا۔

"اس لئے کیونکہ مجھے اندازہ تھا کہ آپ کے لئے کتنی مشکلات کھڑی ہو سکتی ہیں، فرحاب بہت شکی القلب اور قدامت پسند مرد تھا اور آپ کی زندگی میں کوئی ٹربل (مشکل) نہ آئے میں نے اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا کر اسے اعتماد میں لیا، سب کچھ ٹھیک تھا اور ٹھیک ہی رہتا اگر فرحاب کا ایکسیڈنٹ نہ ہوتا تو، میں مانتا ہوں کہ فرحاب کی بیماری اور چڑچڑے پن نے مجھے آپ کے لئے جذباتی کر دیا تھا میں بہک گیا تھا میں غلط تھا اور مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، مگر میرا یقین کریں میں نے وہ سب جان بوجھ کر نہیں کیا تھا، اب آپ جو بھی سزا دیں مجھے منظور ہو گی۔" میکس اس کی طرف آس سے دیکھ رہا تھا مگر پیا سن کہاں رہی تھی۔

"پیا! کیا جانے سے پہلے آپ مجھے معاف نہیں کر سکتیں؟" وہ بہت آس و امید سے اس کے قدموں میں بیٹھ گیا پیا غیر مرئی نقطے پر نگاہ جمائے بیٹھی رہی دفعتاً بولی۔

"کیا مجھے فرحاب نے معاف کیا تھا؟" میکس نے خود کو جان کنی کا عذاب سہتے محسوس کیا اور چلا گیا۔

☆☆☆

دوپہر سے شام اور شام سے رات ہو گئی میکس کروک گھر نہیں آیا پیا اپنے کمرے میں تھی جب گھبرائی گھبرائی سی کرسٹین اس کے پاس آئی تھی۔

"میم! کیا آپ کو معلوم ہے کہ سر کدھر گئے

"ہیں؟" اس کے چہرے پر بے حد گھبراہٹ تھی پیا کو کسی انہونی کا احساس یک لخت ہوا اس کا دل سکڑ کر پھیلا تھا۔

"نہیں کیوں خیریت؟" اس کا بالکل بھی ارادہ نہیں تھا مگر وہ پھر بھی پوچھ بیٹھی تھی۔

"دس گھنٹے ہو گئے انہیں گھر سے نکلے ہوئے اتنی دیر وہ بغیر بتائے کبھی باہر نہیں رہے۔" کرسٹین کی آواز مارے گھبراہٹ کے کپکپا رہی تھی۔

"اسٹیو کدھر ہے؟" پیا نے کسی انجانے خدشے کے تحت پوچھا۔

"آفس میں، اسے بھی پتہ نہیں کہ سر کدھر ہیں۔"

"کرسٹین! تمہارے سر کس وقت گھر سے نکلے تھے کیا تمہیں معلوم ہے؟"

"جس وقت آپ ان کے پاس ٹیرس پر تھیں وہ آپ کے نیچے آنے سے پہلے ہی باہر تیزی سے چلے گئے تھے مگر سر کافی غصے میں تھے، ایسا غصہ انہیں بہت کم کم آتا ہے میم۔" کرسٹین نے موقع ملتے ہی اسے ساری صورتحال بتائی جو شاید وہ پہلے نہ بتا پائی۔

"اوہ۔" پیا نے لب سکیڑے اس بات کا اندازہ تو اسے ہو ہی گیا تھا کہ میکس اس کی وجہ سے پریشان تھا پیا کو پہلی مرتبہ بے حد شرمندگی ہوئی اس نے بھی تو کچھ اچھا نہیں کیا تھا کتنی ہی تکلیف دہ اور غلط باتیں سنائی تھیں اس نے میکس کو۔

"کرسٹین! مجھے جائے نماز ملے گی یہاں؟" کچھ دیر بعد اس نے کرسٹین سے آ کر پوچھا تھا، حالانکہ اسے یہ سوال نہیں پوچھنا چاہیے تھا مگر اس نے کرسٹین کو بے حد حیرت سے دیکھا جب اس نے کہا تھا۔

"شاید میم! آپ کو اسٹڈی میں ایسا کچھ مل جائے گا، میں ابھی لا کر دیتی ہوں۔"

"نہیں رہنے دو، میں وہیں جا کر نماز پڑھ لیتی ہوں۔" اس نے منع کر دیا حالانکہ وہ پوچھنا چاہتی تھی کہ میکس کروک کے گھر اور وہ بھی اسٹڈی روم میں جائے نماز کیا کر رہا تھا۔

"سنو؟" وہ جاتے جاتے پلٹی۔

"میکس کا کچھ پتہ چلا، رابطہ ہوا ان سے؟" کرسٹین کی گردن نفی میں کیا ہلی پیا جلتے انگاروں پر لوٹنے لگی اگر اس نے غصے میں خود کو کوئی نقصان پہنچایا تو وہ کبھی بھی خود کو معاف نہیں کر پائے گی، اس نے جائے نماز بچھاتے خود کلامی کی، کوئی اس کے اندر بیٹھا بین کر رہا تھا سسکیاں گونجنے لگی تھیں۔

"اے اللہ! میں تیری گناہ گار بندی ہوں میں کھنکتی ہوئی مٹی کی پیداوار ہوں اسی لئے میرے اندر صبر نہیں میرے تھڑدلے پن کی وجہ سے میرے اندر ناشکری کا مادہ باقی ہر جذبے سے زیادہ ہے تو نے مجھے آزمائش میں ڈالا اور میں تجھ سے شکوہ کناں ہوگی، میں نے صبر نہیں کیا شکوہ کیا اور اپنی کم ظرفی کی مار ایک ایسے نیک دل انسان کو ماری جو اس سب میں برابر کا حصہ دار تھا آزمائش تو اس پر بھی آئی مگر وہ ثابت قدم رہا اور میں...... اے میرے رب، وہ جہاں بھی ہے اسے اپنے حفظ و امان میں رکھ اور مجھے صبر اور وسیع ظرف عطا فرما تا کہ میں تقدیر کو سمجھتے اور آزمائش کا مقابلہ کرتے اسے معاف کرسکوں۔" سجدے میں گری وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دی تھی جانے کتنی ہی دیر گزری تھی اسے وہاں آئے ہوئے دعا ختم کرنے کے بعد پیا نے جائے نماز تہہ کر کے کاؤچ پر رکھ دی پورے کمرے میں میکس کروک کے پسندیدہ کلون کی مہک پھیلی ہوئی تھی، پیا نے

آگے بڑھ کر ریک میں بجی کتابوں کا جائزہ لیا ان میں انگلش تراجم والی اسلامی بکس کے علاوہ اردو کی کئی کتابیں رکھی تھیں، پیا کو حیرت تو ہوئی مگر زیادہ دھیان نہیں دیا وہ اتنا مشہور و معروف بندہ تھا دنیا بھر سے اس کے فن کے دلدادہ فین لوگ اسے بے تحاشا تحائف بھیجتے تھے، تو یقیناً یہ اسلامی اور اردو کی بکس بھی شاید کسی نے تحفے میں دی ہوں، پیا آگے بڑھ آئی دوسرے ایک ریک میں آرٹ اینڈ کلچر کے حوالے سے کافی کتابیں تھیں تیسری ریک میں بے تحاشا انگلش لٹریچر کی کتابیں رکھی تھیں، پیا نے متاثر ہوتے ہوئے ایک کتاب اٹھائی تبھی اس میں سے کچھ نکل کر گرا تھا، پیا نے جھک کر اس کاغذ کو اٹھا کر دیکھا وہ ایک تہہ شدہ کاغذ تھا جس کے اندر بھی ایک موٹا سخت کاغذ کا ٹکڑا تھا پیا نے کھول کر دیکھا اور حیران رہ گئی وہ اس کا فوٹو تھا جس کے پیچھے روشن اردو میں کچھ لکھا ہوا تھا پیا نے الجھ کر اس فوٹو کو دیکھا اور یاد کرنے کی کوشش کی، میکس نے اس کی یہ تصویر کہاں سے لی تھی، اس تصویر میں اس نے لیمن ییلو رنگ کی ٹخنوں کو چھوتی فراک پہن رکھی تھی اور کان کے پیچھے بالوں میں اڑسا گلاب، پیا کے ذہن میں جھماکا ہوا یہ فراک تو وہ پہلی بار بریت کے ساتھ میکس کروک کی ایگزیبشن میں پہن کر گئی تھی اور اس کے بالوں میں یہ پیلا گلاب بریت نے ہی لگایا تھا، مگر ابھی بھی حیران تھی کہ میکس کے پاس یہ تصویر آئی کہاں سے تھی، اس نے سر جھٹک کر نظم پڑھنے کی کوشش کی، مگر زیادہ غور نہیں کر پائی صبح کی لو پھوٹ رہی تھی میکس کروک ابھی تک گھر نہیں لوٹا تھا، پیا نے کچھ سوچتے ہوئے اپنے گرد شال کو اچھی طرح سے لپیٹا، آج شام کی فلائٹ سے وہ پاکستان جا رہی تھی نیویارک شہر کی سرد اور بے رحم فضا سے بہت دور، وہ اپنوں میں لوٹ رہی تھی پیا نے سیڑھیوں پر قدم رکھ کر کرسٹین کو آواز دی۔

''یس میم!'' وہ بالکل آخری سیڑھی پر کھڑی تھی اتنی صبح صبح پیا کے پکارنے پر متفکر ہوئی۔

''اسٹیو کہاں ہے، اسے کہو گاڑی نکالے مجھے کہیں جانا ہے؟'' وہ ایک ایک کرتی سیڑھیاں اتر رہی تھی۔

''یس...... میم...... بٹ آپ کو جانا کدھر ہے آئی مین اگر سر نے پوچھ لیا تو ہم کیا کہیں گے؟'' کرسٹین متذبذب تھی پیا اسے دیکھ کر مسکرائی۔

''گھبراؤ نہیں، تمہارے سر کچھ نہیں کہیں گے۔'' اس نے کرسٹین کے کندھے پر ہاتھ کا دباؤ ڈالتے اسے تسلی دی، دس منٹ بعد وہ اسٹیو کے ساتھ جا رہی تھی، وہ میکس کے پاس جا رہی تھی، کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ اس وقت کدھر ہو سکتا ہے مگر پیا کو خبر تھی حالانکہ اسٹیو بے حد حیران ہوا تھا جب پیا نے صبح ہی صبح اسے وہاں چلنے کے لئے کہا تھا جہاں میکس نے پیا کا آؤٹ ڈور پورٹریٹ بنایا تھا، وہ جگہ ابھی بھی بہت خوبصورت تھی ہلکے ہلکے اندھیرے میں برف کی چاندی آنکھوں کو خیرہ کر دینے والا حسن عطا کر رہی تھی، پیا نے دور ہی سے دیکھ لیا تھا میکس کروک ریڈ فراری کے ساتھ ٹیک لگائے جانے کتنی دیر سے خلا میں کسی غیر مرئی نقطے پر نگاہ جمائے کھڑا تھا، پیا آہستگی سے چلتی اس کے قریب چلی آئی اسٹیو پیچھے کھڑا رہ گیا اپنے پہلو میں کسی کی موجودگی کا احساس کرتے میکس کروک چونک کے پلٹا تھا تبھی اس سمے پیا نے اس کی متورم آنکھوں میں جلتے گلابی ڈورے دیکھے، میکس اسے یہاں دیکھ کر حیران ہوا تھا۔

''میں جانتی تھی آپ یہیں پر ہوں گے؟''

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

پیا نے دوستانہ انداز اختیار کرتے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔

''آپ یہاں کس لئے آئی ہیں؟'' میکس بے حد سنجیدہ سا پوچھ رہا تھا۔

''آپ کو لینے کے لئے۔'' پیا مسکرائی تھی میکس کو حیرت ہوئی۔

''زندگی سے زیادہ ان غیر یقینی چیز اور کوئی نہیں ہوتی میکس! حادثات انسان کو توڑ پھوڑ دیا کرتے ہیں بعض دفعہ یہ آپ کا اتنا ناقابل تلافی نقصان کر دیتے ہیں کہ انسان اپنی ہمت بکھرتی محسوس کرتا ہے وہ صبر کرتا ہے نہ ہی حوصلہ، لیکن حالات سے سمجھوتہ کرنے کے لئے اسے ایک وقت چاہیے ہوتا ہے، جو کچھ میرے ساتھ ہوا وہ بالکل بھی میرے گمان میں نہیں تھا اور یہی بات تو یہ ہے کہ شاید مجھے بھی حالات اور سچویشن کو ہینڈل کرنے کا طریقہ نہیں آیا، میں خود کو مظلوم سمجھتے رب سے بھی شکوہ کناں رہی کہ میرے ساتھ ہی ایسا کیوں، اتنی بڑی آزمائش کے لئے آخر میرا ہی انتخاب کیوں؟ لیکن مجھے خوشی ہے کہ دیر ہی سے سہی مگر میں نے اس حقیقت کو سمجھ لیا ہے اور میں کوشش کروں گی کہ آپ کو دل سے معاف کر سکوں۔'' اس سے میکس کروک نے اسے بہت تڑپ کے دیکھا تھا۔

''آئم سوری، ایکسٹریملی سوری فار ایوری تھنگ۔'' میکس نے لرزتے لبوں سے کہتے بمشکل تمام پیا کے خوبصورت چہرے پر نگاہ جمائی۔

''آئیں گھر چلتے ہیں؟'' پیا مسکرا کے آگے بڑھی اس کی تقلید میں میکس کروک بھی تھا۔

☆☆☆

اس نے کال بیل پر انگلی رکھی ہی تھی کہ دروازہ اچانک سے کھل گیا، جسی سنگھ پیا کو اپنے سامنے دیکھ کر حیران رہ گئے۔

''بھرجائی جی!'' بے اختیار ان کے لبوں سے کیا نکلا پیا کے زخموں سے ٹانکے ادھڑ کر رہ گئے، وہ کرب سے مسکرائی۔

''کیسے ہیں پاء جی؟'' اس نے اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹتے بڑی مشکل سے برابر والے اپارٹمنٹ سے نگاہ چرائی۔

''اندر آؤ جی۔'' وہ راستہ دینے کو ہٹ گئے، پیا اندر بڑھ آئی۔

''بیٹھو جی، میں پریت کو بلا کے لاتا ہوں؟'' پیا دھم سے صوفے پر بیٹھی اور کئی بار اچھلی اس کی آنکھوں میں آنسو جبکہ لبوں پر مسکان تھی۔

''پیا!'' پریت اسے اپنے گھر میں دیکھ کر حیران رہ گئی تھی اسے بالکل بھی یقین نہیں آرہا تھا کہ پیا اس کے گھر آئی ہے پیا اسے دیکھ کر مسکرائی۔

''آج شام کی فلائٹ سے میں پاکستان جا رہی تھی تو سوچا کہ آخری بار مل کے جاؤں؟'' وہ اپنے آنے کی وضاحت دیتے بولی۔

''دوبارہ کب آؤ گی پیا؟'' پریت نے اس کے پاس بیٹھتے بڑی آس سے پوچھا، اس کی آنکھوں میں نمی تھی جسے وہ پیا سے چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''اب تو میرے پاس کچھ باقی نہیں بچا پریت، جو نیویارک شہر کے سرد اور بے رحم موسم کو لوٹا سکوں۔''

''نیویارک اپنے دامن میں تمہارے لئے بہت سی خوشیاں سمیٹے ہوئے ہے پیا، بس تم ہی نہیں دیکھ پا رہی۔'' پریت نے ہولے سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

''میں چائے لاتی ہوں؟'' پریت اٹھ کے جانے لگی مگر جسی سنگھ نے ٹوک دیا۔

''نہیں تو رہنے دے، پارسا کے لئے چائے میں بنا کے لاؤں گا؟'' پیا نے تشکر آمیز نظروں سے جسی سنگھ کو دیکھا جس نے اسے پارسا پکار کر معتبر کر دیا تھا۔

''میں کوشش کر رہی ہوں پریت اپنے ظرف کو وسیع کرنے کی تم میرے لئے دعا کرنا میں خود سے لڑی جنگ جیت جاؤں۔''

''سب ٹھیک ہو جائے گا پیا، بس تو ہمت مت ہارنا اور ہو سکے تو فرحاب بھائی کو بھی معاف کر دینا۔'' پیا نے چونک کر پریت کو دیکھا تھا۔

☆☆☆

پیا نے تیز چلتی ہوا میں بوگن ویلیا کے ڈھیروں پھولوں کو گرتے دیکھا اور نم آنکھوں سے مسکرا دی۔

کبھی اسے ان گرتے پتوں اور پھولوں سے بہت چڑ ہوا کرتی تھی، مگر اب تو جیسے وہ ہر احساس سے عاری ہو گئی تھی امریکہ سے واپس آنے پر کسی نے اس سے کوئی بات پوچھ نہیں کی تھی اس گھر میں پیا کے علاوہ تین افراد اور رہتے تھے اور ان تینوں کی ہمہ وقت ایک ہی کوشش ہوتی تھی کہ وہ پیا کو خوش رکھ سکیں، تائی اماں اور واثق بھائی تو اس پر ویسے ہی جان چھڑکتے تھے اور اماں تو اکلوتی بیٹی کے غم سے نڈھال ہو کر بستر پر جا پڑی تھیں وقت نے کیسا پلٹا کھایا تھا ان کی پھولوں جیسی بیٹی کو کبھی بھی نہ مندمل ہونے والا روگ لگ گیا تھا، پیا ان کی خاطر خود کو بشاش رکھنے کی کوشش کیا کرتی، واثق بھائی نے اداس اور غمگین بیٹھی پیا کو ایک نظر دیکھا اور افسردگی سے مسکرا دیئے۔

''جو لوگ ہمیں زندگی سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں ان کے دکھ بھی ہمیں کڑی جھلسا دینے والی دھوپ کی مانند محسوس ہوتے ہیں۔''

''پی!'' انہوں نے اچانک اس کے قریب آنے پر اسے پکارا تو وہ چونکی۔

''یہاں کیوں اکیلی بیٹھی ہو، باقی سب کدھر ہیں؟'' وہ شاید ابھی آفس سے آئے تھے۔

''تائی اماں تو آپ کی ہونے والی سسرال گئی ہیں امی اندر کمرے میں ہیں، آپ کے لئے کھانا گرم کر کے لاؤں؟'' وہ اٹھ کے ان کے مقابل آئی۔

''ہاں کر دو گرم، تم نے کھانا کھا لیا؟'' پیا نے نفی میں سر ہلایا تو واثق کو حیرت ہوئی۔

''وہ کس لئے؟''

''بھوک نہیں تھی آپ آج جلدی آ گئے؟'' پیا نے وضاحت دیتے اچانک پوچھا۔

''ہاں بس آج کوئی خاص کام نہیں تھا، تم کھانا گرم کرو پھر دونوں اکٹھے ہی کھاتے ہیں؟'' وہ کہہ کے اندر بڑھے تو پیا کچن میں کھانا گرم کرنے چلی گئی فریج سے گوندھا آٹا نکال کر جلدی جلدی واثق بھائی کے لئے چپاتیاں ڈالی اور سلاد چٹنی کے ساتھ چکن کڑاہی کا سالن لے آئی، پیا نے ان کے سامنے کھانے کی ٹرے رکھی اور خود سائیڈ پر ہو کے بیٹھ گئی۔

''یہ کیا تم کھانا نہیں کھاؤ گی کیا؟''

''بالکل بھی بھوک نہیں ہے واثق بھائی، ورنہ ضرور کھا لیتی۔'' واثق بھائی نے خاموشی سے اس کا جواب سن کے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا پیا نے انہیں حیرت سے دیکھا۔

''یہ کھانا اٹھا لو، مجھے بھی بھوک نہیں ہے؟'' ان کا منہ پھولا ہوا تھا۔

''واثق بھائی میں سچ کہہ رہی ہوں مجھے واقعی میں بھوک نہیں ہے۔'' پیا کے انداز میں لاچاری تھی۔

''زندہ رہنے کے لئے ہی کھا لیا کرو پی،

کھانے سے کیا دشمنی۔'' وہ برہم ہوئے۔

''ویسے بھی مجھے اکیلے کھانا کھانے میں اب مزہ بالکل بھی نہیں آتا۔'' اب کی بار انہوں نے شگفتگی سے کہا تھا۔

''تو پھر لے آیئے ناں اپنے لئے دلہن جو بھوکی رہ کر آپ کا انتظار کرے اور کھانا بھی ساتھ بیٹھ کے کھائے۔'' پیا نے بھی فوراً برجستگی سے کہا تھا۔

''کسی اور کو لانے کی کیا ضرورت ہے اب، آخر تم کس مرض کی دوا ہو؟'' انہوں نے نہایت بے ساختگی سے کہا تو پیا خاموش ہو رہی واثق بھائی نے اس کی خاموشی شدت سے محسوس کی۔

''پیا! ایسا کب تک چلے گا تم اپنے لئے کوئی فیصلہ کر کیوں نہیں لیتیں؟''

''میرا دل نہیں مانتا اب کسی پر اعتبار کرنے کو واثق بھائی۔'' پیا کے انداز میں بے چارگی تھی، اسے آئے تین ماہ سے زیادہ کا عرصہ ہونے والا تھا مگر سب ہی اسے نئی زندگی شروع کرنے کے لئے منا رہے تھے مگر وہ مان ہی نہیں رہی تھی، تائی اماں نے ایک مرتبہ پھر واثق کے لئے سکندرہ خاتون کے آگے جھولی پھیلائی تھی انہیں کیا اعتراض ہو سکتا تھا، مگر پیا کو اعتراض تھا، صرف واثق بھائی کے رشتے پر ہی نہیں ہر اس آنے والے رشتے پر جو اس کے لئے اس کے گھر والے منتخب کرنا چاہتے تھے۔

''زندگی گزارنے کے لئے کسی نہ کسی پر تو اعتبار کرنا ہی ہوگا تمہیں؟''

''ایک تجربہ کافی نہیں کیا میرے لئے؟'' پیا دانستہ مسکائی کچھ اس طرح کہ آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر سی گئیں۔

''پیا! میں آج بھی تمہارا منتظر ہوں؟'' واثق بھائی کے لہجے میں دہکتے جذبوں کا الاؤ روشن تھا۔

''حالانکہ آپ کسی اور راہ کے مسافر ہیں؟'' پیا نے جیسے یاددہانی کروائی۔

''وہ صرف اماں کی خواہش تھی، میرے دل کی مرضی و خوشی تو صرف تم ہو؟''

''کسی کا دل اور گھر اجاڑ کر میں نئی زندگی کی شروعات کیسے کر لوں واثق بھائی، اس لڑکی کا کیا قصور جس نے آپ کے نام کی انگوٹھی پہنتے ہی پہلے خوابوں کی راہ گزر پر قدم رکھ دیا ہوگا، میں کسی کے خواب چھین کر اپنی مانگ میں خوشیاں نہیں سجا سکتی۔'' پیا کے لہجے کا کرب پورے ماحول کو کثافت زدہ کر گیا واثق بھائی بوجھل دل لئے اسے دیکھتے رہے پیا اٹھ کر باہر آگئی تاروں بھری رات چمکیلی اور سحر خیز تھی تائی اماں ابھی تک نہ لوٹی تھیں، کچھ دیر بعد پیا نے واثق بھائی کو گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر جاتے دیکھا تھا وہ شاید تائی اماں کو لینے جا رہے تھے۔

''جیسا تم سوچتی ہو پیا، ایسا کچھ بھی نہیں ہو گا اس لڑکی کی میرے ساتھ کسی قسم کی جذباتی وابستگی نہیں ہے اور میں شاید اسے خوش بھی نہ رکھ پاؤں۔'' جاتے سمے وہ ایک پل کو اس کے پاس ٹھہرتے بولے تھے۔

''مجھے یقین ہے وہ آپ کے ساتھ بہت خوش رہے گی واثق بھائی، دوسروں کے دل کو آباد کرنا آپ جیسے باہمت لوگوں کی ہمیشہ خوبی رہی ہے جایئے، وہ منتظر ہوگی آپ کی۔''

''سوری واثق بھائی! مگر دل کے گھاؤ بھرنے میں بہت وقت لگتا ہے اور کبھی کبھی تو ایک عمر درکار ہوتی ہے۔'' واثق بھائی کی پشت پہ نگاہ جماتے پیا نے افسردگی سے سوچا تھا۔

☆☆☆

''بہت بہت مبارک ہو پریت، بالآخر اوپر والے نے تمہاری سن لی۔'' اسے جیسے ہی پریت کا

میسج موصول ہوا اس نے ترنت کال کی تھی۔

''ساری ودھائیاں تمہارے لئے پیا، آخر کو اکلوتی خالہ ہو گی تو اس کی؟'' پریت نے بہت جوش اور خوشی سے جواباً کہا تو وہ کھلے دل سے مسکرا دی۔

''خیر مبارک، صدا سہاگن اور سلامت رہو اللہ نظر بد سے بچائے آمین۔'' پیا نے دل سے دعا دی۔

''تم نے تو کہا تھا کہ ہم منت دینے آئیں گے پاکستان، پھر کب آ رہے ہو؟'' پیا کو اچانک یاد آیا تو پوچھ بیٹھی پریت اس کے اتاولے پن پر بے ساختہ ہنسی۔

''ابھی وہ دنیا میں آ جائے، اس کے آنے کے فوراً بعد ہی ہم بھی آئیں گے۔''

''مجھے انتظار رہے گا، آنے سے پہلے لازمی بتا دینا۔''

''اس کی فکر تم مت کرو، وہ سب میں تمہیں بتا دوں گی۔''

''پریت ایک بات پوچھوں۔'' کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد پیا نے آہستگی سے قدرے جھجکتے ہوئے پوچھا تھا۔

''ہاں پوچھو اجازت کب سے لینی شروع کر دی تو نے؟'' پریت کا انداز ڈپٹنے والا تھا۔

''فرحاب کیسے ہیں کبھی ملیں تم ان سے؟'' بالآخر اس نے جھجکتے ہوئے پوچھ ہی لیا تھا۔

''پتہ نہیں پیا، وہ تو گھر چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے ہیں۔'' پریت نے خبر کیا سنائی دھما کہ کیا کچھ دیر کو پیا سن پڑ گئی۔

''کہاں چلے گئے، کیا وہ گھر انہوں نے بیچ دیا؟'' پیا کے لہجے و انداز میں بے چینی تھی۔

''پتہ نہیں پیا، انہوں نے ہم سے ملنا جلنا ترک کر دیا تھا آخری دنوں میں؟'' پریت نے آہستگی سے بتایا پیا مزید الجھ گئی۔

''آخری دنوں سے کیا مراد ہے تمہاری پریت؟'' پیا کا دل انجانے وسوسوں کے زیر اثر آنے لگا۔

''تمہارے جانے کے بعد میں ان سے ملنے گئی تھی پیا، خوب لڑی تھی میں ان سے، بس پھر چند دنوں کے بعد وہ ہمیں بغیر بتائے کہیں اور چلے گئے گھر کو تالا لگا گئے بیچا بھی نہیں۔''

''تم کیوں لڑیں ان سے پریت، وہ تو پہلے ہی بیمار رہتے۔'' پیا کو از حد دکھ ہوا تو بول اٹھی اور پریت کے ساتھ ساتھ کھڑکی پار بیٹھے واثق بھائی نے بھی اس کی تڑپ کو بڑی شدت سے محسوس کیا۔

''میں نے جو کیا مجھے اس پہ بالکل بھی شرمندگی نہیں ہے پیا، میں اگر انہیں آئینہ نہ دکھاتی تو ساری عمر خود کو خود ساختہ مظلوم تصور کرتے گزار دیتے عورت کے لئے کبھی بھی مثبت رویہ اور سوچ کبھی نہ اپنا سکتے وہ اور مجھے حیرت ہو رہی ہے یہ کہ تم ابھی بھی انہیں بے قصور سمجھتی ہو حالانکہ انہوں نے تمہارے ساتھ ایسا سلوک تو نہیں کیا؟'' وہ برہمی سے کہتے سوکھی لکڑی کی مانند تڑخی تھی پیا ہولے سے مسکرا دی۔

''آنے سے پہلے تم نے ہی تو کہا تھا پریت کہ اپنا ظرف وسیع رکھوں اور کوشش کروں کہ فرحاب کو معاف کر سکوں، میں نے انہیں معاف کر دیا پریت اس روز جس روز میری سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ یہ سب میری تقدیر میں لکھا تھا اور اسے ایسے ہی وقوع پذیر ہونا تھا، یہی میرے رب کی رضا تھی جو میں نے مان لی۔'' پیا نے آہستگی سے اعتراف کیا۔

''اور میکس کو پیا، اسے معاف نہیں کیا کیا تم نے؟'' اس کے خاموش ہوتے ہی پریت فوراً

بول اٹھی۔

''اس کو معاف کرنے کا مطلب خود کو معاف کر دینا ہے پریت اور میں ابھی خود کو معاف نہیں کرنا چاہتی اگر میں نے خود کو معاف کر دیا تو پھر ساری زندگی غلطیاں بار بار کرتی رہوں گی اور اب میں ایسا بالکل بھی نہیں چاہتی۔''

''پیا! وہ بہت بدل گیا ہے اتنا کہ تم دیکھو تو حیران رہ جاؤ۔'' پریت نے اسے کچھ بتانا چاہا مگر وہ آمادہ ہی نہ تھی اس کے متعلق کچھ بھی سننے کے لئے۔

''اللہ اسے بہت سی ترقیاں دے پریت اور اس کی اس تبدیلی کا انداز مثبت ہو جو کسی کے لئے کبھی بھی باعث آزار و تکلیف ثابت نہ ہو۔''

''لیکن پیا۔''

''میں کوشش کر رہی ہوں پریت اور مجھے اپنے رب پر پورا بھروسہ بھی ہے کہ میں خود پہ بیتنے والی اس قیامت خیز آزمائش میں پوری اترتے میکس کروک کو دل سے معاف کر دوں۔'' اس نے اتنا کہہ کر فون بند کر دیا تھا اور صرف پیا ہی جانتی تھی کہ اس کی آزمائش کا محرک کون ہے اسے دنیا کی نظروں میں سرخروی کبھی نہیں چاہیے تھی اسے تو بس فرحاب شفیق کی نظروں میں معتبر ٹھہرنا تھا، یہی اس کی خواہش تھی اور اس کا خواب بھی۔

☆☆☆
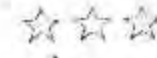
وہ سو کر اٹھی تو اماں واثق بھائی اور تائی اماں کو سر جوڑے کسی مسئلے میں الجھا ہوا پایا تھا، پیا کو دیکھتے ہی تینوں خاموش ہو گئے تھے لیکن جیسے ہی وہ کچن کی جانب گئی وہ تینوں پھر سے میکانکی انداز میں سر نیوڑے باتوں میں مصروف پیا کو چونکانے لگے تھے پیا کو ان تینوں کی حرکتیں کافی مشکوک محسوس ہوتی تھیں۔

''کیا بات ہے کس بات کی راز داری برتی جا رہی ہے مجھ سے؟'' وہ اپنا ناشتہ لے کر برآمدے میں ان کے پاس آ بیٹھی تھی چہکتے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

''شام کو کچھ مہمان آ رہے ہیں ان کی ضیافت کے متعلق سوچ بچار کر رہے تھے کہ کیا اہتمام کیا جائے۔'' اماں نے نہایت محبت و شگفتگی سے اس کی بلائیں اتارتے کہا تھا۔

مہمانوں کا آنا کون سی نئی بات رہی تھی جب سے واثق بھائی نے پولیس لائن جوائن کی تھی تب سے ہی ان سے ملنے ملانے والوں کا تانتا بندھا رہنے لگا تھا۔

''تم ایسا کرو، شام کو اچھے سے تیار ہو جانا۔'' اماں نے واری صدقے ہوتے فوراً ہی مطلب کی بات کی۔

''وہ کس لئے؟'' پیا کو اچنبھا ہوا ویسے بھی وہ مہمانوں سے ملنے سے کتراتی تھی جو بھی آتا تھا پارسا کے حوالے سے اسے ٹارچر کرنے کے سوا اور کچھ نہ کرتا۔

''اتنی دور سے وہ مہمان صرف تم سے ملنے کے لئے آئیں گے اور تم ان سے اس حلیے میں ملو گی کیا؟''

''ارے سکندرہ کیسی پہیلیاں بجھوا رہی ہو سیدھے سیدھے بتاؤ نا کہ ان لوگوں کے آنے کا مقصد کیا ہے آخر؟'' تائی اماں نے بروقت مداخلت کرتے پیا کے دل کی بات چھین لی تھی۔

''کوئی بتائے گا بھی کہ نہیں؟'' اس کا ضبط جواب دینے لگا۔

''پی! ہم لوگ تم سے بہت پیار کرتے ہیں رائٹ؟'' واثق بھائی اچانک اس کے پاس آ کر بولے تو پیا نے ناسمجھی سے سر ہلاتے ان کی بات کی تائید کی تھی۔

''اور ہم لوگ تمہارے لئے یقیناً اچھا ہی

فیصلہ کریں گے ہے ناں؟''

''آپ کو جو کچھ بھی کہنا ہے پلیز کھل کے کہئے واثق بھائی۔'' پیا کو اب اس پزل گیم سے الجھن ہونے لگی تھی۔

''ہم لوگوں نے تمہارا رشتہ طے کر دیا ہے پی، ابو ہریرہ بہت نیک اور باکردار لڑکا ہے ہر لحاظ سے مکمل اور سلجھا ہوا، جو اپنی پوری زندگی اسلامی احکامات کے زیراثر گزارنا پسند کرتا ہے، تمہارے ساتھ ہونے والے حادثے سے بھی واقف ہے اور اسے اس بات سے کوئی فرق پڑتا بھی نہیں ہے، آج شام کو اس کی فیملی آ رہی ہے پلیز، تم ہاں کر دو۔'' واثق بھائی کی باتیں سن کے پیا کے کان سائیں سائیں کرنے لگے تھے اس نے اپنے پورے وجود کے پرخچے ہواؤں میں اڑتے محسوس کیے تھے۔

''واثق بھائی آپ جانتے ہیں کہ میں۔'' پیا کے لب ہلے مگر واثق بھائی نے ٹوک دیا۔

''حادثے بار بار ایک ہی انسان کا ضبط آزمانے کے لئے نہیں ہوتے اور پہاڑ جیسی لمبی زندگی ہے تم اکیلے نہیں گزار پاؤ گی اور پھر ابو ہریرہ جیسا مضبوط اعصاب رکھنے والا مرد ہی تمہیں خوش رکھ سکتا ہے، اس بات کا جیسے ہم تینوں کو کامل یقین ہے۔''

''ہاں کر دو پلوشے، شاید اسی بہانے میں بھی اس پچھتاوے سے نکل آؤں جو تمہیں فرحاب شفیق کے ساتھ بیاہنے کے بعد میں ہر وقت محسوس کیا، شاید مجھے سکون کی موت نصیب ہو جائے گی اسی بہانے اگر تم دوبارہ گھر بسا لو گی۔'' سکندرہ خاتون اٹھ کے پیا کے پاس آ بیٹھی تھیں، تبھی روتے ہوئے اس کے آگے اپنے دونوں ہاتھ معافی کے انداز میں جوڑ دیئے۔

''کیا کر رہی ہیں اماں۔'' پیا نے ان کے دونوں ہاتھ تھامتے بے اختیار انہیں گلے سے لگاتے کہا تھا۔

''مجھے کچھ وقت دیں اماں، ابھی یہ سب مجھے بہت مشکل محسوس ہو رہا ہے۔''

''ایسی کوئی جلدی نہیں ہے پیا، تم اچھی طرح سے سوچ لو بس جواب دینے سے پہلے ایک مرتبہ اچھی طرح سے ضرور سوچ لینا کہ خوش قسمتی بار بار دروازے پر دستک نہیں دیا کرتی۔''

پیا نے سر اثبات میں ہلایا تبھی ملازمہ ایک رجسٹری لے کر پیا کے پاس آئی تھی پیا نے اس پر دستخط کرتے حیرت سے اسے دیکھا وہ فرحاب کی جانب سے پیا کے نام آئی تھی پیا نے دھڑکتے دل کے ساتھ اس کا لفافہ چاک کیا۔

اندر ایک مختصر سی تحریر تھی اور ساتھ کسی پراپرٹی کے کاغذات پیا نے بے تابی سے کھول کے دیکھا۔

''تمہارے جانے کے بعد میں ایک دن بھی سکون سے سو نہیں سکا پارسا قتل کرنے والے کی سزا سزائے موت ہوتی ہے تو پھر بے اعتبار کرنے والے کی سزا کیا ہو گی، میں غلط تھا تم پارسا بھی ہو مریم بھی، تم ایک پاکیزہ اور وفادار عورت ہو اور صد افسوس کہ میں تمہاری قدر نہیں کر سکا، تمہارے بغیر مجھے یہ گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے یہ گھر میں نے بڑی دقتوں اور کڑی محنت کر کے خریدا تھا اس گھر کے کونے کونے میں تمہاری یادیں بکھری ہیں جو تمہارے بارے میں مجھ سے ہمہ وقت استفسار کرتی ہیں ان یادوں کا بے ہنگم شور مجھے چین سے جینے نہیں دے رہا، آؤ اور آ کر اپنا گھر سنبھالو مجھ سے اس گھر میں تمہارے بغیر جیا نہیں جا رہا، اسی لئے یہ گھر اور شہر چھوڑ کر جا رہا ہوں، نئی زندگی کی شروعات ضرور کر لینا پی، شاید اسی طرح میرے اندر کا گلٹ کچھ کم ہو جائے اور

میری اذیت میں کچھ کمی ہو جائے۔''

فقط بد بخت

فرحاب شفیق!

پیا خط کی تحریر پڑھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

میکس کروک نے بالکل صحیح کہا تھا کہ ہر کام کا ایک بہتر وقت متعین ہوتا ہے، ایک سال بعد ہی سہی مگر وہ وقت آ ہی گیا تھا جب پیا کی پارسائی کا اعتراف سب نے کیا تھا بھلے پیا نے اس دورانی عرصہ میں بے حد اذیت اور کرب سہا تھا مگر اس کے بعد کی منزل بہت کچھ لانے والی تھی، پیا نے بار بار اس خط کو پڑھا اور اپنے دل میں موجود آخری خلش کا کانٹا بھی نکال باہر کر دیا۔

''میں نے آپ کو معاف کیا میکس، اللہ بھی آپ کو معاف کرے؟'' اس نے فضاؤں کے ہاتھ پہ سندیسہ بازگشت کی صورت میکس کروک تک پہنچایا تھا۔

☆☆☆

پیا شام کو اماں کے کہنے کے مطابق بہت اہتمام سے تیار ہوئی اس نے سبز فیروزی رنگ کا لانگ کرتا ہم رنگ پاجامے کے ساتھ پہنا تھا دو عورتیں اور ایک مرد ابو ہریرہ کی فیملی کی جانب سے آئے تھے، پیا حسب توقع انہیں بے حد پسند آئی تھی جمعے کو سادگی سے نکاح کی رسم کی ادائیگی طے ہونا پائی تھی۔

''تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟'' اماں اس کے کمرے میں اس سے پوچھنے کے لئے آئیں تو اس نے آہستگی سے سر اثبات میں ہلا کر انہیں مطمئن کر دیا۔

''ابو ہریرہ کو نہیں دیکھنا چاہو گی، وہ باہر آیا ہوا ہے کہو تو بلوا لوں؟'' اماں اب دوبارہ دھوکہ نہیں کھانا چاہتی تھیں تبھی بار بار پیا سے کہہ رہی تھیں۔

''آپ نے پسند کیا ہے تو یقیناً اچھا انتخاب ہی کیا ہو گا، مجھے اب ایسی کوئی خواہش نہیں رہی اماں، میں خوش ہوں آپ اطمینان رکھیے۔'' اس نے اماں کے دونوں ہاتھ تھام کر چومتے ہوئے محبت سے کہا تو سکندرہ خاتون نے بے اختیار اس کا ماتھا چوم لیا۔

''سدا خوش رہو میری بچی، کسی بھی غم کا سایہ اب تجھ پہ نہ پڑے۔''

''ابھی صرف نکاح ہو گا پیا، رخصتی ایک سال کے بعد۔'' اماں نے مزید بتایا۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے اماں، چاہے رخصتی اگلے روز ہی کر دیں تب بھی۔'' وہ ان کا مان بڑھانے کو نورا نرمی سے کہہ اٹھی۔

رات اس نے پریت کو میسج کیا۔

''میں نے میکس کروک کو معاف کر دیا ہے پریت اور اپنی نئی زندگی کا آغاز بھی۔'' مختصر سا پیغام لکھ کر اس نے فضاؤں کے سپرد کیا اور مسکرا دی۔

کھڑکی میں کھڑے اس نے جاتے ہوئے ابو ہریرہ کی صرف پشت دیکھی، اونچا لمبا مضبوط جسامت کا مرد، دو آنسو چپکے سے آنکھوں کو نم کرتے کن پٹی میں جذب ہو گئے یادیں آہیں بن کے اس کے پورے وجود میں چکرانے لگیں۔

بہت مشکل تھا نئی زندگی کی شروعات، مگر اسے یہ کام کرنا تھا صرف اپنی ماں اور پیاروں کے لئے کہ جو اس کی ویرانی کو دیکھ کر پل پل جینے مرنے کی اذیت سے نبرد آزما رہتے تھے، کچھ دیر بعد وہ ایک جانا پہچانا نمبر ملا رہی تھی فون کرسٹین نے اٹھایا تھا۔

''میکس ہیں گھر پہ۔'' کرسٹین کا حال احوال کے بعد اس نے بے تکلفی سے پوچھا تھا

دل ہی دل میں حیران ہوتی کرسٹین نے رٹا رٹایا جواب دیا تھا۔

''نو میم، وہ تو میکسیکو گئے ہوئے ہیں چار روز بعد لوٹیں گے۔''

''اچھا ٹھیک ہے، جب وہ واپس آئیں تو ان سے کہنا کہ پیا کا فون تھا آپ کے لئے، میں نے نئی زندگی کی شروعات کر لی ہے بتا دینا انہیں۔'' مبہم سا پیغام اسے نوٹ کرواتے پیا کی نم آنکھوں کے ساتھ چہرے پر مسکان تھی، اس پیغام میں چھپے اصول مفہوم کو صرف میکس کروک ہی سمجھ سکتا تھا۔

''بیسٹ آف لک فار یور نیو لائف میم۔'' کرسٹین نے کھنکھناتے ہوئے اسے وش کیا تھا اور فون بند کرنے کے بعد پھر ایک نمبر جلدی سے ملانے لگی تھی۔

☆☆☆

نکاح سے ایک روز پہلے شام کو پیا کے سسرال والے اسے مہندی لگانے آئے تھے وہ لوگ بہت مذہبی تھے اسی لئے کسی قسم کا شور وغل نہیں تھا اس کی ساس نند اور سسر آئے تھے، پیا کے سسر نہایت مہذب اور باریش انسان تھے پیا کو وہ پہلی نظر میں ہی بہت اچھے لگے، کافی دیر خلاف توقع وہ پیا کے پاس بیٹھے اسے دنیا اور زمانے کی اونچ نیچ سمجھاتے رہے تھے، پیا جانتی تھی وہ اس کے ساتھ پیش آنے والے حادثے کی وجہ سے اسے آئندہ کے لئے کسی بھی قسم کے خدشات کی فکر نہ کرنے کو کہہ رہے تھے، پیا سر جھکائے سنتی رہی تھی مگر اسے ان کی باتیں سن کر سکون محسوس ہو رہا تھا، اس کے لئے بہت شاندار بری کا انتظام کیا جا رہا تھا سب اس کی خوش قسمتی کی باتیں کر رہے تھے مگر کیا قیمتی کپڑے جوتے اور زیورات کسی کی خوش قسمتی کی حد متعین کرتے ہیں، پیا نے اپنے متعلق ہونے والی چہ مگوئیاں سنتے بے دلی سے سوچا اور اپنے خالی دل کو کھنگالا جس میں اب کوئی احساس باقی نہیں تھا نہ نفرت کا نہ ہی کسی خلش کا۔

دلہن بن کے اس پر ٹوٹ کے روپ آیا تھا اس کی پارسائی کا نور اس کے چہرے پر کسی چاند کے ہالے کی مانند پھیلا ہوا تھا، حیاء اور پاکیزگی کا ایسا امتزاج بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے ابو ہریرہ نے نکاح کے کاغذات پر دستخط کرتے چپکے سے رب کے حضور سجدہ شکر بجاتے ہولے سے سوچا تھا، فنکشن کے اختتام پر جب پیا اپنے کمرے میں آئی تو اماں اس کے پاس آ گئی تھیں، جو آج بے تحاشا خوش اور پرسکون نظر آ رہی تھیں۔

''ابو ہریرہ باہر ہے، تم سے ملنا چاہتا ہے کوئی خاص بات کرنی ہے اسے؟'' اس کے انکار کے لئے کھلتے لب خاص بات کا ذکر سنتے ہی سمٹ گئے پیا کے جملہ حقوق اب اسی کے نام تفویض ہو چکے تھے تو پھر پہلے پڑاؤ پر ہی انکار کر کے دل میں بدگمانی کو جگہ کیوں دینے لگتی، سو آہستگی سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

''آؤ میرے ساتھ۔'' اماں نے اسے اپنے ساتھ چلنے کو کہا تو اسے الجھن اور حیرت ہوئی، اسے تو لگا تھا کہ ابو ہریرہ یہاں اس کے کمرے میں آئے گا۔

''کہاں جانا ہے اماں؟'' جب اس نے باہر دروازے کی طرف اماں کو جاتے دیکھا تو پوچھ بیٹھی۔

''ابو ہریرہ تم سے اکیلے میں کچھ بات کرنا چاہتا ہے، اسی لئے تمہیں تھوڑی دیر کو باہر لے جانا چاہتا ہے۔'' اماں نے دروازہ کھول کے اسے باہر جانے کا عندیہ دیا پیا خاموشی سے باہر نکل گئی سامنے کھڑی گاڑی کو دیکھ کر پیا نے اپنی سانس

لمحہ بھر کو رکتی محسوس کی۔

"رائلز رائے۔" پیا نے نئے ماڈل کی چمچماتی رائلز رائے کو ایک نظر دیکھا اور پھر سر جھٹکا اس گاڑی کا شوق تو جانے دنیا میں کتنے لوگوں کو ہوگا، پیا ویسے ہی سجے سنورے روپ میں گاڑی کے کھلے دروازے سے اندر آ بیٹھی گاڑی میں خلاف توقع اندھیرا تھا اور وہ ابو ہریرہ کا چہرہ دیکھ نہیں پائی تھی، گاڑی میں ایک بے حد خوبصورت اور دلفریب مہک بسیرا کیے ہوئے تھی پیا نے اپنی سانسیں مسحور ہوتی محسوس کیں، مگر وہ چہرہ جھکائے بیٹھ گئی ابو ہریرہ نے اسے عربی تلفظ میں سلام کیا، پیا نے آہستگی سے اس کے سلام کا جواب دے کر نگاہیں گود میں رکھے ہاتھوں پر جما دیں، اس کے ہاتھوں پر بہت خوبصورت بیل بوٹے بنے ہوئے تھے جو اس کے لمبے سفید ہاتھوں پر بے حد کھلے کھلے محسوس ہو رہے تھے۔

پیا کی نظریں اپنے گود میں سفر کرتیں گیئر پر رکھے ابو ہریرہ کے ہاتھوں پر جا پڑی تھیں اس کا سفید گلابی ناخنوں والا چوڑا ہاتھ، پیا نے یک لخت کسی انجانے احساس کے تحت ابو ہریرہ کے چہرے کی طرف دیکھا جو اندھیرے میں بھی بہت روشن اور نورانی محسوس ہو رہا تھا ابو ہریرہ نے شرعی داڑھی رکھی تھی پیا نے اس کے خوبصورت چہرے پر سجی داڑھی کے خط کی نفاست کو محسوس کیا اور اس کا سانس رک گیا، وہ بے حد محویت سے یک ٹک ابو ہریرہ کا چہرہ دیکھ رہی تھی وہ اس چہرے میں کسی اور کا چہرہ کھوج رہی تھی، کس کا چہرہ؟

گاڑی سڑک پر رواں دواں تھی اور پیا کے اندر سکون کے جھرنے بہہ رہے تھے، وہ اس قدر پرسکون کیوں تھی آخر، اس نے سوچنے کی زحمت نہیں کی اس نے بھی اس چہرے پر نگاہ جمائے رکھی جو اس نے بہت عرصے کے بعد دیکھا تھا۔

ہاں اسے اسی چہرے کی تلاش تھی اس نے جھکے مگر کھلے دل سے اعتراف کیا، اس چہرے کو وہ لاکھوں کی بھیڑ میں بھی پہچان سکتی تھی پیا نے سکون سے آنکھیں موندتے سیٹ کی پشت پر سر ٹکا دیا، ابو ہریرہ نے بس ایک نظر دیکھا اسے قطعی امید نہیں تھی پیا کے ایسے رویے اور ری ایکشن کی، وہ ہولے سے مسکرایا کتنا طویل اور دردناک سفر طے کیا تھا اس نے فقط پیا تک پہنچنے کے لئے، اذیت، کرب، درد، جلن، دکھ، چبھن، سب احساس پیا کے چہرے پر نظر جاتے ہی یک لخت اڑن چھو ہو گئے۔

"دعائیں یوں بھی مستجاب ہوتی ہیں اللہ کا کرم اور رحمت یوں بھی سایہ فگن ہوتی ہے۔" ابو ہریرہ نے دیکھا اور محسوس کرتے اعتراف کیا اور پھر مسکرایا۔

وہ اعتراف کی رات تھی جوان دونوں پر آئی تھی۔

کس نے کتنا صبر کیا، کون آزمائش پر پورا اترا اس کا حساب و شمار کیا کرنا مگر حاصل وصول تو ایک ہی تھا ان دونوں کو ایک دوسرے کا ساتھ مل گیا تھا یعنی دنیا میں ہی جنت، گاڑی رکی تو پیا نے بھی آنکھیں کھولیں۔

"پارسا!" ابو ہریرہ کے منہ سے یہ نام گلاب کی خوشبو کی مانند مہکتے ہوئے نکلا۔

ابو ہریرہ نے آٹو میٹک لاک سے گاڑی کا دروازہ کھول دیا پیا خاموشی سے باہر نکل آئی سامنے پورے چاند کی رات میں سمندر اپنے جوبن پر تھا ابو ہریرہ کو وہ اپنی کامیابی کے جشن پر ناچتا محسوس ہوا، سمندر کی لہروں کا خمار آلود رقص ابو ہریرہ کی ذہانت سے بھرپور آنکھوں میں اترنے لگا، وہ دو قدم چل کر پیا کے سامنے آ کھڑا ہوا اتنا قریب کہ پیا کا سر اس کے شانوں سے

ٹکراتا محسوس ہوا۔

''پوچھو گی نہیں کہ میں نے میکس کروک سے ابوہریرہ تک کا سفر کیسے کیا؟'' ابوہریرہ نے پیا کے خوبصورت و حسین چہرے پر نگاہ جماتے سوال کیا۔

''یہ سفر میں نے صرف اپنی پارسا کے لئے کیا، یہ یقین دلانے کے لئے کہ وہ پاکیزہ ہے اور پارسا بھی۔'' ابوہریرہ کا لہجہ دھیما اور پراثر تھا۔

''آپ نے اپنا مذہب صرف میری خاطر تبدیل کر دیا؟'' پیا کے لبوں میں متحیر بھری جنبش ہوئی۔

''نہیں تم مجھے نہ بھی ملتیں مذہب مجھے یہی اپنانا تھا، ہاں وجہ و محرک تم ضرور بنی ہو ورنہ شاید کچھ عرصہ مزید میں اس طرف رجحان نہ کر پاتا۔'' پیا جس قدر مضطرب تھی وہ اسی قدر پرسکون سا جواب دے رہا تھا۔

''جس روز تمہیں فرحاب نے طلاق دی میرے لئے وہ روز محشر کا دن تھا اپنے احتساب کا دن اور جانتی ہو اس روز میرے نامہ اعمال میں سوائے تمہاری سسکیوں اور آہوں کے کچھ نہیں تھا، گھر تمہارا اجڑا تھا مگر تہی داماں میں ہو گیا تھا در بدر تم ہوئی تھیں اور ٹھوکریں میں کھا رہا تھا، تمہارا ایک ایک آنسو میں نے اپنے وجود پر کوڑے کی مانند پڑتا محسوس کیا تھا، بے تحاشا دولت اور اثر و رسوخ رکھنے کے باوجود بھی میں نے خود کو تہی دست پایا تھا۔''

''میں اسلامک سینٹر گیا وہاں کے علماء الحاج یوسف بن کمال سے میری ملاقات ہوئی میں نے ان سے پوچھا اگر ایک مسلم لڑکی کا گھر کوئی اپنے بہکاوے میں اجاڑ دے تو اس کی سزا کیا ہو گی، جانتی ہو اس کا جواب انہوں نے کیا دیا۔'' اس نے رکتے ہوئے پیا کی طرف نگاہ کی۔

''معافی۔'' انہوں نے کہا کہ وہ لڑکی تمہیں معاف کر دے تو تم خوش نصیب ہو لیکن اگر وہ تمہیں معاف نہیں کرے گی تو اس کے دکھوں کا بوجھ تمہارے نامہ اعمال میں شامل ہوتا رہے گا اس کا اضطراب تمہاری زندگی سے سکون کا خاتمہ کر دے گا اور اس سے بڑی سزا یقیناً تمہارے لئے کوئی نہیں ہو گی اور میں نے جان لیا کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے سے پہلے مجھے تمہیں منانا ہو گا میں نے دن رات سجدے میں گر کر تمہارے لئے دعا کی تمہاری بھلائی کی تمہارے ظرف کے وسیع ہونے کی تمہاری خوشیوں کی دعا اور تمہارے سکون کی دعا، میں مسلمان ہو گیا اور اپنے والدین سے ہمیشہ کے لئے لاتعلق ہو گیا کیونکہ وہ کٹر کیتھولک ہیں اور ایک مسلمان لڑکے کے ان کی زندگی میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں تھی، میں نے اپنی ماں کو بھی چھوڑ دیا جو صرف اس لئے ناراض ہوئی تھی مجھ سے کہ میں نے ایک مسلم لڑکی کا گھر برباد کر دیا۔''

''محمد یوسف نے اس سلسلے میں میری بے حد راہنمائی کی، مجھے حق اور سچ کا راستہ دکھایا اور مجھے بھائی کہہ کر اپنی فیملی کا حصہ بھی بنایا۔''

''میں نے امریکہ کو چھوڑ دیا جس نے مجھے بے تحاشا دولت، عزت اور شہرت عطا کی، میں نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا کیونکہ مجھے تمہاری رضا کی تلاش تھی تمہارا سکون اور خوشی میرے لئے عزیز تھی تمہارے دکھوں کا مداوا میرے لئے اہم ترین مقصد تھا۔''

''یوسف بن کمال کے گھر والوں نے مجھے کھلے دل سے اپنایا اور تمہارے گھر والوں نے بھی۔''

''اور انہوں نے مجھے اپنا کر یہ یقین بھی دلایا کہ تمہارے زخم اب مندمل ہو گئے ہیں میکس

کروک کے گناہوں کا کفارہ ابو ہریرہ با آسانی کر سکتا ہے اور آج تمہارا ساتھ پا کر مجھے اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ میں خوش قسمت انسان ہوں اور اپنے رب کا پیارا بھی کہ جس نے مجھے تمہارا ساتھ دیا۔'' اپنی بات کے اختتام پر اس نے پیا کا آنسوؤں سے تر چہرہ دیکھا وہ خود بھی رو رہا تھا۔

''آپ کو میرے رب نے میرے لئے منتخب کر کے بھیجا ہے ہریرہ! تو پھر میں کون ہوتی ہوں اپنی رائے دینے والی، کیونکہ ہمارا رب جو بھی کرتا ہے ہمارے بھلے کے لئے ہی کرتا ہے، اس کی ہر ٹھوکر میں نصیحت ہوتی ہے مگر ہم انسان سمجھ نہیں پاتے، آپ کو دیکھ کر مجھے لگا تھا میں بہت غصہ کروں گی چیخوں گی چلاؤں گی مگر میں ایسا کر نہیں سکی کیونکہ میں نے سمجھ لیا تھا کہ آپ میرے رب کا انتخاب ہو جو ستر ماؤں سے بھی زیادہ اپنے بندوں کو محبوب رکھتا ہے آپ نے اللہ اور رسول ﷺ کو گواہ بنا کر مجھے اپنی زندگی میں شامل کیا ہے اس سے بڑھ کر معتبر حوالہ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔'' پیا کے پرسکون اور طمانیت بھرے چہرے پر سکون پھیلا ہوا تھا، ابو ہریرہ نے اپنا چوڑی ہتھیلی والا ہاتھ اس کے سامنے پھیلایا پیا نے فوراً تھام لیا۔

''میں وعدہ کرتا ہوں پارسا! کہ تمہاری عزت کرتے ہوئے ہمیشہ تمہارا اعتبار کروں گا، بد گمانی کبھی بھی ہمارے رشتے میں دراڑ نہیں ڈال پائے گی ہم ہمیشہ ایک دوسرے کی خواہشات کا خیال رکھیں گے ہمیشہ ایک دوسرے کی پسند ناپسند کا احترام کریں گے۔'' پیا نے اثبات میں سر ہلاتے تیزی سے کہا تھا۔

''اور آپ کبھی بھی اب اپنے بالوں کو ڈائی نہیں کریں گے۔'' ابو ہریرہ کھلے دل سے مسکرایا۔

''منظور۔''

''کبھی بھی کلائیوں میں بینڈز نہیں چڑھائیں گے۔''

''منظور۔''

''نہ ہی کبھی الکوحل والے پرفیومز لگائیں گے۔''

''یہ بھی منظور اور کچھ۔'' ابو ہریرہ کورنش بجاتے پوچھ رہا تھا۔

''اور یہ کہ آپ اتنی دیر سے اردو میں بات کر رہے ہیں اور مجھے اندازہ ہی نہیں ہو سکا۔'' پیا اک دم کھلکھلا کے ہنس دی تھی۔

''یہ زبان میں نے تب سیکھی تھی جب میں تم سے پہلی بار ملا تھا۔'' اب وہ اس کا ہاتھ تھامے سمندر کی لہروں کی جانب بڑھ رہا تھا پیا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''اس کا مطلب ہے کہ آپ کو اردو سمجھ میں آیا کرتی تھی؟'' پیا کو بے حد حیرت ہوئی اور وہ پریت تو اکثر ہی اس کی شان میں گستاخیاں کر جایا کرتے تھے۔

''ہاں...... اچھے سے سمجھتا اور محظوظ ہوتا تھا جب تم میرے بارے میں پریت سے رائے زنی کیا کرتی تھیں۔'' وہ مزے سے پیا کو چھیڑتے ہوئے بولا پیا کا شرم کے مارے سر جھک گیا۔

''اس کا مطلب ہے وہ نظم آپ نے لکھی تھی؟'' پیا نے چلتے چلتے رک کر پوچھا تیز لہر نے ایک بوچھاڑ سے ان دونوں کو گیلا کر دیا۔

پورے چاند کی رات میں وہ دونوں سمندر کے پانی میں کھڑے لہروں سے بھیگ رہے تھے کس قدر خوبصورت مسحور کن اور دلفریب منظر تھا، ابو ہریرہ ہولے سے مسکرایا۔

''ہاں...... سوچا تھا کبھی تمہیں خود سناؤں گا۔'' ابو ہریرہ نے آہستگی سے اعتراف کیا اور ٹھیک اسی سمے پیا کے اردگرد تتلیوں کا رقص شروع

ہو گیا یہ محبت کی تتلیاں تھیں جو محبت کی داسیوں کا نصیب ہوتی ہیں۔

''آپ واپس کب جا رہے ہیں؟'' پیا نے سمندر کی اٹھتی بڑھتی تیز لہروں میں اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑے پوچھا۔

''اب شاید کبھی نہیں۔'' اس کے لہجے میں اطمینان حد سے زیادہ تھا۔

''کیوں؟''

''کیوں کہ اماں کو لگتا ہے کہ پردیس میں بیٹی کا کوئی غمگسار اور مددگار نہیں ہوتا اور بیٹیاں آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی ہیں انہیں آنکھوں سے دور نہیں کرنا چاہیے۔'' پیا اس کی وضاحت اور انداز بیان پر کھل کر مسکرائی۔

''اور خواب محل اس کا کیا؟''

''پارسا کی خواہش پر وہ خواب محل پاکستان میں بھی بن سکتا ہے۔'' اس نے محبت کی قندیلیں آنکھوں میں روشن کرتے کہا۔

پیا اس کے جواب پر دل کھول کے مسکرائی طمانیت اور سکون کی پرسکون ندی کی مانند اس کے وجود میں بہنے لگے تھے پیا نے اپنا بازو ابو ہریرہ کے بازوؤں میں حمائل کرتے اس کے کندھے پر اپنا سر ٹکا دیا وہ دونوں ساحل کی گیلی ریت اپنے پیروں کے نیچے سے سرکتی محسوس کر رہے تھے۔

''مجھے وہ نظم سنائیں ناں ابو ہریرہ!'' ابو ہریرہ نے پیا کے خوبصورت چہرے کو محبت سے دیکھا۔

''سناؤں گا لیکن اس سے بھی پہلے دنیا کی خوبصورت ترین لڑکی کے لئے اس کے خاکسار کی جانب سے ایک حقیر سا نذرانہ۔'' اس نے جیب سے مخملی ڈبیا نکالتے جگر جگر کرتی ڈائمنڈ رنگ اس کے سامنے کی، اس نے انگوٹھی نکال کر ڈبیا سمندر میں اچھال دی اور پیا کا ہاتھ ویسے ہی تھامتے ہوئے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''یہ رہا تمہارا رونمائی کا تحفہ ورنہ ساری عمر طعنے دیتے گزار دو گی کہ تمہیں رونمائی کا تحفہ نہیں دیا تھا میں نے۔'' وہ اس کے حنا لگے ہاتھ میں انگوٹھی پہناتے کہتا پیا کو کھلکھلانے پر مجبور کر رہا تھا، وہ دونوں ساحل پر بھیگتی لہروں میں آگے ہی آگے بڑھ رہے تھے ابو ہریرہ کی خوبصورت آواز کی بازگشت اٹھتی لہروں میں مدغم ہو رہی تھی، وہ پیا کو نظم سنا رہا تھا پیا کا سر اس کے کندھے پر ٹکا تھا۔

میرے ہم سفر تیری نظر ہیں
میری جذبہ دل کی شدتیں
میرے خواب میری بصارتیں
میری دھڑکنیں میری چاہتیں
جو تیرے قدم میرے ہم چلیں
میرے ساتھ شمس و قمر چلیں
تیری قربتوں میں سمیٹ لوں
وہی زندگی کی مسافتیں
یہ ردائے جاں تجھے سونپ دوں
کہ نہ دھوپ کو کڑی لگے
کہیں دکھ نہ تجھ کو عطا کریں
سر دشت غم کی تمازتیں
تیرے نام سے میری صبح ہو
تیری یاد میں میری شام ہو
تیرا قرض ہے میری زندگی
میری سانسیں تیری امانتیں

آگے اور آگے وہ دونوں محبت کے پاس چلے جا رہے تھے رات بھیگ رہی تھی اور تتلیوں کا رقص جاری تھا، بدگمانی، بے اعتباری اب درمیان میں نہیں آنے والی تھی اس رات کی صبح بہت کومل اور روشن تھی، رقص کرتی تتلیوں نے قیاس آرائی کی تھی اور کچھ غلط بھی نہیں کی تھی۔

☆☆☆

اُجلی صبح جیسی مہکتی عید
فرح طاہر

"اُف..... نجانے کیوں چندا کو دیکھ کر ہر بار میری آنکھوں میں تارے اور دل میں رنگ برنگے غبارے کیوں پھوٹنے لگتے ہیں، یہاں تک تو ٹھیک تھا مگر یہ غباروں کے پھوٹنے کے بعد جو دل ایک سو ایک میل کی رفتار سے سرپٹ دوڑتا ہوا مجھے حال سے بحال کرنے لگتا ہے یہ بات میرے لئے بالکل خطرناک ثابت ہو رہی تھی، کیونکہ تاروں اور غباروں کی کیفیت کے بعد یہ جو دوڑتی دوڑاتی کیفیت جب مجھے اردگرد سے بے خبر کر کے پوری کی پوری آنکھیں کھول کہ چندا کے طرف متوجہ کرتی تو آس پاس کے سبھی لوگ میری بے خودی سے واقف ہونے لگتے تھے اور جو کبھی اگر غلطی سے ان لوگوں میں میری اماں حضور کا شمار بھی ہو جاتا، تو پھر میری کیفیت کو مجھ سے زیادہ خطرہ لاحق ہو جایا کرتا تھا، نجانے کیوں ہر پیار کرنے والوں کے درمیان یہ ظالم سماج جیسی دیواریں کیوں کھڑی ہو جایا کرتی ہیں۔"

منہ لٹکائے الٹی سیدھی سوچوں میں گھرا جیسے ہی میں اپنے گھر کا گیٹ کھول کر باہر نکلا میری نائٹین کے اینگل سے اٹھتی نظر سیدھی چندا کے گھر کی طرف اٹھی اور جیسے لمحے ٹھہر گئے،، یوں لگا جیسے ہر پل ساکت ہو گیا ہو اور ساکت بھی کیوں نہ ہوتا، آخر کو میرا دل کا چین اور آنکھوں کی ٹھنڈک چندا جو سامنے کھڑی تھی، جسے دیکھ کر پہلے تو آنکھوں میں تارے اترے، پھر دل میں غبارے پھٹے اور پھر دل تیز رفتاری کے سارے ریکارڈ توڑ کر جیسے دوڑتا ہوا چندا کے قدموں سے لپٹنے کو تیار ہوتا میرے قدموں کو مزید چند قدم آگے کی طرف لے آیا۔

"چندا!" لبوں کی دھیمی سی جنبش میں اس کا نام کیا ابھرا، یوں لگا جیسے میرے اندر باہر مٹھاس بھری چاشنی کے چشمے پھوٹ پڑے ہو، چاشنی کے پھوٹتے ان چشموں کی مٹھاس سے ذرا سی مٹھاس آنکھوں میں سموئے میں نے بڑی میٹھی نظروں سے اس کی طرف دیکھا، مگر یہ کیا؟ نہ تو آج چندا مجھے سامنے دیکھ کر شرمیلا سا مسکائی تھی، نہ ہی رخ بدلتی اندر کی طرف لپکی تھی، بلکہ آج تو وہ میری طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کر رہی تھی، میرے دل کو بڑی زور کا دھکا لگا۔

"کہیں کوئی اور تو نہیں؟" اپنے دل میں ابھرتے خیال کو پورا ہونے سے پہلے ہی میں نے سر کو جھٹک کر اپنے خیال کو بھی بری طرح پرے جھٹکا تھا۔

"چندا تو بس علی شیر کی ہے ہاں بس۔" خود کو یقین دلا کر جو اس بار میں نے غور سے چندا کی طرف دیکھا، تو مجھے اس کے چہرے پر شدید پریشانی کے تاثرات نمایاں نظر آئے۔

"چندا اور پریشان؟" میں تیزی سے اس کی طرف لپکا، مگر اس سے پہلے کہ میں اس کے قریب پہنچتا، میرے قدموں کو ایک دم بریک لگ گئی، سامنے کھڑی چندا کی پہلے سے پھیلی آنکھیں اب جیسے پھٹنے کو تھیں ان پھٹی آنکھوں کے ساتھ اس نے تیزی سے اپنے نرم گلابی ہونٹوں کو بڑی بے دردی سے دانتوں تلے چبا کر ذرا سا مڑ کر ہاتھ کے بڑے تیز اشارہ سے دروازہ کو دھکا دیا اور تیزی سے گویا چلا کر بولی۔

"فراست جلدی باہر آ، وہ دیکھ ہمارا راجہ بھاگ گیا۔" صدمے کے مارے اس کی آواز جیسے پھٹ پڑی تھی۔

"راجہ......؟" چندا کی پکار کے اختتام پر میں ایک دم بڑبڑایا۔

"یہ راجہ آخر کون؟" ایک پل کو میں سوچ میں پڑا مگر دوسرے ہی پل گہری سانس بھر کر رہ گیا، راجہ چندا کے اس بکرے کا نام تھا جو اس نے

قربانی کے لئے خریدا تھا، تھا بھی تو کمبخت رج کے پیارا، جو بھی دیکھتا، اس کی خوبصورتی سے متاثر ہو کر پچکارنے کی خاطر اس کی طرف کھینچا چلا جاتا اور چندا کو تو وہ بھی ویسے بھی جی بھر کہ پیارا تھا، فراست سے زیادہ اس قدر اس کے لاڈ ناز نخرے اٹھاتی کہ کبھی کبھی تو میرا دل کرتا کہ میں راجہ کی جگہ خود اپنے گلے میں اسی ڈال کر کھڑا ہو جاؤں۔

''فراست ہمارا راجہ بھاگ گیا۔'' چندا نے پہلے سے کہیں زیادہ اونچی آواز میں اب کی بار فراست کو پکارا تھا، فراست تو نہ آیا مگر اس کی اس قدر زور دار آواز پر آس پاس کے لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور پھر جب صورتحال کا اندازہ ہوا تو تقریباً سب ہی راجہ کے پیچھے بھاگے تھے اور جب میں نے سب کو اس طرح چندا کی مدد کی خاطر بھاگتے دیکھا، تو میرے دل نے بڑی زور کی سرگوشی کرتے ہوئے، مجھے چونکایا تھا۔

''اوئے علی شیر تو ایسے ہی کھڑا ہے، وہ دیکھ وہاں چندا کا راجہ بھاگ رہا ہے۔'' سرگوشی تھی یا جیسے اماں کا کھینچ کر نشانہ لیا ہوا جوتا مجھے سر تا پیر بری طرح ہلا گیا، اسی لئے میں نے سامنے کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے ڈھیلے پیروں کو جوتوں میں کھسا اور مزید کچھ اور سوچے میں نے راجہ کے پیچھے دوڑ لگا دی، اب چونکہ بات چندا کی تھی اس لئے میرے پیروں کو بریک لگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

اندر ابل ابل کر باہر نکلتے جوش نے اس قدر دوڑایا کہ آخر کار میں راجہ سے بھی آگے نکل گیا، ذرا دور جا کر جو اپنے آگے نکل جانے کا خیال آیا تو بمشکل خود کو بریکر پر ڈال کر خود کو روکنے کی کوشش میں لڑکھڑاتے ہوئے پیچھے کی طرف پلٹا۔

تو راجہ صاحب مجھ سے ذرا سے فاصلے پر رکے سر اٹھائے اپنی بھوری کانچ سی آنکھوں میں حیرت سموئے مجھے ہی دیکھ رہا تھا، میں نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور تیزی سے آگے بڑھ کر راجہ صاحب کی گلے میں جھولتی رسی کو اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑ لیا، اتنے میں باقی لوگ بھی ہانپتے کانپتے میرے قریب پہنچ گئے، قریب آنے پر جو انہوں نے راجہ کی رسی میرے ہاتھوں میں دیکھی، تو داد دینے کے سے انداز میں مجھے سراہتے ہوئے بولے۔

''واہ بھئی علی شیر، آج اس منہ زور راجہ کو قابو کر کے تم نے اپنی بہادری کا ثبوت دے دیا۔'' لوگوں کے اتنے مجمعے میں سے کسی نے کہا تو خواہ مخواہ ہی میرا سر فخر سے اونچا ہونے لگا، پھولے سینے اور اٹھے سر کے ساتھ راجہ کو گھسیٹتا ہوا میں چندا کی طرف بڑھا، میرے قریب پہنچنے پر جو اس نے میرے ساتھ راجہ کو دیکھا تو اطمینان بھری گہری سانس اپنے اندر اتارتے ہوئے اس نے آگے بڑھ کر راجہ کی رسی کو اپنے ہاتھ میں لیا اور شکریہ کو دو لفظ بولتی ہوئے اندر کی طرف بڑھ گئی اور میں اس کے سامنے سے ہٹ جانے کے باوجود وہیں کھڑا اپنے کارنامے کی بدولت چندا کی آنکھوں میں اترے تشکر بھرے جذبات کو نجانے کب تک سوچتا رہتا تھا کہ ایک دم ہی اماں نے قریب آ کر اس زور سے دھپ لگائی کہ میں جو یونہی خود کو ڈھیلا سا چھوڑے کھڑا تھا ایک دم لڑکھڑا گیا، مگر اس سے پہلے کہ میں گرتا اماں نے تیزی سے میرا بازو پکڑ کر مجھے گھر کی طرف کھینچ کر لے جاتے ہوئے کہا۔

''ہیرو تو ذرا اندر چل۔'' اماں کے دبے دبے لہجے میں جو بھی تھا، میں ایک دم چوکنا ہوا۔

میں نے چور نظروں سے اپنے اطراف دیکھا، چندا ایک محلے کے لڑکے وہاں کھڑے

پوری طرح ہماری طرف متوجہ تھے، ان کے چہروں پر بھی دبی دبی مسکراہٹ نے پوری طرح میرے دل کو جلا کر راکھ کیا تھا، اس لئے میں نے بڑا تڑپ کر اماں کی طرف دیکھا تھا، کیا تھا جو اماں اندر لے جا کر مجھے اس طرح گھسیٹ لیتی، اچھا بھلا لوگوں پر میری بہادری کی ذرا سی دھاک بیٹھنے لگی تھی، اماں نے منٹوں میں سب مٹی میں ملا دی، جلے دل کے ساتھ بھیگی بلی کی مانند میں اماں کے ساتھ گھسیٹتا چلا گیا۔

مذاحمت کا کوئی فائدہ بھی تو نہیں تھا، اس لئے میں نے خود کو ڈھیلا چھوڑ کر لٹکے منہ کے ساتھ اماں کی عدالت میں پیش کر دیا۔

''منع کیا تھا ناں تمہیں۔'' اماں نے کڑے تیورے سمیت خشمگیں نظروں سے مجھے گھورا تو میں نے فٹ سے انجان بنتے ہوئے ان سے پوچھا۔

''کیوں کیا ہوا اماں؟'' میں نے انجان پن کی حد ہی کر دی تھی جیسے، جبھی اماں کی گھوری میں مزید سختی در آئی تھی۔

''بتاؤ تمہیں کیا ہوا ہے؟'' انہوں نے جھک کر پاؤں سے جوتی اتاری تو میں ایک دم بوکھلایا۔

''کیا ہے اماں، اتنا بڑا ہو گیا ہوں میں مگر تم ہمیشہ مجھ پر بچوں کی طرح شروع ہو جاتی ہو۔'' مجھے اپنی مردانگی پر بڑی زوروں کی چوٹ لگتی محسوس ہوئی اس سے اس لئے میں نے قدرے سنجیدہ ہوتے ہوئے اماں کی طرف دیکھا تو ان کا جوتی والا ہاتھ واپس ان کے پہلو میں گر گیا۔

''ہاں جانتی ہوں تو بڑا ہو گیا ہے اس لئے تو خود اپنے لئے لڑکی تلاش کر کے اب سر عام اس کے لئے اسی طرح کے کارنامے سر انجام کرتا پھر رہا ہے، ہماری عزت بے عزتی کا کوئی احساس ہی نہیں تمہیں۔'' اماں کا انداز مسلسل تیزی ہی لئے جا رہا تھا، جب میں نے کہا۔

''اب اس ساری بات میں آپ کی عزت بے عزتی کا سوال کہاں سے آ گیا اماں؟'' میں نے استفہامیہ نظروں سے اماں کی طرف دیکھا تو وہ فوراً ناک چڑھا کر بولیں۔

''کیا کہے گی دنیا، جب سنے گی کہ اسفندر یار کا بیٹا، چندا قمر کے بھاگ جانے والے بکرے کو پکڑنے کی خاطر اس کے پیچھے بھاگا۔'' ان کی سوچ کی بھی کوئی انت نہیں تھی میں گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

''جو دنیا سنے گی، سوچے گی، اسی دنیا کے چند اور لوگ مجھ سے پہلے چندا کے بکرے کو پکڑنے کے لئے بھاگے تھے اماں۔'' اپنی طرف سے میں نے ان کو لاجواب کرنے کی پوری کوشش کی تھی، مگر وہ کہاں لاجواب ہونے والوں میں تھی اس لئے الٹا مجھے لاجواب کرنے کو بولیں۔

''بیشک بھاگے ہونگے، مگر ان سب میں سے زیادہ تکلیف تو تمہیں ہوئی ناں، زیادہ درد تو تمہارے دل میں مچلا، جبھی تو ہیرو کی طرح اپنی بھی پروا نہ کرتے ہوئے تم ہی اس کے بکرے کو پکڑ کر اس تک لائے۔'' اب کی بار ان کی آنکھوں میں سختی کی جگہ شک بھرے طنز نے لے لی تھی، میں سر پہ ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

اماں کا چندا سے اس قدر بیر کی وجہ سے میں اچھی طرح واقف تھا، بلکہ میں بھول ہی نہیں سکتا تھا اس وقت کو جب دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے اماں کے سامنے چندا کے لئے اپنی پسندیدگی کو ظاہر کر کے ان کو اس کی اماں کے پاس رشتے لے جانے کے لئے کہا تھا، اسی وقت سے ہی تو اماں بدل گئی تھیں تب سے کیسے ان کی آنکھوں میں میرے لئے شک ہی شک بھرا رہتا

تھا اسی وجہ سے وہ میری پل پل کی رپورٹ سے باخبر رہنا چاہتی تھیں، اسی لئے میں اگر گھر کے باہر ہوتا تو دکھائی نہ دینے والا ان کو کوئی نہ کوئی جاسوس میرے اردگرد رہتا اور پھر وہ اماں سے میری وہ وہ جاسوسی بھی کرتا، جس کی خود مجھے خبر نہیں ہوا کرتی تھی اور اماں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا ہوا تھا، بلکہ میں گھر میں بھی ہوتا تو وہ بہانے بہانے سے میرے کمرے میں آتی، کبھی مجھے ایکسرا کرتی نظروں سے گھورتی تو کبھی بہانے سے میرا موبائل اٹھا کر چیک کرنے لگتی اور حد تو جب ہوتی جب میں موسم کی رنگینی محسوس کرنے کی خاطر چھت پر آتا تو اماں بوتل کے جن کی طرح میرے پیچھے چلی آتی، پھر چاہے میں لاکھ تاویلیں دے لیتا، وضاحتیں کر کر تھک جاتا مگر ان کو یہی لگتا کہ چندا کو دیکھنے کی خاطر میں اوپر آیا ہوں، اب یہاں تک تو بات برداشت لائق تھی، اپنی ذات پر میں ہر بات برداشت کر جاتا، مگر پھر اماں نے جانے کیا سوچا کہ ان کی ہر بات مجھ سے ہٹ کر چندا کی طرف منتقل ہوگئی، پھر ان کی سوچ کا سارا لب لباب یہ ہوگیا کہ پرچون فروش قمر کی بیٹی چندا نے جان بوجھ پر مجھ پر ڈورے ڈال کر مجھے اپنے جال میں پھنسا لیا ہے اور اب وہ ادائے دکھا دکھا کر مجھے اپنا دیوانہ بنا کر اس طرح کی حرکتیں کرنے پر مجبور کر رہی ہے، اماں کی اس سوچ پر میں دنگ ہی رہ گیا، آخر اماں چندا کے متعلق ایسا کیسے سوچ سکتی ہے۔

کیونکہ اماں سمیت پورا محلہ چندا اور اس کے گھر والوں کی شرافت سے خوب واقف تھا تو پھر اماں نے اس کے کردار پر انگلی اٹھائی بھی تو کیوں؟ میں بری طرح جھنجلایا تھا، تبھی اماں سے الجھ پڑا۔

''اماں! تم اچھی طرح جانتی ہو چندا ایسی نہیں ہے پھر کیوں اس طرح اس پر الزام لگا رہی ہو۔''

''میں اچھی طرح جانتی ہوں چندا اور چندا جیسی غریب لڑکیوں کو، یہ حالات کی ماری ہوئی ترسی لڑکیاں یہ جہاں خود سے بہتر لڑکے دیکھتی ہیں وہیں پھسل جاتی ہیں۔'' اماں کے انداز میں حد درجہ نخوت تھی میں حیرت سے جیسے مرنے کو ہو گیا۔

''میری اماں، میری ماں ہو کہ اس طرح غریب و امیر کے فرق کو رکھ کر کیسے اس طرح کی سوچ رکھ سکتی ہیں؟ اور میں کہاں کا امیر تھا، بس تھوڑا ہی تو فرق تھا چندا اور میرے حالات کا، اس کا ابا محلے کی واحد پرچون کی دکان کا مالک تھا، تو میرا ابا صدر میں ایک بڑی سی جوتیوں کی دکان کا مالک تھا، اب اس میں کون سی بڑی تھی کہ چندا کا ابا پرچون کی چیزیں بیچتا تھا اور میرا ابا جوتیاں، دیکھا جاتا تو شرم کا مقام تو میرے لئے تھا کیونکہ میرے ابا خود جھک کر لوگوں کے پیروں میں جوتی پہنا کر پیسہ کماتا تھا، جبکہ چندا کے ابا بڑے سے سٹول پر بیٹھ کر ہاتھوں ہاتھ چیزیں تھمایا کرتا تھا، مگر میں اماں کی سوچ کا کیا کرتا، جو کام کی بجائے کمائی پر فخر کرتی تھی، کیونکہ بہرحال جو بھی تھا کمائی تو ابا ہی کی زیادہ تھی، اس لئے اماں نے بڑے گھمنڈی لہجے میں انگلی اٹھا کر کہا تھا۔''

''جو کچھ تو سوچ رہا ہے ناں علی شیر، یہ سب خناس اپنے دماغ سے نکال دے، میں کسی صورت بھی تیرے لئے ایسی چندا کے گھر رشتہ لے کر نہیں جاؤں گی۔'' قطعی انداز میں کہتے ہوئے انہوں نے مزید کہا تھا۔

''خدا کی پناہ! کیا کہہ کر لوگوں سے تعارف کراؤں گی اپنی اکلوتی بہو کا، چندا قمر جس کا باپ ساری عمر پرچون کی دکان میں کماتا بوڑھا ہو گیا

اور جس کی ماں اپنے شوہر کا ہاتھ بٹانے کی خاطر درزن بنی لوگوں کے معمولی پیسوں کے عوض لوگوں کے کپڑے سی سی کر بالآخر کبڑی ہو گئی اور اب جب ماں کی ہمت جواب دینے لگی تو خود بیٹی محترمہ میدان میں کود کر ماسٹرنی بنی بچوں کا ٹیوشن سینٹر کھول کر بیٹھ گئی۔'' حد درجہ حقارت سے کہتی اماں کو سن کر میں خوف خدا کے زیر اثر بری طرح کانپا تھا۔

''خدا کا خوف کرو اماں، تم کون ہوتی ہو کسی کی غربت کو ان کی پہچان بنانے والی۔'' لرزتے لہجے میں، میں نے اماں کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

''ہم تو انسان کے نام پہ زمین پہ رینگنے والے وہ معمولی اور حقیر سے کیڑے ہیں جو خود اس خدا کے محتاج ہیں، جو مالک ملک ہے ہمارا خالق ہے، وہ جب چاہے پانسہ پلٹ کر امیر کو غریب اور غریب کو امیر کر دے، پھر تم کیا کر لو گی؟'' اپنی ظرف سے میں نے ان کی سوچ بدلنے کی کوشش کی تھی، مگر اماں نے بجائے سمجھنے کے حسب عادت جھک کر پلنگ کے نیچے پڑی چپل اٹھا کر تیوری چڑھائے میری طرف دیکھ کر کہا۔

''اب تو مجھے سبق پڑھائے گا، مجھے؟'' اپنی طرف انگلی کیئے انہوں نے چپل پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے اوپر کو اٹھایا۔

''اس چھوکری کی خاطر اب تو مجھے سبق پڑھائے گا، مجھ سے زبان لڑائے گا؟ تیرا یہ عشق کا نشہ اتارنا مجھے اچھی طرح آتا ہے، تو رک ذرا۔'' انہوں نے نشانہ لینے کو جو ہاتھ اوپر اٹھایا، مگر اس سے پہلے کہ ان کے ہاتھ سے نکل کر چپل میرے جسم کے کسی بھی حصے کو چھو کر داغتی (نشان زدہ کرتی) نجانے اماں کے دماغ میں کیا سمائی، کہ وہ ایک دم چپل نیچے پھینک کر خود بھی پلنگ سے اتر آئی، میں نے نا سمجھی سے ان کی طرف دیکھا، نجانے وہ اب آگے کیا کرنے والی تھیں میں چوکنا ہوتا ہوشیار ہو کر سیدھا ہوا، مگر یہ کیا، اماں میری طرف آنے کی بجائے چپل پاؤں میں اڑس کر اب دروازے کی طرف رخ کیئے کھڑی تھیں، میں اٹھ کر ان کے سامنے آیا، تو وہ چادر کا پلو سر پر جماتی فیصلہ کن انداز میں بولیں۔

''اس فتنی کی ماں کو پوچھوں ذرا، جس نے اپنی جوان جہاں لڑکی کو بے مہار چھوڑ کر اچھے بھلے لڑکوں کا دماغ خراب کرنے کے بعد انہیں اپنی ہی ماں سے زبان لڑا کر سامنے کرنے کو مجبور کر رکھا ہے۔'' انہوں نے غصیلی نگاہوں سے سرتاپیر مجھے گھورتے ہوئے کہا تو میں ایک دم ہی ڈھیلا پڑ گیا۔

اپنی وجہ سے میں چندا کی بدنامی کسی صورت نہیں چاہتا تھا، اس لئے ساری باتوں کو صبر کا گھونٹ سمجھ کر اپنے اندر اتارتے ہوئے میں نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

''میں آئندہ چندا کا نام نہیں لونگا اماں، بس تم ان کے گھر جا کر کچھ غلط نہیں کہوں گی۔'' میں نے شرط رکھی اور انہوں نے جھٹ سے مان لی، اب کہنے تو میں نے کہہ تو دیا تھا مگر اس دل کا کیا کرتا جو ہر وقت چندا چندا کا راگ الاپتا رہتا تھا، زبان تو اختیار میں تھی اس کو قابو میں کر کے میں نے تالا لگا لیا، مگر اب نظر کو اندھا کیسے کرتا، جو چندا کو سامنے دیکھ کر مجھے بے بس کر کے رکھ دیا کرتی تھی، ایسا ہی بے بس تو میں آج بھی ہوا تھا، اسے سامنے دیکھ کر میں سب کچھ بھول بھال کر اس کی مدد کو دوڑ پڑا، مگر یہ اماں اور اس کے پھاپھا کٹنی گلی والے ہمدرد، نجانے کیا کیا مرچ مصالحہ لگا کر اماں کو بتا گئے جو وہ اس قدر آگ بگولہ بنی

ہوئی تھیں، میں اپنے وعدے سے پھرا تھا، اسی لئے سر جھکائے بے بسی سے ان کو سننے کے لئے مجبور تھا۔

''مجھے تو پہلے ہی پتا تھا، تیرے یہ عشق کا بخار اتنی جلدی اور اتنی آسانی سے اترنے والا نہیں ہے، پھر بھی تو نے کہا تو میں نے سدھارنے کے لئے تجھے موقع دے دیا، مگر اب تو ہرگز بھی نہیں۔'' سر کو دائیں بائیں گھما کر انہوں نے بے حد ٹیڑھی نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا تھا۔

''بتا کتنے پیسے دیئے ہیں تو نے چندا کو۔''

''ہیں؟'' میں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

''پیسے...... کیسے پیسے اماں؟''

''بھولا چوزا نہ بن علی شیر، سیدھی طرح بتا تو نے بکرا لانے کے لئے چندا کو کتنے پیسے دیئے ہیں؟''

''اتنا ٹیڑھا سوال اف۔'' میں بری طرح جھنجھلایا۔

''اس کو اس کا بکرا لانے کے لئے میں اسے پیسے کیوں دیتا اماں۔''

''جانتی ہوں تجھے میں، تو نے ضرور اسے پیسے دیئے ہونگے پھر، ورنہ جتنی مشکلوں سے وہ ضروریات پوری کرتے ہیں ایک زمانہ جانتا ہے، اس کے باوجود قربانی کے لئے بکرا لے آئے، ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔'' ان کے انداز پر ان کے لفظوں نے جیسے سچ کی مہر لگا دی تھی اس لئے وہ سب کچھ اپنی طرف سے طے کیئے بولے جا رہی تھیں، ہمیشہ کی طرح مجھے ان کا انداز والفاظ ہی برے لگے تھے، اس لئے میں ایک بار پھر اماں کے سامنے بول پڑا۔

''تم اپنی سوچ کو بدل لو اماں، اتار دو یہ اپنی مشکوک بھری عینک کو، ایسا کچھ بھی نہیں ہے جیسا تم سوچ رہی ہو، میں نے چندا کو کوئی پیسے نہیں دیئے ہیں اور پیسے لینا تو دور کی بات، چندا تو مجھ سے بات تک نہیں کرتی ہے، ایک نظر کے بعد دوسری نظر تک نہیں ڈالتی میری طرف اور تم۔'' حد درجہ جذباتی لہجے میں بولتے ہوئے آخر میں دل میں دبی حسرتیں نمایاں ہوئی تو زبان بھی بے لگام ہوتی پٹڑی سے اتر گئی اور اماں فوراً ہی پٹڑی سے اتری اس گاڑی میں سوار ہوتی بے قابو ہو گئیں۔

''یہی تو ادائیں ہوتی ہیں ان جیسوں کی، پہلے ادائیں دکھا کر دیوانہ بناتی ہیں پھر نخرے دکھا کر پاگل بناتی ہیں اور تو پاگل گھامڑ، بے وقوف۔'' تیز لہجے میں بولتی وہ دروازے کی طرف لپکی۔

''آج تو ان ماں بیٹی سے حساب کتاب کر کے رہوں گی میں۔''

مجھے بس ایک پل لگا ان کی بات سمجھنے میں دوسرے ہی پل میں اماں کے پیچھے لپکا تھا۔

''ہا...... اماں رک...... رک تو صحیح اماں۔''

میں بوکھلا کر ان کے پیچھے پیچھے لپکا تھا مگر اماں تو جیسے پچ پر پھسلی گیند کی مانند آگے ہی آگے بڑھتی جا رہی تھیں۔

''آج تو میں کسی صورت نہیں رکوں گی۔'' تیز تیز چلتی اماں نے ہاتھ نچا کر رکنے سے قطعی انکار کیا تو میں بے بسی سے مزید تیز قدم اٹھاتا ان کے قریب آیا تھا۔

''اماں تم رکو تو صحیح، ایک منٹ رک کر میری بات تو سنو۔''

مگر اماں نے نہ سننا تھا نہ ہی سنا، اسی طرح تیز چلتی بالآخر انہوں نے چندا کی دہلیز پار کر ہی لی اور میں دروازے کے باہر کھڑا اماں کو بے بسی سے دیکھ کر رہ گیا، کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ شالیمار بنی اماں کو روکوں تو آخر کس طرح روکوں، میں جہاں

سوچ میں ڈوبتا، وہیں اماں کچھ ایسا کرتی کہ میں بلبلا کر جھنجلاتا رہ جاتا، ابھی بھی میں اماں کو ٹھنڈا کرنے کا طریقہ سوچ رہا تھا، مگر اماں نے مجھے مزید کچھ سوچنے کا موقع دیئے بنا اندر کی طرف قدم بڑھائے تو میں فٹ سے چوکھٹ پار کرتا ان کے پیچھے اندر آیا تھا، آج اماں جتنا غصہ تھیں ان سے کوئی بعید نہیں تھا کہ وہ چندا اور اس کی اماں کی جی بھر کے بے عزتی کر دیتی خواہ مخواہ میری وجہ سے چندا کو یہ سب سننا پڑتا، مجھے خود پر غصہ آنے لگا جبھی میں نے آگے بڑھ کر اماں کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اندر کمرے میں جانے سے روکا اماں نے پلٹ کر غصیلی نگاہوں سے مجھے گھورتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے کمرے کا دروازہ کھولنے کے لئے جونہی اس پر ہاتھ رکھا، اسی پل اندر سے اماں کی پکی سہیلی فہمیدہ خالہ کی ابھرتی آواز نے اماں کے ہاتھوں کو مزید حرکت سے روک دیا۔

''جمیل بتا رہا تھا آج تمہارا راجہ بھاگ جاتا تو اگر علی شیر اسے پکڑ نہ لاتا تو۔'' سب کچھ جاننے کے باوجود انہوں نے نجانے اس سے تصدیق کرنا کیوں چاہا تھا۔

''ہاں خالہ آج علی شیر نے واقعی بہت بہادری دکھائی، ورنہ راجہ تو آج ہمارے ہاتھوں سے نکل ہی جاتا۔'' چندا نے ان کی بات کی تصدیق کی تو انہوں نے قدرے فکر مند لہجے میں کہا۔

''جب یہ بات مجھ تک پہنچی ہے تو پھر انیسہ تک بھی ضرور پہنچی ہوگی، ایک تو وہ تمہیں پسند نہیں کرتی اوپر سے غصے کی تیز، نجانے اب کیا ہوگا۔'' فہمیدہ خالہ تھی تو اماں کی سہیلی، مگر اس وقت وہ چندا کی فکر میں گھلی جا رہی تھیں، جہاں میرے دل کو تسلی ہوئی وہیں اماں نے غصے سے دانت کچکچائے تھے، مگر اس سے پہلے اماں اندر انٹری مارتی چندا نے بڑے نرم سے لہجے میں کہا۔

''مجھے احساس ہے خالہ، اس لئے میں نے کبھی علی شیر کو کوئی پوزیٹو رسپانس نہیں دیا ہے، آخر کو وہ انیسہ خالہ کا اکلوتا بیٹا ہے، نجانے اس کو لے کر خالہ کے کیا کیا نہ ارمان ہونگے، ایسے میں جو اگر میں کوئی رسپانس دے کر علی شیر کو بغاوت پر اکساتی تو انیسہ خالہ تو ویسے بھی مجھے ناپسند کرتی ہے اس سب کے بعد تو وہ مجھ سے نفرت ہی کرنے لگ جاتی، جو مجھے کسی صورت گوارہ نہیں، اس لئے علی شیر کو دیکھ کر میں ہمیشہ محتاط ہو جاتی ہوں تاکہ وہ میری طرف سے مایوس ہو کر اپنی اماں کو خوش کر دے۔'' کس قدر سلجھی ہوئی باتیں کر رہی تھی چندا، مجھے اچھا لگ رہا تھا، مگر اماں؟ میں نے مایوس ہو کر اماں کی طرف دیکھا مگر شاید چندا کی باتوں نے اماں کے دل کو بھی چھوا تھا جبھی چوکھٹ پر رکھا ان کا قدم پیچھے ہٹا تھا، میں نے غور سے ان کی اس حرکت کو محسوس کیا، مگر اس سے پہلے کہ میں مزید کچھ سوچتا، چندا کی ابھرتی آواز نے ایک بار پھر ہم دونوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

''اور رہا آج علی شیر کی ہماری مدد کرنے کا تو میں دل سے اس کی شکر گزار ہوں خالہ، اس کے اس احسان کا بدلہ تو میں نہیں اتار سکتی، مگر عید کے دن میں خود جا کر خالہ کو شکریہ کے ساتھ اپنے ہاتھ کا پکا ہوا بکرے کا مغز دے کر آؤں گی، ان کو بکرے کا مغز پسند بھی تو بہت ہے ناں، شاید اپنی پسند کی چیز دیکھ کر میری طرف سے ان کا غصہ کچھ کم ہو جائے۔''

''اماں کی پسند سے واقف وہ بھی چندا۔'' اماں کے ساتھ ساتھ میں خود بھی بری طرح چونکا تھا، ہمارے دلوں میں اٹھتا سوال اندر فہمیدہ خالہ کے لبوں سے کچھ اس طرح ادا ہوا کہ ہمیں

ہمارے سوال کا جواب خود ہی مل گیا۔

''واہ چندا تجھے ابھی تک یاد ہے مغز انسیہ کی پسند تھا، حالانکہ اتنے مہینوں پہلے بتایا تھا میں نے تجھے۔''

اس کا مطلب تھا کہ فہمیدہ خالہ ان کی طرف سے رپورٹیں دیتی رہا کرتی تھی چندا کو، مجھے لگا اماں ابھی اسی بات کو لے کر چنگھاڑتی اندر جائیں گی مگر مجھے حیرت کا بڑا شدید جھٹکا لگا، اماں اندر جانے کی بجائے اسی طرح اپنی جگہ کھڑی، اپنے لبوں کو مسل رہی تھی، ہمیشہ کی طرح اس سمے بھی مجھے اپنی اماں پہیلی کی مانند محسوس ہوئیں تھیں۔

''یہ بہت منہ زور ہوتی جا رہی ہے فہمیدہ بہن، میں خود تنگ آنے لگی ہوں اس کی ان مانی مانیوں سے، کتنا منع کیا میں نے اس کو کہ قربانی کے لئے بکرا مت لا، کہاں ہم اور کہاں قربانی جیسا اہم اور مقدس فریضہ۔'' چندا کی اماں کا لہجہ بڑا شکایت کرتا محسوس ہو رہا تھا۔

''میں نے کتنا کہا اس کو، کہ ان پیسوں کو اپنے جہیز کے لئے رکھ لے مگر ایک نہ سنی اس نے میری، اب اس کو کیسے سمجھاؤں میں آپ ہی بتائیں؟'' ذرا توقف کے بعد وہ مزید بولنا شروع ہوئیں تھیں۔

''ہم ایسے غریب ہیں جو اگر کبھی غلطی سے امیر ہو بھی جائیں تو بھی غریبی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گی، کیونکہ لوگ یہ نہیں دیکھے گے کہ ہم امیر ہو گئے بلکہ لوگ یہ سوچیں گے کہ ہم امیر کیسے ہو گئے، کس کس کو بتائیں گے کہ کہاں سے امیر ہوئے کیسے امیر ہوئے، سب جانتے ہیں ہم دال روٹی میں گزارا مشکل سے کرتے ہیں ایسے میں قربانی، سب سے پہلا سوال یہی اٹھے گا کہ اتنے پیسے کہاں سے آئے، کس کس کو بتائے گی یہ کہ سالوں سے اپنی جیب خرچی جمع کرنے کے بعد کہیں جا کر یہ پاگل لڑکی بکرا خریدنے کے لائق ہوئی ہے۔''

آخر میں وہ شاید رو پڑی تھیں، اس لئے روندھی ہوئی آواز کے ساتھ انہوں نے چپ اختیار کر لی تھی، جبھی ان کے چپ ہونے کے بعد چندا فوراً بولی تھی۔

''اور میری پیاری اماں میں نے بھی ہمیشہ آپ کو سمجھایا ہے کہ لوگوں کی فکر مت کیا کریں، جب یہ لوگ ہمارے برے دنوں میں ہمارے کام نہیں آ سکتے تو آپ ان کو سوچ کر اپنے اچھے دنوں کو خراب کیوں کرتیں ہیں؟'' ماں سے بات کرتی کرتی وہ فہمیدہ خالہ کی طرف مڑی۔

''آپ ہی بتائیں خالہ میں نے کچھ غلط کیا کیا؟ کیا قربانی جیسا فریضہ ادا کرنے کا ہم کوئی حق نہیں رکھتے، ٹھیک ہے ہماری اتنی استطاعت نہیں تھی، اسی لئے بچپن کی اپنی اس خواہش کو میں نے ہمیشہ نفی کی، خود کو تسلی دی ان اچھے دنوں کی، جس کی آمد کے ساتھ ہماری خواہشات کی تکمیل جڑی تھی، مگر ان اچھے دنوں کی آمد سے پہلے خدا نے مجھے ایسی اچھی سوچ عطا کر دی جس پر عمل کی صورت سالوں سے اپنی ضروریات کو پس پشت ڈال کر میں ایک ایک روپیہ جمع کیا تاکہ میں اس خواب کو پورا کر سکوں جو اب میری آنکھوں سے نکل کر فراست کی آنکھوں میں پنپ کر اپنی جڑیں پھیلانے لگا تھا، مگر اس سے پہلے کہ جوبن پہ اٹھے اس درخت کی جڑیں سوکھ کر بوڑھی ہو کر فراست کو مایوسی کی طرف دھکیلتی خدا نے مجھے اس لائق کر دیا، کہ میں خود اپنے سمیت اپنے سے جڑے لوگوں کو مایوسی کی طرف جانے سے بچا سکوں، تو بتائیں میں نے کیا غلط کیا؟'' اندر وہ سراپا سوال بنی کھڑی تھی اور باہر اماں کو نجانے کیا ہوا کہ انہوں نے واپسی کے لئے باہر کی طرف قدم بڑھائے،

میں دل ہی دل میں سکون کا سانس لیتا ایک بار پھر اماں کے پیچھے لپکا۔

''اماں!'' میری پکار پر انہوں نے نظر اٹھا کر میری طرف دیکھا تو میں ان کی آنکھوں میں چمکتی نمی دیکھ کر حیران رہ گیا۔

''اماں تم......؟''

جو میری نظر دیکھ رہی تھی وہ زبان کہنے سے انکاری تھی، اس لئے بات مکمل ہونے سے پہلے ہی میری زبان لڑکھڑا گئی، مگر اماں نے بول کر میری ادھوری بات کو مکمل کر دیا۔

''ہاں، میں شرمندہ ہو رہی ہوں علی شیر، ایسی ہیرے جیسی لڑکی کے لئے میں دل میں بغض رکھ کر بیٹھی تھی، جو اپنوں کی فکر میں گھل کر مٹی ہونے کو تیار بیٹھی ہے، تیرے جیسی ہی تو باتیں کرتی ہے یہ بھی، خوب سجے گی یہ تیرے ساتھ۔'' میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بات مکمل کرنے کے بعد اماں نے آگے کی طرف قدم بڑھائے تو میں کتنی ہی دیر اپنی جگہ کھڑا پہلے تو ان کے کہے لفظ لفظ کو دہرایا، پھر سمجھا اور جب سمجھ کر دماغ میں اتارا تو میں خوشی سے بے قابو ہوتا ایک بار پھر بھاگ کر اپنے گھر کی طرف جاتی اماں کے پاس آیا۔

''اماں تم مان گئی چندا کے لئے؟'' مجھے تو یقین ہی نہ آ کے دے رہا تھا، کہاں تو اماں اپنے انکار پہ جمی کھڑی تھی اور اب کیسے ایکدم سے اپنی رضا مندی دے دی، میرا دل تو خوشی سے باؤلا ہوا جا رہا تھا، مگر اماں کے قدم اپنے گھر کا دروازہ پار کرتا دیکھ کر میرا باؤلا ہوتا دل ذرا سا سہا۔

''مگر اماں تم تو اپنے گھر جا رہی ہو۔'' پریشانی کی کیفیت میں اب میں پگھل پگھل کر گھلنے کو تھا، جب اماں نے بڑا زور سے ہنس کر عادت کے مطابق میری کمر پہ دھپ لگاتے ہوئے کہا۔

''ہاں تو اور تیرا کیا خیال ہے میں ایسے خالی ہاتھ خود اکیلی بہو کو لینے اس کے گھر چلی جاؤں۔'' استفہامیہ نظروں سے میری طرف دیکھ کر اماں مزید بولیں گی۔

''آخر کو اکلوتی بہو لانی ہے میں نے، اس کے شایان شان تیاری کے ساتھ اس کے گھر جاؤں گی، مگر تو تسلی رکھ، جس دن وہ اپنے راجہ کی قربانی کے بعد میرا من پسند مغز بھون کر اس پر ہرا دھنیا چھڑک رہی ہو گی اسی دن میں اپنے راجہ کے نام کی انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنا آؤں گی۔'' مجھے تسلی سے نوازنے کے بعد اماں تو دروازہ کھول کر اندر کی طرف بڑھ گئی مگر میں...... دروازے کو پکڑے عادت کے مطابق سوچ کے گہرے سمندر میں ڈوب چکا تھا کہ نجانے چندا کی کس بات نے اماں کی سوچ کو بدل کر ان کو اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور کیا تھا، مگر جو بھی تھا، اماں کا یہ فیصلہ میرے لئے خوشیوں کی ایسی نوید لایا تھا، جس نے اس عید کو اجلی صبحوں کی طرح روشن کر کے میرے دل کے آنگن کو گلاب کی طرح مہکا دیا تھا۔

☆☆☆

تو میری ضرورت ہے

درِشن بلال

جاتی سردیوں کی وہ آخری تیز برستی بارش اب ہلکی ہلکی پھوار میں بدل گئی تھی موسم بہت خوشگوار ہو گیا تھا، درخت اپنا زرد چولا اتار کر ہرے رنگ کی اوڑھنی اوڑھ رہے تھے بہار کے موسم کی آمد آمد تھی سو کمال پیلس کے وسیع رقبے میں قیمتی اور انواع اقسام کے درختوں اور پھولوں کی دلفریب مہک فضا میں رچی بسی ہوئی محسوس ہو رہی تھی، ذوناش ٹیرس پہ لگے کین کے جھولے میں بیٹھی دھیرے دھیرے جھول رہی تھی، اس کی گود میں Elyssa patrick کا انگلش رومانٹک ناول (Stay with me) رکھا تھا جو وہ تھوڑی دیر پہلے پڑھ رہی تھی مگر اب اس نے اپنے دونوں بازو اور ہتھیلیاں جھولے سے باہر پھیلا رکھی تھیں، بارش کی پھوار اس کے بازوؤں اور ہتھیلیوں کو بھگو رہی تھی۔

اس کی نظریں آسمان پہ چھائے سیاہ بادلوں

ناولٹ

پہ مرکوز تھیں جو غالباً پھر سے برسنے کو بے تاب دکھائی دے رہے تھے، اس کے ہونٹ خود بخود کسی ان دیکھی محبت کا احساس لیے مسکرا رہے تھے۔

"ذونا ڈارلنگ تم یہاں بیٹھا ہے؟ تمہارا سیل فون بھی آف تھا اور ہم تمہیں سارے گھر میں تلاش کر رہا تھا۔"

عقب سے ٹیرس کا دروازہ کھول کر مریم خاتون اس کے قریب آتے ہوئے بولیں، وہ چونکہ کرسچن تھیں اور اسی طرح بات کیا کرتی تھیں۔

"می می! آپ اس سونے کے پنجرے کو گھر مت کہا کریں گھر ویران نہیں ہوتے وہاں چوبیس گھنٹے تنہائیاں نہیں ڈستیں، گھروں میں اپنی ہی آوازوں کی بازگشت سنائی نہیں دیتی، گھر میں آرزوؤں کا قتل عام بھی نہیں ہوتا، گھر تو سکون کا

گھوارہ ہوتے ہیں ممی! جہاں لوگ دن بھر کی تھکن اتارتے ہیں، جہاں انہیں سکون ملتا ہے لیکن اس بیس کنال کے پیلس میں میری تھکن اور بڑھ جاتی ہے، دل میں بچا کچا سکون بھی اس پنجرے کی ویرانیاں اور تنہائیاں غارت کر دیتی ہیں، سانس بند ہونے لگتا ہے یہاں میرا، یہ دولت، یہ اسائشات، یہ عالیشان پیلس، یہ قیمتی گاڑیاں سارا دن، باڈی گارڈز کے ساتھ رہنا، ہر طرف ہر جگہ پروٹوکول ملنا، مجھ نہیں چاہیے یہ سب، ممی میں ایک عام لڑکی کی طرح ایک عام اور نارمل زندگی گزارنا چاہتی ہوں، جہاں میری زندگی کے چوبیس گھنٹوں کا کوئی روٹین چارٹ نہ بنا ہو، جہاں ہر گھنٹے کے بعد مجھے یہ کوئی نہ بتائے کہ اب مجھے کیا کرنا ہے؟ جہاں میرے سونے اور جاگنے کا کوئی ٹائم ٹیبل نہ بنا ہو، جہاں مجھے یہ کوئی نہ بتائے کہ مجھے کب کیا کرنا ہے کب کیا کھانا اور پینا ہے، میں اپنی مرضی سے سونا اور جاگنا چاہتی ہوں، میں اپنی مرضی سے اپنی زندگی گزارنا چاہتی ہوں، میں اپنی مرضی سے نفرت اور اپنی مرضی سے محبت کرنا چاہتی ہوں، سونے کے اس پنجرے میں ہر چیز مجھ پہ مسلط کی جاتی ہے، میں گھڑی کی سوئیوں کے ساتھ بندھی ہوئی زندگی نہیں گزار سکتی نہیں چاہیے مجھے یہ بے پناہ دولت، یہ Luxury life نفرت ہوتی جا رہی ہے مجھے اس مشینی زندگی سے، تنگ آ گئی ہوں میں اس Punctual life سے، میں اپنی مرضی سے ایک بے ترتیب زندگی گزارنا چاہتی، ایک سادہ اور پرسکون زندگی۔'' ذوناش کے لہجے میں اس کے اندر کی ویرانیاں، تنہائیاں اور دکھ بول رہے تھے، تھوڑی دیر پہلے اس کے لبوں پہ جمی مسکراہٹ اب غائب ہوگئی تھی۔

مریم خاتون نے اس کی باتوں پہ ایک طویل سانس لیا تھا اور اس کے قریب آ گئیں تھیں، ان کے لئے ذوناش کی یہ باتیں نئی نہیں تھیں، وہ دو سال سے اس کی یہ باتیں سن رہی تھیں، اس پیلس میں ایک وہی تو تھیں جو اس کے دل کے تمام موسموں سے واقف تھیں۔

''تم بہت عجیب اور اسٹوپڈ لڑکی ہے، تم نہیں جانتا کہ لڑکیاں تو ایسی Luxury life کے خواب دیکھتا ہے، حسرت کرتا ہے ایسی زندگی کا، مگر تم ہمیشہ بے زار رہتا ہے، کیا کمی ہے اس پیلس میں؟ صاحب نے دنیا کا ہر آسائش دے رکھا ہے تم کو، پھر تم کیوں خوش نہیں ہے ڈارلنگ؟'' مریم خاتون نے جانتے بوجھتے ہوئے بھی خواہ مخواہ اسے بہلانے کی کوشش کی تھی۔

''ممی پلیز کم از کم آپ تو مجھے اس طرح بہلانے کی کوشش مت کیا کریں، مجھے دکھ ہوتا ہے جب آپ ڈیڈ کی طرح مجھ سے باتیں کرتی ہیں۔'' اس کے لہجے میں شکوہ تھا۔

''آپ اچھی طرح سے جانتی ہیں کہ میں نے کبھی اس گھٹن زدہ زندگی کو قبول نہیں کیا، I never had and will accept life like this۔'' وہ غصے اور جھنجلاہٹ میں جھولے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''ہم کیا کرے ذونا ڈارلنگ! تمہیں میڈ دیکھ کر ہم تمہیں جھوٹی تسلیاں اور بہلاوے دینے پہ مجبور ہو جاتا ہے، ہم سے تمہارا دکھ نہیں دیکھا جاتا، مگر ہم مجبور ہے، ہم چاہتے ہوئے بھی تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا، I am sorry my Darling i can,t do any thing for you۔'' میری خاتون کی آنکھوں میں بھی پانی جھلملانے لگا تھا۔

''تمہیں اس طرح تڑپتا ہوا دیکھ کر ہمارا دل

بھینے لگتا ہے۔'' انہوں نے ذوناش کو خود سے بھینچ لیا تھا۔

ذوناش آج پھر ڈپریشن میں مبتلا تھی، اسے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

☆☆☆

ذوناش کا برتھ ڈے گزشتہ دو سال سے Celebrate نہیں کیا جاتا تھا، بس مرسل ہی خاموشی سے اسے کہیں ڈنر پہ لے جایا کرتا تھا آج بھی وہ ذوناش کو ڈنر کروانے کے بعد لانگ ڈرائیو پہ لے آیا تھا، اس کے ساتھ ڈنر کر کے ذوناش کو ایک رتی بھی خوشی محسوس نہیں ہوئی تھی، کیونکہ وہ ڈنر کے دوران بھی ذوناش کو بزنس میں اپنی فتوحات کے حصے ہی سناتا رہا تھا اور اس کے یہ قصے وہ بارہا سن چکی تھی اس لئے بوریت محسوس کرنے لگی تھی، یہی وجہ تھی کہ لانگ ڈرائیو کے دوران بھی وہ اس کے ساتھ خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔

''ہنی مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، ہمیں گارڈ کے بغیر نہیں آنا چاہیے تھا۔'' مرسل نے یوٹرن لیتے ہوئے تفکر سے کہا۔

''مگر مجھے اچھا لگ رہا ہے گارڈ کے بغیر تمہارے ساتھ آنا۔'' ذوناش نے مسکرانے کی کوشش کی۔

''اگر چاچو کو علم ہو گیا کہ ہم رات کے اس پہر گارڈ کے بغیر گھر سے نکلے ہیں تو وہ بہت خفا ہوں گے۔'' مرسل کی پریشانی کسی صورت کم نہ ہو رہی تھی۔

''فار گارڈ سیک مرسل، مت کرو ایسی باتیں اور اس وقت کو ان لمحوں کو انجوائے کرو اور پلیز اب مجھے اپنے بزنس کے قصے مت سنانا، بس اچھی اچھی اور رومانٹک باتیں کرو، تاکہ مجھے یہ سفر اور بھی اچھا لگے، تمہیں پتہ ہے کافی عرصے سے، تم نے مجھ سے ایسا کچھ بھی نہیں کہا جسے سوچ کر میرے ہونٹ مسکرائے ہوں، جسے سن کر میری ہارٹ بیٹ تیز ہوئی ہو، کوئی ایسا جملہ کوئی ایسا لفظ جس نے میری تنہائیوں کو رانائی بخشی ہو، کوئی ایسی بات جس نے میری رات کو مہکنے پر مجبور کیا ہو، کوئی ایسا احساس جس نے میرے دن کو منور کیا ہو، ایسا کبھی بھی تو کچھ نہیں کہا تم نے۔'' ذوناش نے گردن موڑ کر اپنے ساتھ بیٹھے گاڑی چلاتے ہوئے مرسل کو سنجیدہ نظروں سے دیکھا، تو مرسل کے لبوں پہ مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

''کم آن ہنی، زندگی صرف پیار، محبت اور رومانس کا نام نہیں ہے، اسی لئے میں کہتا ہوں مت پڑھا کرو فضول اور رومانٹک ناولز، اچھے خاصے بندے کا دماغ خراب کر دیتے ہیں یہ ناولز۔'' اس نے مسکراتے ہوئے ذوناش کو تنبیہ کی تھی۔

''زندگی بزنس، پراپرٹی اور ڈالرز اکٹھے کرنے کا بھی تو نام نہیں ہے۔'' اس کے طنزیہ انداز پہ مرسل ہنس پڑا تھا۔

''I can,t beat you at this محبت پہ بولنے کے لئے میں تمہاری طرح ڈھیروں رومانٹک ناولز اور فضول قسم کی ہندی موویز نہیں دیکھ سکتا اس لئے اس معاملے میں میری معلومات بالکل زیرو ہے۔'' مرسل نے اس کے خفا خفا سے چہرے کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''سوری میں ہمیشہ بھول جاتی ہوں، تمہاری زندگی میں محبت نام کی کہیں بھی کوئی جگہ نہیں ہے، یو نو جب انسان کی سانس کسی کے نام سے چل رہی ہو اس کا دل کسی کے نام سے دھڑک رہا ہو، اس کی آنکھیں کسی کی یاد اور انتظار میں جاگ رہی ہوں تو اظہار محبت کے لئے رومانٹک ناولز پڑھنے

اور موویز دیکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی، مگر تم جیسا ان رومانٹک انسان یہ باتیں نہیں سمجھے گا۔" اس کے لہجے میں افسوس تھا۔

"تمہارے سیل فون میں دنیا کی حسین ترین عورتوں کی تصویریں ہی مگر ان میں، میں کہیں بھی نہیں ہوں، مجھے نہیں لگتا کہ عنقریب ہماری انگیج منٹ ہونے والی ہے۔" ذوناش کے لہجے میں اس کے انداز میں واضح خفگی تھی۔

"کم آن ہنی، تم میرے دل میں رہتی ہو، سب سے چھپا کر رکھا ہوا ہے میں نے اپنے دل میں تمہیں، تمہیں کیا لگتا ہے کہ مجھے تم سے محبت نہیں ہے، اگر تم سے محبت نہ ہوتی تو تمہیں اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کے بارے میں فیصلہ نہیں کرتا میں۔" مرسل نے اس کے موڈ کو بحال کرنے کے لئے اس کے گود میں رکھے ہاتھوں پہ اپنا ہاتھ رکھا اور اسے بہلانا چاہا۔

"کیا فائدہ اس خاموش محبت کا جسے دل میں چھپا کر دیمک لگا دی جائے، محبت تو ساون کی طرح برستی ہوئی ہی اچھی لگتی ہے، جہاں یہ بارشیں نہ ہوں، وہاں دل کی بستیوں میں قحط پڑ جاتا ہے، اجڑ جاتی ہیں دل کی بستیاں، بنجر ہو جاتی ہیں وہاں جذبوں کی فصلیں، محبت کی بھوک اور افلاس دیمک کی طرح کھانے لگتی ہے انسان کو۔" وہ دھیرے سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے نکالتے ہوئے بولی تو مرسل کے ہونٹ ایک بار پھر مسکرانے لگے۔

"ہنی تمہارے یہ Heart touching dialogue سن کر اکثر مجھے لگتا ہے کہ تم ایک اچھی ناولسٹ بن سکتی ہو، تمہارے اندر خالصتاً ایک Literary سی لڑکی کی روح ہے، جس کے خیالات سن کر یہ یقین کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ تم نے اٹھارہ سال یورپ میں گزارے ہیں؟

ایسی سوچ تو پاکستان کی دیسی اور میڈل کلاس لڑکیوں کی ہوتی ہے یہاں آ کر تم بہت بدل گئی ہو ہنی۔" مرسل نے گردن موڑ کر ایک بار پھر اس کے افسردہ چہرے کو دیکھا۔

"ہماری کلاس کی لڑکیاں ایسا نہیں سوچتی ہاں یہاں آ کر واقعی میں بدل گئی ہوں، میری زندگی بدل گئی ہے۔"

"میں وہ ذوناش اب کہاں رہی ہوں جو بات بات پہ ہنستی تھی، زندگی کی تلخیاں اکثر ہم سے ہماری ہنسی چھین لیتی ہیں، مگر تم یہ باتیں نہیں سمجھو گے، مرسل تمہیں بھی ڈیڈ کی طرح لاکھوں ڈالرز، پاؤنڈز، یورو اکٹھے کرنے کی بیماری ہے، جس شخص کے ساتھ دنیا کی حسین ترین لڑکی بیٹھی ہو۔" وہ شخص اس کے حسن پہ قصیدے پڑھنے کی بجائے اپنے بزنس کی نفع و نقصان کو موضوع بنا کر ٹائم ضائع کر رہا ہو، اس کے ساتھ محبت کی بات کرنا، اس کے ساتھ کینڈل لائٹ ڈنر کرنا لانگ ڈرائیو پہ جانا ٹائم ویسٹ کرنے کے برابر ہے۔

ذوناش نے بگڑے موڈ کے ساتھ اپنے اندر کے سچ کو بلا جھجک مرسل کے سامنے اگلا تو مرسل قہقہہ لگائے بغیر نہ رہ سکا۔

"کم آن ہنی! تم بیس سال کی ہو چکی ہو، تمہیں اب اپنی سوچ میں میچورٹی لانی چاہیے، میں چوبیس گھنٹے کسی فضول ہندی مووی کے ہیرو کی طرح تمہارے گرد نہیں منڈلا سکتا، میں کسی تھرڈ کلاس رومانٹک ناول کے ہیرو کی طرح ہر وقت تمہارے حسن کے قصیدے نہیں پڑھ سکتا، میں ہر روز تمہیں یہ نہیں کہہ سکتا کہ تمہیں دیکھ کر میرے دل میں گھنٹیاں سی بجنے لگتی ہیں، تمہیں دیکھ کر مجھے کچھ کچھ ہونے لگتا ہے، میں ایک حقیقت پسند اور پریکٹیکل سا انسان ہوں، میں چوبیس گھنٹے یہ سب نہیں کر سکتا، تم اب بھی ایک

چودہ پندرہ سال کی ٹین ایجر لڑکی کی طرح اپنے Fairyland اور Fantasy world میں سانس لے رہی ہو، تم نے خود کو ایک تصوراتی دنیا میں قید کر رکھا ہے، زندگی میں پیار اور محبت کے علاوہ بھی بہت کچھ اہم ہوسکتا ہے، مگر تمہاری سوچ صرف انہی چیزوں کے گرد گھومتی ہے، میں تمہیں ان فضول چیزوں سے باہر لانا چاہتا ہوں تاکہ ہم ایک اچھی زندگی گزار سکیں۔''

''اب تم میری باتوں سے یہ نتیجہ بھی مت نکال لینا کہ مجھے تم سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے، میرے ساتھ ساتھ تم بھی یہ بات اچھی طرح جانتی ہو کہ تم بہت خوبصورت ہو، میں تمہیں پسند کرتا ہوں جلد ہی ہماری انگیج منٹ ہو جائے گی اس کے بعد ایک نہ ایک دن ہم شادی کے بندھن میں بھی بندھ جائیں گے، دیٹس اٹ، پھر تم کیوں ہر وقت میرے اور اپنے رشتے کو اتنا Glorify یا Magnify بنانا چاہتی ہو؟'' مرسل کے لمبے اور بورنگ لیکچر پہ دھیرے سے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں تھیں، مرسل اسے خشک اور بنجر زمین پہ لاکر تڑپنے اور مچلنے پہ مجبور کررہا تھا، جواباً اس نے ایک لفظ بھی نہ بولا تھا اور بولنے کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا اس کے حساس دل نے آج ذوناش کو یہ باور کروا دیا تھا کہ مرسل قریشی جیسا ان رومانٹک شخص، کم از کم اس کے لئے ہرگز ہرگز بھی نہیں بنا تھا، وہ ایک انتہائی بورنگ آدمی تھا۔

''اگر تمہیں میری باتیں بری لگی ہیں تو سوری مائے ڈارلنگ۔'' مرسل نے اس کی طویل خاموشی کے جواب میں دھیرے سے اس کے کندھے پہ بکھرے بال ہٹاتے ہوئے کہا تھا، مگر اس مرسل کی جانب نہیں دیکھا تھا۔

''درد انسان نہیں دیتا مرسل، بس کچھ انسانوں سے وابستہ ہماری امیدیں ہمیں درد دے دیتی ہیں مجھے میری امیدوں نے ہرٹ کیا ہے تمہاری سوچ نے نہیں کیا۔'' اس کے لہجے میں دکھ تھا۔

''کچھ جذبوں کے مرنے کا دکھ ان کے بکھرنے کا نہیں آئی سوئیر میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا، تم میرے لئے بہت اہم ہو، آئی ڈونٹ نو تمہیں میری محبت کیوں نظر نہیں آتی؟'' مرسل نے ایک بار پھر دھیرے سے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ کر دبایا تھا، اس کے انداز میں پھیکا پن تھا، وہ اس کا موڈ بدلنے کے لئے کہہ رہا تھا۔

''مرسل جب تم مجھے کہتے ہو ناں کہ میں تمہیں پسند ہوں، تم مجھے چاہتے ہو تو مجھے Shakespeare کے یہ ڈائیلاگ یاد آتے ہیں۔''

You say that you love the rain, but you open your umbrella when if rains. You say that you love the sun, but you find a shadow spot when the sun shines. You say that you love the wind, but you close your windows when wind blows.

This is why i am Afraid ----. You say that you love me too ------------

ترجمہ:۔ (تم کہتے ہو تمہیں بارش پسند ہے لیکن تم بارش میں چھتری تان لیتے ہو، تم کہتے ہو کہ تمہیں سورج پسند ہے لیکن جب وہ چمکتا ہے تو تم سایہ ڈھونڈ تے ہو، تم کہتے ہو کہ تمہیں ہوا پسند ہے لیکن جب وہ چلتی ہے تو تم کھڑکی بند کر لیتے ہو یہی وجہ ہے کہ میں ڈر جاتی ہوں، جب تم کہتے ہو کہ میں بھی تمہیں پسند ہوں۔)

ذوناش کے لہجے میں ان باتوں کی سچائی بول رہی تھی، اب وہ گردن موڑے مرسل کے چہرے کے بدلتے تاثرات دیکھ رہی تھی۔

''کم آن فلش گرل، تم جس رائیٹر کی باتیں کر رہی ہو وہ بنیادی طور پہ ایک برا اور ناکام شوہر اور باپ تھا۔'' مرسل نے ایک ویران اور سنسان پٹرول پمپ پہ گاڑی روکتے ہوئے کہا، وہ اب لاہور شہر کی حدود سے باہر نکل آئے تھے۔

''یہاں گاڑی کیوں روک رہے ہو؟'' ذوناش نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''گاڑی میں پٹرول کم ہے یہ نہ ہو واپسی پہ راستے میں ہمیں کہیں کوئی پرابلم ہو جائے، اسی لئے روکی ہے گاڑی۔'' مرسل نے وجہ بتائی۔

''او کے تم پٹرول ڈلواؤ، میں تھوڑی دیر کے لئے باہر نکل رہی ہوں۔'' ذوناش نے اپنی سائیڈ کا ڈور کھولتے ہوئے بتایا۔

اتنے میں چھوٹے سے کیبن میں بیٹھا پٹرول پمپ کا باوردی ورکر بھاگتا ہوا ان کی جانب آیا۔

''ہنی یہ...... یہ کیا کر رہی ہو تم؟'' مرسل نے ازحد حیرت سے اسے اپنی گاڑی کا ڈور کھول کر باہر نکلتے ہوئے دیکھا۔

''تھوڑی دیر کے لئے میں تازہ ہوا میں سانس لینا چاہتی ہوں، دم گھٹ رہا ہے میرا۔'' وہ شاید تازہ ہوا میں سانس لے کر اپنے اندر کی Fustration کو دور کرنا چاہتی تھی اسی لئے بڑے اطمینان سے باہر نکل گئی تھی۔

''ذوناتم پاگل ہو گئی ہو کیا؟ رات کے دو بج رہے ہیں اور ہم شہر سے باہر ہیں یہ ایریا محفوظ نہیں ہے، اوپر سے تمہارا ڈریس بھی مہذب نہیں ہے۔'' مرسل نے اب کے قدرے غصے میں اس کو کہا، تو ذوناش نے اپنے سلیولیس میکسی ٹائپ گاؤن کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیوں کیا ہوا ہے میرے لباس کو؟'' اس کے گاؤن کا آگے اور پیچھے سے گلا بھی اچھا خاصا بڑا تھا، وہ ریڈ کلر کا ایک نہایت قیمتی اور ڈیزائنر گاؤن تھا جو اس نے مرسل کے ساتھ ڈنر کے لئے منتخب کیا تھا۔

''ہنی میں کہہ رہا ہوں جلدی واپس آؤ اور گاڑی میں آ کر بیٹھو۔'' مرسل اسے مزے سے گاڑی کے بونٹ پہ بیٹھے ہوئے دیکھ کر غصے میں گاڑی سے باہر نکلا تھا، وہ بونٹ پہ مزے سے بیٹھی گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔

''مرسل دیکھو کتنا سکون ہے ناں یہاں، فضا میں کتنی تازگی ہے؟'' وہ آنکھیں بند کیے ٹھنڈی اور تازہ ہوا کو اپنے سینے میں اتارتے ہوئے دھیرے سے بولی، مرسل گاڑی سے نکل کر اس کے سر پہ کھڑا اسے گھور رہا تھا۔

''تم ایک انتہائی پاگل لڑکی ہو اور انتہائی اسٹوپڈ بھی۔''

''اس اطلاع کے لئے تھینکس۔'' وہ مسکرائی۔

''چلو گاڑی میں بیٹھو۔'' مرسل نے زچ ہو

کر اس کا بازو پکڑا، اسی اثناء میں ان کے دائیں جانب ایک بائیک آ کر رکی تھی، ذوناش نے لاشعوری طور پہ گردن موڑ کر دیکھا۔

چھبیس ستائیس سال کا چھ فٹ سے نکلتا ہوا قد کاٹھ کا ایک ہینڈسم سا نوجوان جینز شرٹ میں ملبوس جوگرز پہنے بائیک میں پٹرول ڈلوانے کے لئے رکا تھا، اس نوجوان نے سرسری سے انداز میں ذوناش پہ نگاہ ڈالی تھی اور پھر اگلے ہی لمحے اس نوجوان نے گردن موڑ لی تھی، جیسے وہ کوئی معمولی سی چیز ہو ذوناش کو وہ لڑکا انتہائی مغرور لگا مرسل بھی گاڑی میں پٹرول ڈلوا رہا تھا، اسی اثناء میں پٹرول پمپ کے اردگرد فائرنگ کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں، ذوناش ایک زوردار چیخ کے ساتھ بونٹ سے نیچے اتر آئی تھی، پٹرول پمپ پہ موجود گارڈ نے بھی جوابی فائرنگ شروع کر دی تھی، خاموش اور پرسکون فضا میں ہر طرف گولیوں کی تڑتڑاہٹ کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں وہ بائیک والا نوجوان اپنی بائیک چھوڑ کر نا جانے کہا جا چھپا تھا، مرسل بھی انتہائی خوف کے عالم میں اس کا بازو پکڑ کر اسے گاڑی کے عقب میں لے آیا تھا، یہ سب اتنا اچانک اور غیر متوقع ہوا تھا کہ وہ دونوں ہی بدحواسی کے عالم میں بجائے گاڑی میں بیٹھنے کے گاڑی کے عقب میں آ بیٹھے تھے۔

پٹرول پمپ پہ موجود ملازم نا جانے کس سمت بھاگ گیا تھا، تھوڑی دیر کے بعد مسلسل فائرنگ سے پٹرول پمپ کا گارڈ بھی خون میں لت پت ہو کر گر گیا تھا۔

ذوناش اسے دیکھ کر خوف سے چیخنے لگی تھی، مرسل نے بدحواسی میں اس کے منہ پہ اپنا ہاتھ رکھ لیا تھا، ذوناش کا پورا وجود خوف سے کانپ رہا تھا، مرسل کی حالت بھی اس سے مختلف نہ تھی۔

''کہا تھا میں نے کہ گارڈز کے بغیر رات کے اس پہر گھر سے نکلنا مناسب نہیں ہوگا مگر نہیں تم نے بھی ایک ہی رٹ لگا رکھی تھی، کہ اگر باہر جاؤں گی تو گارڈ کے بغیر، اب بھگتو، ہم بری طرح پھنس گئے ہیں۔'' مرسل کے لہجے میں بے پناہ خوف تھا وہ اسے ڈانٹ رہا تھا۔

''پپ...... پلیز...... مم...... مرسل...... گگ...... گاڑی میں بیٹھ کر جلدی سے ڈیڈ کو کال کرو۔'' ذوناش بری طرح سے گھبرائی ہوئی تھی، اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا، فائرنگ کی آوازیں اب بہت قریب سے آ رہی تھیں۔

''پاگل ہو گیا، میں کیسے اٹھ کر گاڑی کے اندر جاؤں؟ کوئی بھی اندھی گولی مجھے نشانہ بنا سکتی ہے۔'' مرسل نے بدحواسی میں اسے ڈپٹا۔

''اب کیا ہوگا مرسل ہمارے سیل فون بھی گاڑی میں ہیں۔'' ذوناش اب رونے لگی تھی۔

''سب تمہارا قصور ہے کہا تھا میں نے کہ گاڑی سے مت نکلو مگر نہیں اپنے ساتھ ساتھ تم نے مجھے بھی مصیبت میں ڈال دیا ہے مجھے نہیں لگتا آج ہم یہاں سے زندہ واپس جائیں گے۔'' مرسل غصے میں مسلسل اسے ڈانٹ رہا تھا، اب فائرنگ کی آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں، اسی دوران ایک جیپ تیزی سے پٹرول پمپ پہ آ کر رکی تھی، جیپ کے ٹائر چرچرانے سے ذوناش کے لبوں سے چیخ نکل گئی تھی، اس کا وجود خوف سے کانپ رہا تھا۔

اس کی چیخ کی آواز سن کر جیپ میں بیٹھے اسلحے سے لیس وہ تینوں نا معلوم افراد نیچے اتر آئے تھے۔

''کوئی بھی چالاکی یا ہوشیاری دکھائے بغیر ہمارے سامنے آ جاؤ ورنہ گولیوں سے بھون ڈالیں گے۔'' ان تینوں اسلحہ بردار مردوں میں

سے ان کے سرغنہ نے دھاڑ کر کہا تو مرسل اور ذوناش ہاتھ بلند کیے گاڑی کے عقب سے نکل کر سامنے آ گئے، ان دونوں کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

ذوناش کی آنکھوں سے بے بسی کی وجہ سے آنسو بہہ رہے تھے، انہیں دیکھ کر ان تینوں اسلحہ بردار مردوں نے ایک دوسرے کو کن اکھیوں سے دیکھا تھا، ان تینوں نے منہ پہ کالے نقاب چڑھا رکھے تھے اور اسلحہ ان دونوں پہ تان رکھا تھا۔

''اے حسینہ چل آگے آ۔'' اسی سرغنے نے دھاڑ کر ذوناش کو حکم دیا۔

''مم...... مگر...... کک...... کیوں؟'' ذوناش نے گھگھیا کر پوچھا۔

''اے لڑکی تیرے سوال کا جواب دینے کے پابند نہیں ہیں ہم۔'' اسی شخص نے آگے بڑھ کر ذوناش کا بازو پکڑتے ہوئے جیپ کی طرف اسے کھینچا۔

ذوناش نے چیختے ہوئے اپنا بازو چھڑا کر بھاگنے کی کوشش کی تھی مگر اس شخص نے کمال پھرتی سے اگلے ہی لمحے اپنی گرفت میں لے لیا تھا ذوناش کو، اس سارے سین میں مرسل خاموش تماشائی بنا کھڑا تھا۔

''مرسل پلیز...... ہیلپ می۔'' ذوناش اب بلند آواز میں روتے ہوئے مرسل سے مدد مانگ رہی تھی۔

ان تینوں اسلحہ بردار مردوں میں سے اب ایک شخص جیپ میں بیٹھ کر جیپ اسٹارٹ کر چکا تھا، دوسرے شخص نے مرسل پہ گن تان رکھی تھی اور تیسرا ذوناش کو گھسیٹتا ہوا جیپ کی طرف بڑھ رہا تھا، دفعتاً کہیں بہت قریب سے جیپ میں بیٹھے شخص پہ فائر ہوا تھا اور وہ وہیں جیپ میں ہی ڈھیر ہو گیا تھا، پھر یکے بعد دیگرے جیپ کے ٹائروں پہ فائر کر کے جیپ کو پنکچر کر دیا گیا تھا، اس اچانک افتاد پہ دونوں مرد بدحواسی میں چاروں اطراف فائرنگ کرنے لگے تھے، ذوناش چیختے ہوئے ایک بار پھر مرسل کی جانب لپکی تھی، مرسل نے اسے لے کر ایک بار پھر اپنی گاڑی کی اوٹ میں دب کر بیٹھ گئے تھے، ایک بار پھر چاروں اطراف فائرنگ ہونے لگی تھی، معاً ذوناش کو اپنے قریب ہی کسی کے بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی تھی ذوناش نے اپنی خوف سے بند آنکھوں کو ایک لمحے کے لئے کھولا تھا، وہی ڈیشنگ اور ہینڈسم سا لمبا اور کسی باڈی بلڈر کی طرح چوڑے مسلز والا نوجوان چھپ چھپ کر پسٹل سے ان پہ فائر کر رہا تھا، گویا وہ ذوناش اور مرسل کی جان بچاتے ہوئے انہیں تحفظ دے رہا تھا، چند لمحوں میں ایک اور اسلحہ بردار ڈھیر ہو گیا تھا، اب صرف ایک ہی شخص بچا تھا جو غالباً ان کا سرغنہ تھا، ذوناش حیرت سے اس نوجوان کو کمال بہادری سے تنہا ان سے لڑتے ہوئے اور فائر کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی، وہ جو کوئی بھی تھا، اس وقت اللہ نے اسے فرشتہ بنا کر ان کی مدد کے لئے ہی بھیجا تھا، اس کی نظریں اس نوجوان پہ جمی ہوئی تھیں، وہ بالکل کسی فلمی ہیرو کی طرح ہی لگ رہا تھا چند لمحوں کے بعد وہ نوجوان کسی گوریلے کی طرح چھلانگ مار کر اس کی نظروں کے سامنے سے اوجھل ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد فائر بند ہو گیا تھا، ذوناش نے سانس روکے ڈرتے ڈرتے گاڑی کی اوٹ سے جھانکا، وہ نوجوان اب بغیر پسٹل کے اس آخری بچ جانے والے شخص پہ مارشل آرٹس کے پے در پے وار کر رہا تھا، شاید ان دونوں کے اسلحے میں اب گولیاں ختم ہو گئیں تھیں، پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس اجنبی نوجوان نے

تیسرے کو بھی زمین پہ ڈھیر کر دیا تھا، اب وہ قریب ہی زمین پہ گرا اپنا پسٹل اٹھا رہا تھا جب گاڑی کے عقب سے جھانکتی ہوئی ذوناش پہ اس کی نگاہ پڑی تھی۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں آپ دونوں اب محفوظ ہیں۔" وہ اجنبی نوجوان پسٹل اپنی جینز میں اڑستے ہوئے مخاطب ہوا تو مرسل ذوناش کا ہاتھ تھام کر گاڑی کی اوٹ سے باہر نکل آیا۔

"تھینک یو سو مچ تم نے ہماری جان بچائی۔" مرسل نے اس نوجوان سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا۔

"آپ دونوں مشکل میں تھے آپ کی ہیلپ کرنا بطور انسانیت میرا فرض تھا۔" وہ اجنبی شخص ایک لمحے کے لئے مسکرایا، اس کی مسکراہٹ بھی قاتلانہ تھی، ذوناش نے اپنی زندگی میں اتنا پرکشش مرد پہلی بار دیکھا تھا، اس کے ہونٹوں کے ساتھ اس کی بڑی بڑی گہری اور سیاہ آنکھیں بھی مسکرائی تھیں۔

"آج کل انسان اور انسانیت کی ہیلپ کرنا کون جانتا ہے؟" ذوناش نے دھیرے سے زیر لب کہا۔

"واقعی آپ نے ہماری مدد کی اس کے لئے ہم آپ کے بہت شکر گزار ہیں۔" مرسل نے بھی ذوناش کی بات کو آگے بڑھایا۔

"شکریہ کی ضرورت نہیں، اب آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں، بہر حال جتنی جلدی ہو سکے آپ دونوں اس ایریا سے نکل جائیں، یہ ایریا تو ویسے بھی لوٹ مار اور ایسے کاموں کے لئے بدنام ہے۔" اس اجنبی نوجوان نے اپنی عقابی نگاہوں سے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے انہیں مشورہ دیا تھا۔

"چلو ہنی ہمیں واقعی یہاں سے فوری نکل جانا چاہیے۔" مرسل، ذوناش کو کلائی سے پکڑ کر گاڑی کی طرف بڑھا، مرسل کے لہجے میں اب بھی خوف پنہاں تھا۔

"جسٹ آ منٹ مرسل۔" ذوناش نے مرسل کے ہاتھ سے اپنی کلائی چھڑالی تھی، وہ اجنبی نوجوان اب اپنی بائیک پہ بیٹھ رہا تھا۔

"اے مسٹر رکو!" ذوناش نے تقریباً بھاگتے ہوئے اس لڑکے کو رک جانے کو کہا، وہ نوجوان بائیک اسٹارٹ کرتے کرتے رک گیا تھا اور حیرانگی سے ذوناش کو دیکھنے لگا۔

"یہ رکھ لو، تم نے ہماری جان بچائی۔" ذوناش نے اپنی کلائی سے لاکھوں کا ڈائمنڈ بریسلٹ اتار کر اس کی طرف بڑھایا۔

"ایک انسان کی جان کی قیمت اس لاکھوں کے ڈائمنڈ بریسلٹ سے کہیں زیادہ قیمتی ہوتی ہے میم...... آپ میری نیکی کی قیمت لگا کر میری توہین کر رہی ہیں۔" اس نوجوان نے ذوناش کے ہاتھ میں بریسلٹ کو دیکھ کر تاسف سے کہتے ہوئے بائیک اسٹارٹ کر لی تھی۔

"پلیز اسے رکھ لو، میں تمہاری نیکی کی قیمت ہرگز نہیں لگا رہی۔" ذوناش نے التجاء کی۔

"میم پلیز...... آپ یہ مجھے مت دیں اور جا کر گاڑی میں بیٹھیں اور آئندہ رات کے اس پہر اس شخص کے ساتھ باہر نکلیں جو آپ کی عزت جان اور مال کی حفاظت کرنا جانتا ہو۔" اس اجنبی نوجوان نے اچٹتی سی نگاہ گاڑی میں بیٹھے مرسل پہ ڈالتے ہوئے کہا تھا جو سیل فون پہ غالباً کمال قریشی سے بات کر رہا تھا۔

اپنی بات مکمل کرنے کے بعد وہ نوجوان وہاں رکا نہیں تھا، زن سے بائیک کو موڑ کر ذوناش کی نظروں کے سامنے سے اوجھل ہو گیا تھا، وہ غائب دماغی سے بریسلٹ اپنی ہتھیلی میں

چھپائے گاڑی کی طرف بڑھ آئی تھی، اس کے کانوں میں اب بھی اس نوجوان کے جملے کی بازگشت سنائی دے رہی تھی۔

وہ جو کوئی بھی تھا اسے ہمیشہ یاد رہ جانے کے لئے چلا گیا تھا، اب وہ گاڑی میں بیٹھ گئی تھی، مرسل نے سیل فون گاڑی کے ڈیش بورڈ پہ رکھ دیا تھا۔

''میں نے چاچو کو بتا دیا ہے، وہ بہت پریشان ہو رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ وہ اس علاقے کے ایس پی سے ابھی رابطہ کر کے اس معاملے کی تحقیقات کروائیں گے، تھینک گاڈ ہم خیر خیریت سے ہیں، مجھے تو یہ سب ایک بھیانک خواب کی طرح لگ رہا ہے۔'' مرسل نے گاڑی اس پٹرول پمپ سے نکالتے ہوئے تبصرہ کیا، مگر وہ خاموش بیٹھی اپنی ہتھیلی پہ رکھے بریسلٹ کو دیکھ رہی تھی وہ جو کوئی بھی تھا بلا کی کشش تھی اس لڑکے میں، مرسل نے ڈیش بورڈ سے سگریٹ کی ڈبیا اٹھائی تھی اور سگریٹ سلگا کر ذوناش کی طرف بڑھایا تھا۔

''لو تمہیں اس کی ضرورت ہے۔'' ذوناش نے دھیرے سے اس کے ہاتھ سے سگریٹ لے لیا تھا، مرسل اب ایک اور سگریٹ نکال کر اپنے لئے سلگا رہا تھا، آج کا واقع اور وہ اجنبی نوجوان اس کے دل پہ نقش ہو گیا تھا، اس نے اپنی زندگی میں اتنا پرکشش اور ہینڈسم مرد نہیں دیکھا تھا اور بالی ووڈ کے کسی ہیرو جیسا تھا، پرکشش خوبصورت اور بہادر۔

☆☆☆

لیونگ روم میں بیٹھے تمام افراد کے لبوں پہ گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی، سب کے چہروں پہ تفکر و پریشانی رقم تھی، کمال قریشی نہایت فکر مندی، غم و غصے، حیرت و پریشانی سے وسیع لیونگ روم میں بے چینی سے ٹہل رہے تھے۔

''مجھے سمجھ نہیں آتی یہ وکرم راٹھور کون ہے؟ کیوں میرے بزنس اور میری بیٹی کی جان کا دشمن بنا ہوا ہے؟''

''یہی تو مسئلہ ہے کمال کہ وہ الو کا پٹھا چھپ کر وار کرنے والا وکرم راٹھور سنگاپور کا ڈان ہے، اگر وہ پاکستان میں ہوتا تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کروا دیتا میں، جو میری چاند سی بیٹی کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔'' کمال قریشی کے بڑے بھائی کبیر قریشی نے بے چینی سے اپنی نشست سے اٹھ کر فکر مندی سے کہا تھا۔

''کمال اگر دو سال پہلے تم وکرم کی بات مان لیتے تو نوبت یہاں تک ہر گز نہ آتی۔'' کمال قریشی کی بڑی بھابھی عالیہ بیگم نے انہیں یاد دلایا۔

''عالیہ بھابھی مجھے کیا معلوم تھا کہ جس بزنس کو بڑھانے کے لئے میں سرپٹ دوڑ رہا تھا، وہی دولت اور بزنس ایک دن میری بیٹی کی جان کے دشمن بن جائیں گے، میں تو وکرم کی دھمکیوں کو محض دھمکیاں ہی سمجھ کر اس کی بات نہیں مانا تھا مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ کم بخت اپنی ہار کو اپنی انا کا مسئلہ بنا کر یوں میرے اور میری بیٹی کے پیچھے پڑ جائے گا۔'' کمال قریشی کا لہجہ بھیگ گیا تھا، وہ ذوناش کے لئے از حد فکر مند تھے دو سال سے انہیں ذوناش کے اغواء اور اس کے قتل کے حوالے سے دھمکیاں مل رہی تھیں، تب سے وہ ہر وقت گارڈ کے ساتھ آتی جاتی تھی، کمال پیلس کی سیکیورٹی بھی نہایت سخت کر دی گئی تھی کمال پیلس کے چاروں اطراف بڑے بڑے آہنی گیٹ بنائے گئے تھے جن پہ چوبیس گھنٹے گارڈز تعینات کیے گئے تھے، کمال پیلس کے چاروں اطراف دیواروں پہ خاردار تاریں لگائی گئی تھیں، ذوناش کو

گھر سے باہر زیادہ آنے جانے کی اجازت نہ تھی اگر وہ کہیں جاتی بھی تھی تو گارڈ کے ساتھ ہی جاتی تھی۔

''ذوناش کے لیے میں جتنا فکر مند ہوں، جتنا پریشان ہوں میں بتا نہیں سکتا آپ سب کو۔'' کمال قریشی کے لہجے میں پریشانی ہی پریشانی تھی۔

''کمال ہم بھی اولاد والے ہیں سمجھ سکتے ہیں اولاد کا دکھ بہت تکلیف دے اور ناقابل برداشت ہوتا ہے۔'' کبیر قریشی نے کمال کے قریب آ کر ان کے کندھے پہ تھپکی دیتے ہوئے کہا تھا۔

''ذوناش کی ہر لمحہ فکر اور پریشانی سے میں اپنے بزنس پہ بھی توجہ نہیں دے پا رہا، ہر لمحہ ایک دھڑکا سا لگا رہتا ہے، مہرین اور ذونین کو کھونے کے بعد اب مجھ میں مزید کوئی غم سہنے کی سکت نہیں ہے بھائی صاحب، ان بچوں کے سہارے میں مہرین جیسی وفا شعار اور محبت کرنے والی بیوی کی دائمی جدائی کا غم بھی سہہ گیا تھا، ان کے لئے مجھے وہ لازوال غم اپنے سینے میں دبانا پڑا، مگر ذونین کی ناگہانی موت نے مجھے اندر سے ختم کر دیا ہے، مجھے توڑ کر رکھ دیا ہے، اس کے بعد تو میرا کل اثاثہ ذوناش ہی ہے اگر خدانخواستہ اسے کچھ ہو گیا تو، میں پاگل ہو جاؤں گا۔'' کمال قریشی ضبط کرتے کرتے بلا آخر کسی بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے تھے۔

''کمال میرے بھائی، ایسے حوصلہ مت ہارو ہمارے ہوتے ہوئے تمہیں اس طرح پریشان اور مایوس ہونے کی بالکل بھی ضرورت نہیں ہے دیکھ لیں گے اس سنگاپور کے ڈان وکرم کو، ناکوں چنے نہ چبوائے اسے تو میرا نام بھی کبیر قریشی نہیں۔'' کبیر قریشی اپنے بھائی کو تسلی دیتے ہوئے جذباتی ہو گئے تھے۔

''کمال تمہارے بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں، ذوناش ہمیں اپنے بیٹے مرسل سے بڑھ کر ہے، یہ ہماری اپنی بیٹی ہے ہماری اکلوتی ہونے والی بہو ہے، ہمیں اپنی جان سے بھی پیاری ہے، تم اس کی فکر مت کیا کرو۔'' عالیہ بیگم نے اپنے ساتھ گم صم سی بیٹھی ذوناش کو خود سے لپٹاتے ہوئے کہا تھا۔

''بھابھی آپ کا اور بھائی صاحب کا سایہ ہم پہ سلامت رہے آپ ہمارے لئے کسی نعمت سے کم نہیں، میں جانتا ہوں آپ میری بیٹی سے بہت محبت کرتی ہیں اگر آپ سب ہم باپ بیٹی کو ان مشکلات میں سہارا نہ دیتے تو شاید ہم پاگل ہو چکے ہوتے۔'' کمال قریشی نے ان کی محبتوں کو سراہا، کبیر قریشی انہیں اپنے بازو کے حصار میں صوفے پہ لے آئے تھے۔

''ویسے اس سارے قصے میں قصور ہمارے اپنے بچوں کا بھی ہے کیا ضرورت تھی انہیں رات کے اس پہر گارڈ کے بغیر گھر سے نکلنے کی؟'' کبیر قریشی نے خشمگیں نگاہوں سے سر جھکائے مرسل اور ذوناش کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے تو خود سمجھ نہیں آ رہا ایسی لاپروائی برتنے کی کیا ضرورت تھی تم دونوں کو، تم دونوں کی ایک چھوٹی سی حماقت ہمارے لئے ساری زندگی کا روگ بننے والی تھی، اگر وہ نوجوان فرشتہ بن کر وہاں نہ آتا تو آج ہم سب یوں نہ بیٹھے ہوتے۔'' کمال قریشی کے لہجے میں دکھ اور افسوس کے ساتھ ذوناش اور مرسل کے لئے بے پناہ غصہ بھی عود آیا تھا۔

''چاچو رات کو ڈنر اور پھر لانگ ڈرائیو پہ بغیر گارڈ کے جانے کی ضد بھی ذوناش نے ہی کی تھی، میں نے اسے بہت سمجھایا تھا مگر اس نے میری ایک نہ مانی اور اپنی ضد پہ ڈٹی رہی مجبوراً

مجھے اس کو اکیلے ہی لے کر جانا پڑا۔'' مرسل نے دھیرے سے سچ بتایا، اس سارے سین میں وہ بالکل خاموش اور سپاٹ چہرے کے ساتھ عالیہ بیگم کے ساتھ بیٹھی تھی۔

''ذونا مجھے بتاؤ کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟ تم خود کو کیوں کسی مشکل میں ڈالنا چاہتی ہو، کیوں عجیب وغریب قسم کی ضدیں کرتی ہو جو پوری نہیں کی جاسکتی ہیں، کیا ضرورت تھی تمہیں مرسل سے اس طرح کی فضول قسم کی ضد کرنے کی؟ نتیجہ دیکھ لیا ہے تم نے اپنی ضد کا؟'' کمال قریشی نے بے بسی سے اسے ڈپٹا۔

''سوری ڈیڈ آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔'' اس نے دھیرے سے انہیں تسلی دی تھی۔

''تم ہر مہینے دو مہینے کے بعد ایسے ہی ایکسکیوزیز کرتی ہو مجھ سے مگر ہر دوسرے مہینے تم اپنے ڈرائیور یا گارڈ کو کھری کھری سنا کر نکال باہر کرتی ہو، پرسوں جس گارڈ پہ تم نے چوری کا الزام لگایا تھا وہ نوکری چھوڑ کر آج جاچکا ہے۔'' کمال قریشی کا غصہ تھا کہ بڑھتا ہی جارہا تھا۔

''کمال تم ایسا کیوں نہیں کرتے، ذونا کے لئے کوئی ایسا باڈی گارڈ رکھو جو اس کی بلٹ پروف گاڑی بھی چلائے جو اس کی سیکیورٹی بھی چیک کرے۔'' کبیر قریشی نے انہیں مشورہ دیا تھا۔

''جی بھائی صاحب میں بھی یہی سوچ رہا ہوں، آج صبح میری بات ہوئی تھی جاوید چوہدری سے۔'' کمال قریشی نے پریشانی سے اپنی پیشانی مسلی۔

''کون جاوید چوہدری؟''

''بھائی صاحب میرے بچپن کا دوست، ریٹائیرڈ بریگیڈئیر جاوید چوہدری۔'' کمال نے انہیں یاد دلایا۔

''ارے ہاں یاد آیا، مگر اسے کیوں فون کیا تم نے۔'' کبیر قریشی اب بھی مکمل طور پہ سمجھ نہیں پائے تھے۔

''جاوید نے فوج سے ریٹائرمنٹ کے بعد Security companie بنا رکھی ہے، وہ اپنی کمپنی کے سب سے جینئس بہادر مارشل آرٹس میں بلیک بیلٹ اور بہترین گن شوٹر نوجوان کو ذونا کے لئے بطور ڈرائیور اور باڈی گارڈ کے دو چار دن تک بھجوادے گا وہ نوجوان آج کل ایک ہفتے کی چھٹی پہ ہے، وہ نوجوان اس گھر کی دیگر سیکیورٹی کے معاملات بھی چیک کرے گا اور جواد بتارہا تھا کہ اس نوجوان نے فوج کی تمام ٹریننگ بھی لے رکھی ہے۔'' کمال قریشی نے انہیں ذوناش کے نئے گارڈ کے حوالے سے تفصیل بتائی۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے، میں خود یہی سوچ رہا تھا کہ ہمیں اپنی ذونا کی سیکیورٹی مزید سخت کردینی چاہیے، یہ بتاؤ کہ جواد نے تمہیں اس لڑکے کو یہاں بھجوانے کے حوالے سے مکمل تسلی یا یقین دہانی تو کروائی ہے ناں؟'' کبیر قریشی کسی بھی صورت مطمئن نہ ہورہے تھے، ذونا ان کی بھتیجی تھی ان کی ہونے والی بہو۔

''جی بھائی صاحب! جواد نے مجھے مکمل یقین دہانی کروائی ہے وہ ذاتی طور پہ اس نوجوان کے والد کو جانتا ہے اور پانچ سال سے وہ خود بھی جواد کی کمپنی سے منسلک ہے کمال فوج کی ٹریننگ والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔'' کبیر قریشی نے وضاحت مانگی۔

''بھائی صاحب فوج والا قصہ کچھ یوں ہے کہ یہ نوجوان بطور کیڈٹ فوج میں تھا اس نے ایک کیڈٹ کی تمام ٹریننگ مکمل بھی کرلی تھی، اپنی بٹالین کا ذہین ترین کیڈٹ تھا Passing out

prade والے دن اس نوجوان کے مخالف گروپ کے کیڈٹس نے مل کر اس پہ کوئی ایسا الزام لگایا کہ اس بے چارے کا پورا کیریئر ہی تباہ ہو گیا، جرنیل کے بچوں کا الزام ایک معمولی صوبیدار کا بیٹا ثابت نہ کر سکا اور یوں اس کا کورٹ مارشل کر کے فوج سے نکال دیا گیا۔'' کمال قریشی نے مزید تفصیل بتائی۔

''مجھے اس لڑکے سے ضرور ملوانا۔'' کبیر قریشی کو اس ہونہار اور جینئس لڑکے سے ملنے کا اشتیاق ہوا۔

''جی ضرور بھائی صاحب دو چار دن تک وہ نوجوان اپنی ڈیوٹی جوائن کر لے گا۔'' کمال قریشی نے سگار سلگاتے ہوئے جواب دیا۔

''تب تک ذونا بیٹا تم ذرا مزید کیئرفل رہنا اور گھر سے اکیلے باہر مت نکلنا۔'' کبیر قریشی نے سامنے بیٹھی ذوناش کو تنبیہ کی تو وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔

''ہاں ذونا بیٹا تمہارے تایا بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں، تمہیں مزید کیئرفل رہنا ہو گا، اللہ تمہیں اپنی امان میں رکھے۔'' عالیہ بیگم پیار سے اس کے بال سہلانے لگی تھیں۔

نہ جانے کیوں ذوناش کو عالیہ بیگم اور کبیر قریشی کے پیار میں بناوٹ محسوس ہوا کرتی تھی۔

''مام! اب ہمیں چلنا چاہیے کافی ٹائم ہو گیا ہے ہمیں یہاں آئے ہوئے۔'' مرسل نے قدرے بے زاریت سے عالیہ بیگم کو کہا۔

''ارے ایسے کیسے جا سکتے ہیں آپ؟ لنچ ٹائم ہے، کھانا کھائے بغیر آپ سب نہیں جا سکتے۔'' کمال قریشی نے انہیں کھانا کھانے پہ اسرار کیا۔

''نہیں کمال، یقین کرو اس واقع نے تو جیسے بھوک ہی ختم کر ڈالی ہے۔'' کبیر قریشی نے صوفے سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ہاں کمال، کھانا پھر کبھی سہی، ابھی بالکل بھی بھوک نہیں ہے۔'' عالیہ بیگم بھی اپنی نشست سے اٹھتے ہوئے وضاحت کرنے لگیں۔

''آپ لوگ تو اچانک ہی جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں لنچ ریڈی ہے مل کر کرتے ہیں۔'' کمال قریشی نے سگار ریلش ٹرے میں مسلتے ہوئے کہا۔

''نہیں کمال پھر کبھی سہی، ویسے بھی یہ ہمارا اپنا گھر ہے، کھانے کا کیا ہے وہ تو کھاتے ہی رہتے ہیں، بس ذونا کی اتنی فکر ہو رہی تھی کہ دوڑے چلے آئے ہم۔'' عالیہ بیگم نے محبت پاش نظروں سے ذوناش کو دیکھا اور پھر وہ سب اجازت لے کر لیونگ روم سے نکل گئے تھے، اب لیونگ روم میں صرف کمال قریشی اور ذوناش ہی تھے۔

''ذونا اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟'' کمال قریشی نے اپنی بیٹی کے تھکے ہوئے چہرے کو دیکھ کر پوچھا، ان کے لہجے میں ذوناش کے لئے دنیا جہان کا پیار عود آیا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں ڈیڈ!'' مختصر جواب۔

''ذونا بیٹا میری بات مان لو اور یورپ چلی جاؤ۔''

''ڈیڈ میں آپ کو اکیلا چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی، میں کئی بار آپ کو یہ بتا چکی ہوں۔'' اس کے انداز میں جھنجلاہٹ تھی۔

''تم بہت ضدی اور خود سر ہوتی جا رہی ہو۔'' ان کے لہجے میں خفگی تھی۔

''کم آن ڈیڈ لیو دس ٹاپک، میں بہت تھک گئی ہوں، ممی کو بتا دیجئے گا میں لنچ نہیں کروں گی I am going to sleep now۔'' وہ نہایت تھکے ہوئے انداز میں اطلاع دے کر

لیونگ روم سے باہر نکل گئی تھی۔

☆☆☆

کومیل بہت گہری نیند سو رہا تھا، جب دھاڑ سے اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر ابرش اندر آئی تھی، یقیناً وہ کالج سے ابھی ابھی لوٹی تھی اور یونیفارم چینج کیے بغیر اس کے کمرے میں آ گئی تھی کومیل نے کھڑکی کے پاس جا کر جھٹ سے پردے سمیٹنے شروع کر دیئے تھے اب سورج کی روشنی ڈائریکٹ کومیل کے چہرے پہ پڑنے لگی تھی، اس نے جھنجلا کر قریب رکھا تکیہ اٹھا کر منہ پہ رکھ لیا۔

''چھوٹی یہ کیا فضول حرکت ہے؟ پردہ آگے کرو۔'' وہ نیند میں بڑبڑایا۔

''یہ فضول حرکت آپ کو جگانے کے لئے کی جا رہی ہے۔'' ابرش نے اطمینان سے اپنا کام کرتے ہوئے اطلاع دی۔

''چھوٹی خدا کے لئے مجھے سونے دو۔'' وہ چلایا۔

''جی نہیں، چار مہینے کے بعد صرف ایک ہفتے کے لئے آپ آئے ہیں ہمارے پاس، کیا یہ ہفتہ آپ یہاں سو کر گزاریں گے؟'' ابرش نے نروٹھے انداز میں بولتے ہوئے اب پنکھا بند کرتے ہوئے کہا۔

''چھوٹی میں کہہ رہا ہوں جلدی سے پنکھا چلاؤ، ورنہ بہت برا ہوگا۔'' وہ تکیہ منہ سے ہٹا کر چلایا۔

''پنکھا تو اب کسی صورت بھی آن نہیں ہوگا بھیا جی۔'' اس کا انداز چڑانے والا تھا۔

''چھوٹی پنکھا چلاؤ ابھی اور اسی وقت۔'' وہ جھنجلایا۔

''اس کے لئے آپ کو خود اٹھنا پڑے گا۔'' وہ مسکرائی۔

''اگر یہ سب تم مجھے اٹھانے کے لئے کر رہی ہو تو پھر میں بھی اٹھنے والا نہیں ہوں۔'' کومیل نے پھر سے تکیہ اٹھا کر منہ پہ رکھا۔

''ویسے بھیا آپ کو ایک رتی بھر شرم نہیں ہے، دن کے دو بج رہے ہیں، میں کالج سے واپس آ چکی ہوں، مگر آپ ہیں کہ اپنی طویل نیند کا سلسلہ ابھی تک برقرار رکھے ہوئے ہیں؟'' ابرش نے اسے پھر سے سونے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے دیکھ کر اپنے ہاتھ کمر پہ رکھے۔

''اچھا اور صبح چار بجے تک مجھے زبردستی جگا کر لڈو کون کھیلتا رہا ہے میرے ساتھ؟'' اس خشمگیں نگاہوں سے ابرش کو دیکھا۔

''ہاں تو پھر کیا ہوا، دیکھیں میں صبح چار بجے سوئی تھی اور آٹھ بجے پھر سے کالج کے لئے اٹھ گئی تھی۔''

''تمہاری مجبوری تھی، فی الحال مجھے کوئی مجبوری نہیں ہے اپنی نیند خراب کرنے کی۔'' وہ ایک بار پھر تکیہ منہ پہ رکھنے لگا۔

''بھیا اٹھیں ناں، ہمارے ساتھ کھانا کھائیں، جب سے آئے ہیں اپنی نیندیں پوری کر رہے ہیں، مجھے آپ بالکل بھی ٹائم نہیں دے رہے۔'' وہ اب بھی کسی بچے کی طرح ضد کر رہی تھی۔

''ابھی میں تمہیں ٹائم نہیں دے رہا، شاباش ہے چھوٹی تم پہ کل تمہیں آئس کریم کھلانے کون لے کر گیا تھا؟ اس سے پہلے تمہیں تمہاری سہیلی کی شادی پہ کون لے کر گیا تھا اور اس سے بھی پہلے، تمہیں ماں کے ساتھ بازار میں شاپنگ کس نے کروائی تھی اور اس سے بھی پہلے، تمہیں ابا اور ماں کے ساتھ ہوٹل میں کھانا کھلانے کون لے کر گیا تھا؟ یاد کرو ذرا۔'' کومیل نے لڑاکا عورتوں کی طرح حساب برابر کرتے ہوئے اسے باور

کروایا۔

''ہاں وہ تو آپ ہی لے کر گئے تھے۔''
ابرش نے دھیرے سے سر کھجایا۔

''مگر دن کے دو بجے تک سونا بھلا انسانیت ہے؟''

''فی الحال میں نہیں جانتا کہ انسانیت کے زمرے میں کیا کچھ آتا ہے پلیز جاؤ یہاں سے اور سونے دو مجھے۔''

''بس اب اٹھ جائیں آپ، اب مزید سونے کی اجازت آپ کو ہرگز ہرگز نہیں دی جا سکتی۔'' اس نے حتمی فیصلہ سناتے ہوئے پانی کا جگ اٹھایا۔

''تو پھر میں بھی تمہارا ہی بھیا ہوں اٹھا کر دکھاؤ مجھے۔'' وہ ہنوز منہ پہ تکیہ رکھ کر بلند آواز میں بولا۔

''تو پھر یہ لیجیے اور اٹھ جائیے۔'' ابرش نے مسکراتے ہوئے پانی سے بھرا جگ کومیل کے اوپر انڈیلتے ہوئے کہا، تو اگلے ہی لمحے وہ ہڑبڑا کر بستر سے اٹھ بیٹھا۔

''میں بھی آپ کی چھوٹی بہن ہوں اٹھا دیا ناں آپ کو۔'' وہ اس کے سرہانے کھڑی مسکراتی ہوئی بولی۔

''چھوٹی تمہاری تو اب خیر نہیں، زندہ بچ کے دکھاؤ مجھ سے۔'' وہ غصے اور جھنجلاہٹ میں بستر سے چھلانگ مار کر اٹھا تب تک ابرش کمرے سے بھاگ چکی تھی۔

ریٹائرڈ صوبیدار اکرام آفریدی برآمدے میں رکھے بڑے سے پنجرے میں موجود آسٹریلین طوطوں کو دانہ ڈال رہے تھے ان کے قریب ہی موڑھے پہ عائشہ بیگم بیٹھی تھیں ان کے ہاتھوں میں کومیل کی شرٹ تھی، جس کے وہ ٹوٹے ہوئے بٹن لگا رہی تھیں، برآمدے میں دو چکیں لگا کر اسے دھوپ اور گرمی سے محفوظ بنا دیا گیا تھا۔

''ابا ہیلپ می۔'' کومیل کے کمرے سے نکل کر سرپٹ ماں باپ کی جانب بھاگتے ہوئے اس نے اکرام آفریدی کو آواز دی تھی، آسٹریلین طوطوں کو دانہ ڈالتے اکرام صاحب اور شرٹ کے بٹن لگاتی عائشہ بیگم نے اسے حیرت سے دیکھا تھا، اس کے پیچھے کومیل بھی اسی طرح بھاگتا ہوا آ رہا تھا۔

کومیل اور ابرش کو دیکھ کر وہ دونوں ہی مسکرا دیئے تھے۔

''ان دونوں کو دیکھو، دونوں بہن بھائیوں میں نمایاں ایج ڈیفرنس ہے مگر ان کے جھگڑے جڑواں بہن بھائیوں والے ہیں۔'' اکرام صاحب نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا تو عائشہ بیگم مسکرا دیں۔

''ابا...... ابا مجھے بچائیں۔'' ابرش نے دوڑ کر اکرام صاحب کی پشت کے پیچھے پناہ لی۔

''یہ کیا تم سے چھ سال چھوٹی ہے، اس میں تو چلو ابھی بچپنا ہے تم تو سمجھدار ہو، کیوں اس کے پیچھے سرپٹ بھاگ رہے ہو؟'' اکرام صاحب نے دونوں کو گھورتے ہوئے کومیل سے وضاحت مانگی۔

''ابا یہ دیکھیں اپنی لاڈلی کے کارنامے؟'' کومیل نے خشمگیں نگاہوں سے اکرام صاحب کے پیچھے چھپی ابرش کو گھورتے ہوئے اپنے بھیگے کپڑوں کی طرف اشارہ کیا۔

''چھوٹی یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' اب کے عائشہ بیگم نے کومیل کے بھیگے کپڑے دیکھ کر ابرش کو ڈپٹے ہوئے پوچھا۔

''ماں یہ بدتمیزی نہیں بھیا کے بھیگے ہوئے کپڑے ہیں۔'' ابرش نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے کہا۔

”وہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں مگر تم نے کیا...... کیا ہے؟“ اکرام صاحب نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے ابرش سے پوچھا۔

”ابا یہ کیا بتائے گی میں آپ کو بتاتا ہوں، میں گہری نیند سو رہا تھا اس نے پانی کا بھرا ہوا جگ مجھ پہ گرایا اور یہاں بھاگ آئی۔“ کومیل نے اسے گھورا۔

”ہاں تو آپ بھی تو اٹھنے کا نام تک نہیں لے رہے تھے۔“ ابرش نے وضاحت دی۔

”چھوٹی بہت بری بات ہے کومیل تمہارا بڑا بھائی ہے تمہیں اس کے ساتھ اس طرح کی شرارتیں کرنا زیب نہیں دیتا۔“ عائشہ بیگم نے ابرش کو ڈپٹا، ابرش نے سر جھکا لیا۔

”ارے چھوڑو عائشہ بیگم، اب ایسا بھی کیا ظلم کر دیا ابرش نے؟ کومیل اکلوتا بڑا بھائی ہے اس کا، سارا دن تو یہ بے چاری اکیلی بور ہوتی رہتی ہے ایسے میں جب کومیل دو چار دن کے لئے گھر آتا ہے تو یہ اپنی بوریت دور کرنے کے لئے اگر ایسی چھوٹی موٹی شرارتیں کر لیتی ہے تو اس میں برائی ہی کیا ہے؟“ اکرام آفریدی نے افسردہ کھڑی ابرش کے سر پہ شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”ابا بے چاری یہ نہیں، بے چارہ تو میں ہوں جب سے یہ اس گھر میں آئی ہے میری تو کوئی ویلیو ہی نہیں رہی۔“ کومیل نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا جو اب مزے سے اسے زبان دیکھا رہی تھی۔

”ارے کومیل میرے بچے، ایسے مت کہو میری جان، تم دونوں ہی ہمارا کل اثاثہ ہو، تم نعمت ہو اور ابرش رحمت ہے ہمارے لئے۔“ عائشہ بیگم نے کومیل کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”کومیل یار تمہاری ماں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے، تم دونوں ہی ہماری کل کائنات ہو، بس بیٹیوں کے ناز نخرے بھی اسی لئے زیادہ اٹھائے جاتے ہیں کہ انہیں پرائے گھر جانا ہوتا ہے، بیٹیاں مہمان جو ہوتی ہیں ماں باپ کے گھر میں، اس لئے میں ابرش کا ذرہ زیادہ خیال رکھتا ہوں۔“ اکرام صاحب کا لہجہ بھیگ گیا تھا۔

”سن لیں بھیا، مہمان ہوں میں اس گھر میں، خیال رکھا کریں میرا، جیسا مہمانوں کا رکھا جاتا ہے۔“ ابرش نے اتراتے ہوئے نصیحت کی۔

”چھوٹی کچھ شرم کرو، باپ اور بھائی کے سامنے ایسی باتیں نہیں کرتے۔“ عائشہ بیگم نے ابرش کو گھورتے ہوئے سرزش کی، تو ایک بار پھر اس کا خفگی سے چہرہ پھول گیا تھا، کومیل نے اب اسے وکٹری کا نشان دکھایا۔

”عائشہ ان دونوں کی لڑائیاں تو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہیں، جلدی سے روٹی بناؤ، بہت بھوک لگ رہی ہے مجھے۔“ اکرام صاحب قریب رکھے موڑھے پہ بیٹھتے ہوئے بولے۔

”جی اچھا ابھی بناتی ہوں، چھوٹی تم کچن میں جاؤ فریج سے گندھا ہوا آٹا نکال کر باہر رکھو اور سلاد بنا لو، میں آ کر روٹی بناتی ہوں۔“ عائشہ بیگم نے اس کی شرٹ کے بٹن لگا کر قریب ہی آئرن اسٹینڈ پہ شرٹ رکھی اور سوئی دھاگا، نلکیوں کے ڈبے میں رکھنے لگیں۔

”کومیل یار تم بھی جاؤ اور جلدی سے فریش ہو کر آ جاؤ، کھانا ہم مل کر ہی کھائیں گے۔“ اکرام صاحب نے کومیل سے کہا۔

”جی ابا میں یوں گیا اور یوں آیا۔“ کومیل مسکراتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

☆☆☆

کمال پیلس میں دنیا کی ہر نعمت اور آسائش موجود تھی، ذوناش کی خوشی کا ہر سامان موجود تھا، کمال قریشی نے اس عالیشان پیلس میں ذوناش کے لئے "سوئمنگ پول، ٹینس کورٹ جم، لائبریری، جوگنگ کے لئے ٹریکس، میوزک روم حتی کہ گھوڑوں کا اصطبل تک بنوا رکھا تھا، جہاں وہ اکثر ہارس رائیڈنگ بھی کیا کرتی تھی، ذوناش کو ستار بجانے کا شوق تھا، اسے ستار بجانے اور موسیقی سیکھانے کے لئے باقاعدہ استاد رکھ کر دیا گیا تھا، اس کی فٹنس برقرار رکھنے کے لئے اسے ایک فٹنس ٹرینر رکھ کر دی گئی تھی جو صبح اس کو ایکسر سائز اور یوگا کرواتی تھی۔

نیز وہ دنیا کی کون سی ایسی آسائش تھی جو اسے کمال پیلس میں میسر نہ تھی اس کے باوجود وہ خوش نہیں رہتی تھی، کمال پیلس میں تنہائیوں کا راج تھا، وہ دو سال کی تھی تو ممتا کا پیار اس سے چھن گیا تھا، کمال قریشی نے مریم خاتون کو گورنس کے طور پہ اپنے بچوں اور گھر کی دیکھ بھال کے لئے رکھ لیا تھا، جنہیں وہ ممی کہتی تھی، ممی نے انہیں بے لوث پیار دیا تھا مگر حقیقی ماں کے پیار کی کمی ہمیشہ ایک دکھ بن کر کانٹے کی طرح اس کے دل میں چبھتی رہتی تھی۔

مگر یہ دکھ وہ اپنے جڑواں بھائی ذونین کی سنگت میں بھول بھی جایا کرتی تھی، وہ دونوں بہن بھائی، اسکولنگ کے سلسلے میں ہمیشہ باپ سے دور انگلینڈ میں مریم خاتون کی نگرانی میں پلتے بڑھتے رہے ان کی ملاقات ہمیشہ چھٹیوں میں اپنے بزنس مین باپ سے ہوا کرتی تھی، جو اپنی مصروف ترین بزنس لائف میں سے کچھ دن کی چھٹیوں پہ انگلینڈ آتے اور انہیں کسی اور ملک میں لے جا کر ان وکیشنز کو انجوائے کرتے اور انہیں انجوائے کرواتے اور پھر واپس لوٹ جاتے۔

کمال قریشی مشہور و معروف Diamond dealer تھے، پھر جب وہ دونوں بہن بھائی اٹھارہ سال کے ہوئے تو ذونین کی اچانک حادثاتی موت نے ذوناش کو توڑ پھوڑ دیا، اس کا واحد دوست اس کا اکلوتا بھائی بھی اسے تنہا چھوڑ گیا تھا، تب سے وہ ہنسنا بھول گئی تھی، اس کے اندر تنہائیوں نے بسیرے کر لئے تھے، اس کی کوئی دوست نہ تھی، اس کا واحد دوست اور سہیلی ذونین قریشی ہی تھا اس کا جڑواں بھائی ان دونوں بہن بھائی میں مثالی محبت اور پیار تھا، ذوناش کی کوئی فی میل کزن بھی نہ تھی لے دے کر ایک مرسل ہی تھا جو اس کے تایا کبیر قریشی کا اکلوتا بیٹا تھا، مرسل ویسے بھی ٹو دی پوائنٹ بات کرنے والا، ہر چیز میں اپنا نفع نقصان دیکھنے والا، ضرورت سے کچھ زیادہ ہی پریکٹیکل سا نوجوان تھا، اس کی زندگی صرف اور صرف روپے پیسے، پراپرٹی اور بزنس کے گرد گھومتی تھی، محبت سے اس کا دور دور تک کوئی تعلق واسطہ نہ تھا، سو ذوناش بھی اس کی کمپنی کو انجوائے نہیں کر پاتی تھی، اس کے ساتھ ٹائم گزار کر ریلیکس ہونے کی بجائے ہمیشہ اس کے دل و دماغ پہ ایک بوجھ سا آ پڑتا تھا، وہ اس کا ہونے والا منگیتر تھا اس کے باوجود مرسل نے اس بھی یہ احساس نہیں دلایا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے کتنے خوبصورت رشتے میں بندھنے والے ہیں، ذوناش بنیادی طور پہ بہت حساس اور رحم دل لڑکی تھی، احساسات سے بھرپور لڑکی چھوٹی چھوٹی چیزوں کو محسوس کرنے والی، وہ دماغ کی بجائے دل سے سوچنے والی لڑکی تھی، یورپ میں رہ کر بھی وہ اندر سے ایک سادہ اور شاعرانہ مزاج رکھنے والی ایک محبت کرنے والی محبت کی چاہ کرنے والی لڑکی تھی، جس کی زندگی میں رشتوں اور محبتوں کی کمی تھی اور

اس کمی نے اس کی ہنسی چھین لی تھی، اسے اور بھی
حساس بنا دیا تھا، مرسل قطعی اس کا آئیڈل نہ تھا،
اس کے خوابوں میں آنے والا اور دل میں بسنے
والا شخص تو محبت کی مٹی سے بنا ہوا کوئی شخص تھا،
اس کی بڑی بڑی خواہشات کی بجائے چھوٹی
چھوٹی خواہشات کو پورا کرنے والا شخص، اس کو
محبت کا بھرپور احساس دلانے والا شخص جس کے
ساتھ اور جس کی سنگت میں اس کے اندر کا
ڈپریشن خود بخود دم توڑنے لگے، جس کے ساتھ رہ
کر ذہنی اور قلبی طور پہ وہ مکمل ریلیکس رہ سکے، اس
کا آئیڈیل بھی کوئی ایسا ہی شخص تھا، جس کے لئے
زندگی میں سب سے اہم ذوناش قریشی کا ساتھ
ہو جس کے دل و دماغ میں صرف اور صرف
ذوناش کی محبت کی بازگشت سنائی دیتی ہو، اسے
اپنی سونی اور ویران زندگی میں کسی ایسے ہی محبتوں
سے لبریز شخص کی شدت سے کمی محسوس ہوتی تھی،
اس کی پرآسائش زندگی میں ایسا کوئی وجود نہ تھا
جسے ڈائری سمجھ کر وہ اپنے دل کا حال سناتی اور رقم
کرتی اور پھر گزشتہ دنوں ہونے والے خوفناک
واقع نے اس کی رہی سہی مسکراہٹ بھی غائب کر
دی تھی، اس کی سنجیدگی اور حالت کے پیش نظر
کمال قریشی دو چار دن سے آفس بھی نہیں جا
رہے تھے اور اسے بھرپور ٹائم دے رہے تھے۔

اب بھی وہ ذوناش کو لئے لان میں شطرنج
کی بازی لگائے بیٹھے تھے، دن کا اجالا شام کے
سائے میں کہیں چھپ گیا تھا، موسم خوشگوار تھا سو
اس کا اثر مزاج پہ بھی پڑا تھا اور آج وہ پوری
دلچسپی سے کمال قریشی کے ساتھ شطرنج کی ایک
بازی ہارنے کے بعد دوسرے لگائے بیٹھی تھی،
قریب ہی ممی چائے کی ٹرالی رکھے ان دونوں
باپ بیٹی کے لئے چائے بنا رہی تھیں، اسی دوران
کمال پیلس کا خاص ملازم خالد اپنے مخصوص
یونیفارم میں ملبوس مودبانہ انداز میں ان کے پاس
آ کر بولا تھا۔

''صاحب! کومیل نامی وہ نوجوان آیا ہے
جسے ذونا بی بی کے لئے بطور باڈی گارڈ رکھا گیا
ہے۔''

''گڈ تم ایسا کرو اسے یہیں لے آؤ۔''
کمال قریشی نے مریم خاتون کے ہاتھ سے
چائے کی پیالی پکڑتے ہوئے خالد سے کہا، جوان
ک حکم سن کر اسی طرح مودبانہ انداز میں واپس
چلا گیا تھا۔

''ذونا فار گاڈ سیک بیٹا، کومیل کے ساتھ
ایسی کوئی بدتمیزی مت کرنا کہ ہمیں اس جیسے بہادر
اور جینئس باڈی گارڈ سے ہاتھ دھونا پڑیں، میری
عزت کا سوال ہے، اسے یہاں میرے بچپن کے
دوست نے تمہاری حفاظت کے لئے بھیجا ہے،
اس لئے مجھے شکایت کا موقع ہرگز نہ ملے۔''
کمال نے اسے پیار سے سمجھایا۔

''او کے ڈیڈ۔'' اس نے کسی فرمانبردار بچے
کی طرح سر ہلایا اور ممی کے ہاتھ سے چائے کی
پیالی پکڑ کر پینے لگی۔

فی الحال شطرنج کی گیم اس ٹی ٹائم کے لئے
روک دی گئی تھی، ذوناش چائے پینے کے ساتھ
ساتھ اپنے سیل فون پہ فیس بک کھولے بیٹھی تھی،
کمال قریشی بھی چائے پینے میں مصروف تھے معاً
خالد کے ساتھ ایک خوبصورت نوجوان ان کے
سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

''السلام علیکم سر! آئی ایم کومیل آفریدی۔''
مقابل شخص نے نہایت اعتماد سے مودبانہ انداز
میں اپنا تعارف کروایا، ذوناش نے ایک جھٹکے سے
اپنا سیل فون پہ جھکا ہوا سر اٹھایا تھا اور پھر حیرت
سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں تھیں، اسے آج
یقین ہو گیا تھا کہ دنیا گول ہے، کومیل رات کے

اس پہر فرشتہ بن کر پٹرول پمپ پہ آنے اور ان کی جان بچانے والا خوبرو نوجوان تھا، جسے ذوناش کا ذاتی ڈرائیور اور باڈی گارڈ کے طور پہ رکھا گیا تھا، کومیل مودبانہ انداز میں ان کے سامنے کھڑے کمال قریشی کو اپنے بارے میں بتا رہا تھا اور وہ صرف اسے بولتے ہوئے دیکھ رہی تھی، کمال قریشی کومیل سے مل کر از حد مطمئن ہوئے تھے اور خوش بھی۔

''ذوناش یہ تمہارے نئے باڈی گارڈ ہیں، تمہارے ذاتی ڈرائیور اور تمہاری سیکورٹی کے انچارج کومیل آفریدی اور کومیل یہ میری بیٹی ہے ذوناش، تم اس کے سارے دن کی روٹین لسٹ مریم خاتون سے لے لینا۔''

''اوکے سر!'' ہنوز احترام سے جواب دیا گیا۔

''ذونا یو آر اوکے، تم اسے دیکھ کر اتنی شاکڈ کیوں ہو رہی ہو۔'' بالآخر کمال قریشی نے اپنے ساتھ بیٹھی ذوناش کو مسلسل اسے حیرت سے کومیل کو دیکھتے ہوئے پا کر پوچھا۔

''ڈیڈ یہ...... یہ وہی شخص ہے جس نے اس رات ہماری جان بچائی تھی۔'' ذوناش نے حیرت وخوشی کے تاثرات کے ساتھ انکشاف کیا، تو اپنے سامنے کھڑے کومیل آفریدی کو کمال قریشی نے از حد حیرت سے دیکھ کر ذوناش سے پوچھا۔

''کیا واقعی تمہیں یقین ہے کہ یہ وہی شخص ہے؟''

''یس ڈیڈ...... بالکل یہ وہی شخص ہے۔'' ذوناش کے لہجے میں بے پناہ خوشی تھی۔

''بچانے والی ذات تو اللہ کی ہے سر، میں تو بس اتفاقاً اس رات بائیک میں پٹرول ختم ہو جانے کی وجہ سے وہاں رکا تھا۔'' کمال قریشی اس کی بات سن کر اپنی نشست سے اٹھ کر کومیل کے قریب آ گئے تھے۔

''میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں چکا سکتا، تم نے میری اکلوتی بیٹی کی جان بچائی۔'' کمال قریشی نے کومیل کے کندھے پہ تھپکی دی اور اپنی جیب سے چیک بک نکالی۔

''احسان کیسا سر؟ اس رات اگر میم کے علاوہ کوئی بھی ہوتا اس کی حفاظت کرنا میرا فرض تھا۔'' کومیل نے عجز وانکساری سے کہا۔

کمال قریشی نے چیک پہ اماؤنٹ لکھنے کے بعد اپنے سائن کیے اور چیک کومیل کی جانب بڑھا دیا۔

''اسے میری طرف سے انعام سمجھ کر رکھ لو اس رات اگر تم نہ ہوتے، تو نا جانے کیا ہو جاتا۔''

''سر نیکیاں انعام کے لالچ میں نہیں کی جاتیں۔'' کومیل نے چیک نہیں پکڑا تھا۔

''دس لاکھ کم لگ رہے ہیں تو میں اماؤنٹ بڑھا دیتا ہوں۔'' کمال قریشی نے اچنبھے سے کومیل کو دیکھ کر پوچھا۔

''نو سر آپ اس انعام کی زحمت مت کریں، میں یہ کسی صورت نہیں لوں گا، مجھے انعام اللہ سے چاہیے اور بے شک اس سے بہترین انعام دینے والا اور کوئی نہیں۔'' اس کے دوٹوک انداز پہ کمال قریشی حیرت سے چند لمحے اسے دیکھتے رہے اور پھر انہوں نے چیک اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''تمہارے اندر کسی ایماندار اور خود دار باپ کا خون دوڑ رہا ہے یہ جان کر خوشی ہوئی۔'' کمال قریشی دوبارہ اپنی نشست پہ آ بیٹھے تھے اور مریم خاتون سے مخاطب ہوئے تھے۔

''مریم خاتون آپ کومیل کو اس کا کوارٹر دیکھا دیں اور ذونا کے سارے دن کی روٹین لسٹ اس کو دے دیں اور ہاں باقی تمام ملازمین کو

بھی ہدایت کر دیجیے کہ کومیل کی عزت و احترام کریں اور آپ ان کے کھانے پینے کا خاص خیال رکھیں، اس سلسلے میں آپ وحید (گھر کا بنگالی کک) کو بھی ہدایت کر دیجیے۔'' کمال قریشی کے خاص حکم پہ مریم خاتون نے دھیرے سے سر ہلایا۔

''ڈونٹ وری صاحب! ہم سب کو بتا دے گا، چلیں کومیل بابا ہم آپ کو آپ کا کمرہ دیکھاتا ہے۔'' مریم خاتون، کمال قریشی کو تسلی دے کر کومیل سے مخاطب ہوئیں تو وہ مریم خاتون کے ساتھ بڑھ گیا، ذوناش نے دیر تک اسے جاتا ہوا دیکھا، اس کے لبوں پہ دھیمی سی مسکراہٹ کھل اٹھی تھی۔

''ہاں بھئی گیم شروع کریں۔'' کمال قریشی نے پیار سے اس کے سر پہ ہلکی سی چپت رسید کرتے ہوئے پوچھا تو وہ ہنستے ہوئے اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔

☆☆☆

کومیل نے پانچ سال مختلف ہائی سوسائٹی کے لوگوں کے پاس بطور باڈی گارڈ جاب کی تھی مگر ایسا آرام دہ اور خوبصورت کوارٹر اس نے کبھی نہ دیکھا تھا، اس کا کمرہ فل کارپڈ تھا، بڑی سی کھڑکی پہ شاندار قسم کے پردے لگے ہوئے تھے آرام دے بیڈ، صوفہ سیٹ، روم فریج، دیوار میں لگی ایل سی ڈی، اسی دیوار کے ایک طرف بنی لکڑی کی وسیع ڈریس الماری اور الماری میں نسب بڑا سا شیشہ پھر روم میں لگا اے سی اور روم کے ساتھ بنا شاندار اٹیچ باتھ روم، دیکھ کر اسے بہت خوشی محسوس ہوئی تھی۔

مریم خاتون اسے ذوناش کے سارے دن کی روٹین لسٹ دے گئیں تھیں ساتھ میں اس کا فون نمبر لے کر گئیں تھیں، وہ شاور لے کر فریش ہوا اور اپنے بیگ سے اپنے کپڑے نکال کر الماری میں رکھنے لگا، تھوڑی دیر پہلے، خالد آ کر اسے چائے دے گیا تھا، ساتھ میں وہ چائے بھی پی رہا تھا، کپڑے الماری میں سیٹ کرنے کے بعد وہ چائے کا مگ لئے صوفے پہ آ گیا اور اس نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کر لیا، چائے پینے کے بعد اس نے ٹیبل سے ذوناش کے سارے دن کی روٹین لسٹ اٹھائی اور پڑھنے لگا۔

''ہوں تو محترمہ کی صبح کا آغاز صبح چھ بجے ہوتا ہے۔'' وہ زیر لب بولا۔

''اس کلاس کی یہ پہلی لڑکی ہے جو صبح چھ بجے اٹھتی ہے ورنہ امیر لوگوں کے بچے بارہ بجے سے پہلے کب اٹھتے ہیں؟'' اس نے جیسے خود سے پوچھا۔

''چھ بجے اٹھ کر محترمہ کافی پیتی ہیں، پھر لان میں تھوڑی دیر چہل قدمی کرتی ہیں، سات بجے محترمہ لان میں بنے جوگنگ ٹریک پہ واک کرتی ہیں، آدھا گھنٹہ واک کرنے کے بعد فٹنس ٹریز آ کر محترمہ کو **Aerobic Axercise** اور یوگا کرواتی ہیں، ایک گھنٹے کے بعد فارغ ہو کر محترمہ ایک گھنٹہ ریسٹ اور ریلیکس کرتی ہیں، پھر دس بجے اٹھ کر محترمہ ناشتہ کرتی ہیں، اس کے بعد ایک گھنٹہ لائبریری کرتی تھی۔'' میوزک روم سے ستار اور ہارمونیم بجانے کی آواز آ رہی تھی ذوناش کے موسیقی کے استاد اسے ریاض کروا رہے تھے بلاشبہ ذوناش کی آواز خاصی سریلی اور دل کو چھو جانے والی تھی۔

کومیل لان کے اس حصے میں چہل قدمی کرتے کرتے بینچ پہ آ کر بیٹھ گیا تھا، میوزک روم میں جدید ساؤنڈ سسٹم لگایا گیا تھا۔

ریاض کرنے کے بعد ذوناش نے اسی راگ میں غزل سنانی شروع کی جس راگ کا وہ

چند لمحے پہلے ریاض کر رہی تھی۔

کوئی فریاد تیرے دل میں دبی ہو جیسے
تو نے آنکھوں سے کوئی بات کہی ہو جیسے
جاگتے جاگتے اک عمر کٹی ہو جیسے
جان باقی ہے مگر سانس رکی ہو جیسے
ہر ملاقات پہ محسوس یہی ہوتا ہے
مجھ سے کچھ تیری نظر پوچھ رہی ہو جیسے
راہ چلتے ہوئے اکثر یوں گماں ہوتا ہے
وہ نظر چھپ کے مجھے دیکھ رہی ہو جیسے
ایک لمحے میں سمٹ آیا ہے صدیوں کا سفر
زندگی تیز بہت تیز چلتی ہو جیسے
اس طرح پہروں تجھے سوچتی رہتی ہوں میں
میری ہر سانس تیرے نام لکھی ہو جیسے

ذوناش کی آواز میں ایک عجیب سحر تھا ایک درد تھا، کچھ ٹوٹے ہوئے خوابوں کی کرچیاں اور کچھ مرجھائے ہوئے جذبوں کا دکھ تھا، وہ دکھ جو کسی کو بتایا نہیں جاتا، وہ مرجھائے ہوئے جذبے جو کسی پھول کی طرح کسی ڈائری میں رکھ دیئے جاتے ہیں۔

کومیل لاشعوری اور غیر ارادی طور پہ وہیں بینچ پہ بیٹھ کر اس کو سنتا رہا تھا، کلام ختم ہوتے ہی اس کے استاد نے اسے داد دی تھی۔

''واہ بیٹیا واہ آج تو کمال کر دیا آپ نے، کیا گایا ہے آج آپ نے، بہت خوب۔'' اس کے استاد کے تعریفی کلمات کومیل کے کانوں سے ٹکرائے تھے۔

''شکریہ استاد محترم! آج کے لئے اتنا ہی کافی ہے، میں آپ کے لئے چائے بھجواتی ہوں۔'' ذوناش کی مودبانہ آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی اور پھر وہ میوزک روم سے اپنے کمرے کی جانب بڑھی تھی، جب اچانک اس کی نظر کھڑکی سے دوسری پار سامنے بینچ پہ بیٹھے کومیل آفریدی پہ پڑی تھی۔

اتفاقاً کومیل بھی اسی جانب دیکھ رہا تھا، معاً وہ جاتے جاتے غیر ارادی طور پہ کھڑکی میں رک گئی تھی، اسی اثناء میں ملازم ''استاد محترم'' کے لئے چائے لے کر میوزک روم میں داخل ہوا تھا، ذوناش کی توجہ بھی کھڑکی کے پار موجود اس شخص سے ہٹ گئی تھی اور وہ دھیرے سے وہاں سے ہٹ گئی تھی تھوڑی دیر لان میں مزید چہل قدمی کرنے کے بعد کومیل بھی اپنے روم میں آ گیا تھا۔

☆☆☆

صبح چھ بجے سے پہلے ہی اس کی آنکھ کھل گئی تھی، اس نے انٹر کام پہ اپنے روم میں کافی بھجوانے کو کہا اور بیڈ سے اٹھ کر واش روم میں گھس گئی۔

جب وہ فریش ہو کر واش روم سے نکلی تو ملازمہ ٹرالی لئے کمرے میں موجود تھی۔

''بی بی جی یہ کافی۔'' ثمینہ نے مودبانہ انداز میں بتایا۔

''او کے تھینکس، تم جاؤ، کافی میں خود بنا لوں گی۔'' ذوناش بے بی پنک سلیولیس گھٹنوں تک نائٹی میں ملبوس ٹاول سے منہ صاف کرتی ہوئی بولی تو ثمینہ سر ہلا کر باہر نکل گئی۔

ذوناش نے ٹاول بیڈ پہ پھینکا اور خود ٹرالی گھسیٹ کر صوفے پہ بیٹھ گئی اور اپنے لئے کافی بنانے لگی، کافی بناتے بناتے اسے اچانک کومیل کا خیال آیا تھا اور وہ مگ ہاتھ میں لئے پرسوچ انداز میں صوفے سے اٹھ کر اپنے کمرے کی گلاس وال کے قریب آ کھڑی ہوئی، ایک ہاتھ سے اس نے پردے کی ڈور کھینچ کر پردہ سمیٹ دیا اور باہر لان میں دیکھنے لگی، سورج ابھی مکمل طور پہ طلوع نہیں ہوا تھا۔

پورے آسمان پہ نارنجی سی شعاعیں پھیلی ہوئی تھیں پرندے اپنے گھونسلوں سے نکل کر اپنے رزق کی تلاش میں ٹولیوں کی صورت آسمان پہ اڑتے دیکھائی دیئے، کئی مالی وسیع لان میں گھاس کاٹنے، انوع اقسام کے قیمتی پودوں اور پھولوں کو دیکھ بھال، کانٹ چھانٹ اور گوڈی میں مصروف تھے۔

ممی وائٹ شرٹ اور پیروں تک لانگ اسکرٹ میں ملبوس ان کے سر پہ کھڑی انہیں کچھ ضروری ہدایات دینے میں مصروف تھیں، اچانک اس کی نظر لان کے ایک سائیڈ پہ مارشل آرٹس کے یونیفارم میں ملبوس کومیل پہ پڑی تھی، وہ مارشل آرٹس کی مشق کر رہا تھا۔

ذوناش گلاس وال کے پاس کھڑی کافی پیتے ہوئے اسے دیکھتی رہی، اس کے کمرے سے فرنٹ لان کا سب ایریا دیکھائی دیتا تھا، اس نے پہلی بار کسی مرد کو یوں فرصت سے دیکھا اور پھر کافی پینے کے بعد اس نے اپنا نائٹ ڈریس چینج کیا اور ٹریک سوٹ کے ساتھ جوگرز پہن کر لان میں آگئی۔

''گڈ مارننگ ممی۔'' ذوناش نے عقب سے آکر مسکراتے ہوئے کہا۔

''ویری گڈ مارننگ مائے ڈارلنگ، یہ آج تم اتنی جلدی کیسے اٹھ گیا؟ چھ بجنے میں ابھی بیس منٹ باقی ہے۔'' ممی نے اپنی کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھ کر حیرت سے اسے دیکھا۔

''بس آج میری جلدی آنکھ کھل گئی۔'' وہ فریش انداز میں مسکرائی۔

''ویری گڈ مائے ڈارلنگ، تم یہاں فریش ائیر لو ہم ذرا کچن میں دیکھتا ہے، وحید (بٹلر) اور ثمینہ (ملازمہ) بریک فاسٹ کی تیاری کر رہا ہے کہ نہیں، تم تو جانتا ہے صاحب اٹھتے ہی بریک فاسٹ کرتا ہے۔'' مریم خاتون نے مسکراتے ہوئے پیار سے اس کے گال چھوئے اور اندر بڑھ گئیں۔

ذوناش چلتے چلتے لان کے اس حصے میں آگئی جہاں کومیل مارشل آرٹس کی مشق کر رہا تھا، مگر اپنے سامنے اسے کھڑا دیکھ کر رک گیا تھا۔

''السلام علیکم میم!''

''وعلیکم السلام کیسے ہو تم؟'' ذوناش نے اس کے قریب آتے ہوئے خوشدلی سے پوچھا۔

''الحمدللہ میم! میں ٹھیک ہوں۔'' مختصر جواب دیا گیا۔

''ویسے اس رات جب تم نے میری اور مرسل کی جان بچائی تھی، اس رات وہاں اس سنسان جگہ پہ تمہاری انٹری کسی فلمی ہیرو سے کم دیکھائی نہیں دے رہی تھی۔'' ذوناش کا انداز دوستانہ تھا اور اس کے لبوں پہ مسکراہٹ رقصاں تھی جواباً کومیل بھی دھیرے سے مسکرا دیا تھا، اس کی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی بڑی بڑی گہری اور خوبصورت آنکھیں بھی مسکرائی تھیں، تاہم وہ ذوناش کی بات پہ جواباً خاموش ہی رہا تھا، اس نے کوئی رائے نہیں دی تھی۔

''کومیل ویسے تم اس ہینڈسم پاکستانی ایکٹر ''حمزہ علی عباسی'' سے کافی ملتے جلتے ہو، کیا کبھی تمہیں کسی نے نہیں بتایا؟'' ذوناش نے گویا ان ڈائریکٹ اس کی تعریف کی تھی۔

''جی نہیں میم! میں ایسی باتوں پہ توجہ نہیں دیتا۔'' اس نے دھیرے سے کہہ کر سر جھکا لیا۔

''حیرت ہے، ویسے لڑکیاں تو کہتی ہوں گی تمہیں؟'' ذوناش نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

''جی نہیں میم! میں لڑکیوں اور ان کی ایسی باتوں پہ غور نہیں کرتا۔'' اس کے جواب پہ ذوناش نے اسے مزید حیرت سے دیکھا۔

”امیزنگ، تو پھر کن باتوں پہ توجہ دیتے ہو تم؟“ بے تکلفی سے مزید سوال کیا گیا، کومیل گڑبڑا گیا۔

”Its very personal question mam۔“ اس کا جواب ذوناش کے لئے غیر متوقع تھا۔

”Oh i, m sorry بائے داوے یہ مشق روزانہ کتنی دیر کرتے ہو تم؟“ ذوناش نے شاید اپنی خفت مٹانے کے لئے مزید سوال کر دیا تھا، یا اس سے بات کر کے اسے اچھا لگ رہا تھا۔

”فجر کی نماز پڑھ کر روزانہ ایک گھنٹہ۔“ ہنوز مختصر جواب۔

”او کے رات تم لان میں بیٹھے تھے، اپنی فیملی کو مس کر رہے تھے کیا؟“ وہ نہ جانے کیوں سوال پہ سوال کر رہی تھی اس سے، شاید وہ اس کے پاس اس کے سامنے کھڑے رہنا چاہتی تھی، نا جانے کیوں۔

”جو فیملی سے دور ہو وہ فیملی کو مس تو ضرور کرتا ہے، مگر اب عادت ہو گئی ہے مجھے، میں بس ویسے ہی رات کو کھانے کے بعد لان میں واک کے لئے آ گیا تھا۔“ اس نے عام سے لہجے میں بتایا، اس کی نظریں نیچی تھیں۔

”تمہاری جاب بہت ٹف ہے اپنی جان ہتھیلی پہ رکھ کر دوسروں کی جان کی حفاظت کرتے ہو تم، تمہاری بیوی نے کیسے اجازت دے دی تم کو ایسی جاب کی؟“ وہ ایک بار پھر پرسنل ہو رہی تھی، کومیل اس کے سوالوں اور بے تکلفی پہ اندر ہی اندر جھلا رہا تھا۔

”میم بچانے والی اور حفاظت کرنے والی ذات تو اللہ کی ہے، بس وہ ہم جیسے لوگوں کو آپ جیسے لوگوں کے لئے وسیلے بنا کر بھیج دیتا ہے اور رہی بات بیوی کی تو میں فی الحال اس جھنجھٹ سے بالکل آزاد ہوں۔“ کومیل نے بے زار ہو کر کچھ اس انداز میں کہا تھا کہ وہ بے ساختہ مسکرا پڑی تھی۔

”بیوی ایک جھنجھٹ ہے، ہاؤ فنی۔“ ذوناش نے زیر لب دھرایا۔

”میم آپ کی جوگنگ کا ٹائم ہو گیا ہے۔“ کومیل نے ٹاپک بدلتے ہوئے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھ کر اسے یاد دلایا۔

”لگتا ہے تم نے میرا روٹین چارٹ یاد کر لیا ہے؟“

”اٹس مائے ڈیوٹی میم، وہ تو مجھے یاد کرنا ہی تھا۔“ وہ جیسے زبردستی مسکرایا۔

”او کے تم اپنی مشق جاری رکھو، میں چلتی ہوں۔“ ذوناش مسکراتی ہوئی جوگنگ ٹریک کی جانب بڑھ گئی تھی، جوگنگ کے بعد اس کی فٹنس ٹرینر ماریہ آ گئی تھی، ماریہ نے آتے ہی اس سے پوچھا تھا۔

”ذوناش ابھی ابھی میں نے لان میں ہینڈسم سالڑ کا دیکھا ہے یار اس کو دیکھ کر کچھ کچھ ہونے لگا، بائے داوے کیا تعارف ہے اس نیو انٹری کا؟“ ماریہ نے ہنستے ہوئے بے تکلفی سے پوچھا، ماریہ ایک اٹھائیس تیس سالہ خوش شکل اور خوش مزاج فٹنس ٹرینر تھی، وہ گزشتہ دو سال سے اسے Aerobic axercise اور یوگا کروا رہی تھی، لہٰذا اب ذوناش سے خاصی بے تکلف ہو چکی تھی، ذوناش اس کی بات پہ مسکرا دی۔

”He is my new personal driver and my bodyguard۔“

”او مگر لگتا کم بخت کسی فلم کا ہیرو ہے۔“ ماریہ نے تبصرہ کیا تو اس کے لبوں پہ مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

''اٹس ٹرو۔''

''ویسے اگر یہ سنگل ہے تو تم اسے میرا نمبر دے سکتی ہو۔'' ماریہ نے مسکراتے ہوئے اسے اجازت دی اور میوزک لگا دیا وہ دونوں اس وقت جم میں تھیں۔

''مجھے آپ کے ارادے نیک نہیں لگتے ویسے آپ کی اطلاع کے لئے مجھے تو وہ ان چکروں میں پڑنے والا نہیں لگتا۔'' ذوناش نے قیاس کیا، ساتھ ہی وہ مسکرا بھی رہی تھی۔

''ہاں ویسے لگتا تو شکل سے شریف ہی ہے مگر اس کو دیکھ کر کسی بھی لڑکی کا ارادہ خراب ہو سکتا ہے۔'' ماریہ نے مسکراتے ہوئے اسے آنکھ مار کر Axercise اسٹارٹ کی، ذوناش بھی اس کے ساتھ بالکل اسی طرح میوزک کی بیٹ پہ ایکسر سائز کرنے لگی، اس کے ہونٹوں پہ اب بھی مسکراہٹ رقصاں تھی۔

''گڈ ویری گڈ۔'' ماریہ نے اسے Appreciat کرتے ہوئے شاباش دی پہلی بار وہ مجبوراً ایکسر سائز نہیں کر رہی تھی۔

☆☆☆

کمال قریشی کافی دیر سے اپنے روم سے منسلک اسٹڈی روم میں بیٹھے تھے انہوں نے اپنے وکیل فاروقی کو بلایا ہوا تھا، کافی دیر سے ان کی میٹنگ چل رہی تھی، بالآخر فاروقی صاحب کے جاتے ہی ذوناش ان کے کمرے میں آ گئی تھی۔

''بھئی آج تو بڑے بڑے لوگ اپنا قیمتی وقت نکال کر ہمارے روم میں آئے ہیں؟'' کمال قریشی اسے دیکھ کر شرارت سے مسکرائے۔

''کم آن ڈیڈ مذاق مت کریں۔'' ذوناش مسکراتی ہوئی ان کے ساتھ صوفے پہ آ بیٹھی۔

''لگتا ہے میری بیٹی مجھ سے کوئی فرمائش کرنا چاہتی ہے؟''

''ڈیڈ آپ کو کیسے پتہ چلا؟'' وہ حیران ہوئی۔

''کیونکہ میں تمہارا ڈیڈ ہوں۔'' انہوں نے پیار سے اس کا ناک دبایا۔

''گو کہ میں نے اپنے بچوں کو بزنس کی مصروفیت کی بنا پر اس طرح اتنا ٹائم نہیں دیا جتنا ایک باپ کو اپنے بچوں کو دینا چاہیے مگر میں تمہاری بچپن کی اس عادت سے اچھی طرح واقف ہوں کہ جب بھی تمہیں کچھ چاہیے ہوتا تھا تم اسی طرح اچھے موڈ کے ساتھ آ کر میرے پاس بیٹھ جاتی تھی۔'' کمال قریشی نے مسکراتے ہوئے اسے یاد دلایا تو ذوناش نے مسکراتے ہوئے اپنا بازو ان کے کندھے پہ پھیلا لیا۔

''اب بتاؤ کیا چاہیے میری بیٹی کو؟''

''ڈیڈ اتنے دن ہو گئے ہیں مجھے شاپنگ کیے ہوئے، میں کسی مال میں جانا چاہتی ہوں، اس گھر سے باہر نکلنا چاہتی ہوں، ایک ہفتے سے میں اس گھر میں قید ہوں، مجھے کہیں باہر جانا ہے۔'' ذوناش نے کسی بچے کی طرح التجا کی۔

''ذونا میری جان! تم اچھی طرح سے جانتی ہو کہ ابھی ایک ہفتے پہلے کتنا بڑا اور خوفناک واقع رونما ہوا ہے تمہارے ساتھ؟ ابھی تمہارا گھر سے نکلنا کسی صورت بھی مناسب نہیں ہے، اگر تمہیں شاپنگ ہی کرنی ہے تو دو دن اور رک جاؤ، میں تمہارا ویزہ لگوا دیتا ہوں، تم شاپنگ کے لئے دوبئ چلی جاؤ؟'' کمال قریشی نے اس کے گال تھپتھپائے۔

''او کے آپ جلدی سے میرا ویزہ لگوائیں، میں کچھ دن کے لئے یہاں کی روٹین سے نکلنا چاہتی ہوں۔''

''او کے مائے بے بی، ڈونٹ وری۔''

کمال قریشی نے اس کے کندھے پہ تھپکی دی۔
''ڈیڈ یہ کیا ہے؟'' ذوناش نے سامنے ٹیبل پہ رکھے کچھ پیپرز دیکھ کر پوچھا۔
''میں نے فاروقی صاحب کو بلوا کر اپنی وصیت تیار کروائی ہے، یہ اس کی کچھ فوٹو کاپیز ہیں۔''
''کیسی وصیت ڈیڈ؟''
''میں نے اپنا بزنس اپنی پراپرٹی اور یہ پیلس تمہارے نام کر دیا ہے۔'' انہوں نے دھیرے سے اطلاع دی۔
''مگر کیوں ڈیڈ؟''
''ذونا میری جان زندگی کا کیا بھروسہ؟ اس لئے کچھ کام زندگی میں ہی نمٹا لینے چاہیں۔''
''پلیز ڈیڈ ایسی باتیں مت کریں۔'' اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں دبوچ لیا تھا۔
''تم دوبئی سے واپس آجاؤ تو تمہاری منگنی کا کوئی حتمی فیصلہ بھی کرنا ہے مجھے، بھائی صاحب اور عالیہ بھابھی کی طرف سے جلد ہی تمہاری اور مرسل کی منگنی کا اصرار بڑھتا جا رہا ہے۔'' انہوں نے تفصیل بتائی، ذوناش کا دل مزید بجھ گیا۔
''ڈیڈ! مرسل میرا آئیڈیل نہیں ہے، مجھے نہیں لگتا میں مرسل کے ساتھ ایک اچھی لائف گزار سکوں گی، اس کے ساتھ میری انڈر اسٹینڈنگ زیرو ہے، اس کی اور میری سوچ بالکل الگ ہے ڈیڈی، وہ میرے لئے ایک اچھا لائف پارٹنر ثابت نہیں ہو سکے گا۔'' ذوناش نے اپنے اندر کے خدشوں کو اظہار بنایا۔
''میری جان کیا کمی ہے مرسل میں؟''
''ڈیڈ وہ بہت...... پریکٹیکل سا انسان ہے اور بہت زیادہ ان رومانٹک بھی ہمیشہ وہ چوبیس گھنٹے اپنے بزنس کے بورنگ قصے سنا سنا کر مجھے بور کرتا رہے گا بس مجھے اس کے ساتھ شادی نہیں

کرنی ہے۔'' ذوناش نے روٹھے انداز میں فیصلہ سنایا، کمال قریشی اس کی بات پہ مسکرائے۔
''یہ تو اچھی بات ہے کہ وہ ایک پریکٹیکل انسان ہے اور تم کیا چاہتی ہو کہ وہ کسی فلمی ہیرو کی طرح چوبیس گھنٹے تمہارے گرد منڈلاتا رہے؟ بی میچور ذونا ایسا سب کچھ فلموں میں ہی سوٹ کرتا ہے، حقیقی زندگی میں ایسا پاسیبل نہیں ہو سکتا۔'' کمال قریشی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔
''اور ویسے بھی یہ کوئی وجوہات نہیں ہیں انکار کی۔''
''ڈیڈ مرسل آپ کا بھتیجا ہے اسی لئے آپ کی طرح سوچتا ہے مجھے تو رہ رہ کر ممی کا خیال آ رہا ہے انہوں نے میرڈ لائف کے چار سال آپ جیسے بورنگ ہزبینڈ کے ساتھ کیسے گزارے ہوں گے؟'' ذوناش کی بات اور شکوے پہ کمال قریشی ہنسنے لگے تھے۔
''وہ چار سال تمہاری ماں نے میرے ساتھ اتنے اچھے اور آئیڈیل گزارے کہ آج تک مجھے کبھی دوسری شادی کا خیال تک نہیں آیا، وہ ایک بہترین عورت تھی اور آئیڈیل بیوی۔'' کمال قریشی نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا، ان کی آنکھوں کے آگے مہرین کا ہنستا مسکراتا چہرہ آن بسا تھا۔

☆☆☆

کمال قریشی ایک مشہور و معروف Diamond dealer تھے ان کی تجارت کا سلسلہ ملائیشیا، سنگاپور، سڈنی، ناروے، دوبئی سے لے کر پورے یورپ کے دیگر ممالک تک پھیلا ہوا تھا، انہوں نے اپنے ساتھ اپنے اکلوتے بھتیجے اور ہونے والے داماد مرسل کو بھی بزنس میں شامل کر لیا تھا، اس کی وجہ ان کی گرتی ہوئی صحت بھی تھی، ان کے بڑے بھائی کبیر قریشی کے قیمتی

گاڑیوں کے شوروم تھے، مرسل اپنے باپ کے ساتھ ساتھ کمال قریشی کے بزنس میں بھی ان کی ہیلپ کیا کرتا تھا، یہی وجہ تھی کہ دیگر ملکوں میں اکثر ہیروں کی ڈیلز مرسل جا کے طے کرتا تھا، کمال قریشی کو مرسل کا بہت سہارا تھا، وہ سوائے مرسل کے اور کسی ورکر پہ ٹرسٹ نہیں کرتے تھے۔

وہ مرسل کا فیوچر بہت برائٹ دیکھ رہے تھے، اسے بھی کمال قریشی کی طرح بزنس میں نام بنانے کا جنون تھا، یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے باپ کے بزنس کے ساتھ کمال قریشی کے بزنس کو بھی سنبھالے ہوئے تھا اور اکثر غیر ملکی دوروں پہ رہتا تھا مہرین کمال قریشی کی پہلی اور آخری محبت تھی، ان کی محبوبہ بیوی تھیں، دونوں کو ایک دوسرے سے مثالی اور انتہا کی محبت تھی، شادی کے بعد جڑواں بچوں کی پیدائش کے بعد دو سال تک وہ تندرست و توانا رہیں اس کے بعد ان کو اکثر بخار رہنے لگا پھر اچانک انہیں Breast cancer diagnose ہوا کمال قریشی نے ان کے بہترین علاج کے لئے مہرین بیگم کی دائمی جدائی، اندھیرا بن کر ان کی زندگی پہ چھا گئی تھی وہ اندر سے بہت تنہا اور اکیلے ہو گئے تھے، مہرین کی وفات کے بعد کبیر قریشی اور عالیہ بیگم نے کئی بار انہیں دوسری شادی کر لینے کا مشورہ دیا مگر وہ ہمیشہ یہ کہہ کر انکار کرتے رہے کہ میں مہرین کی جگہ کسی بھی دوسری عورت کو نہیں دے سکتا اور ویسے بھی وہ اپنے دونوں بچوں، ذونین اور ذوناش پہ سوتیلی ماں کو مسلط نہیں کرنا چاہتے تھے، مہرین بیگم نے بیماری کے دوران ہی مریم خاتون کو دونوں جڑواں بہن بھائی کی دیکھ بھال اور گھر کے تمام معاملات کی جان پڑتال کے لئے بطور کیئر ٹیکر رکھ لیا گیا تھا، مریم خاتون نے ذوناش اور ذونین کا ایک بہترین گورنس کی طرح خیال رکھا اور گھر کی دیگر ذمہ داریوں کو بھی نہایت ایمانداری کے ساتھ نبھایا، وہ ایک خاتون ایک بانجھ عورت تھیں اسی وجہ سے ان کو طلاق دی گئی تھی، ان کے اندر اولاد کی جو کمی جو حسرت تھی وہ انہوں نے ان دونوں بچوں کو پیار دے کر گویا پوری کر لی تھی، وہ دونوں بہن بھائی بھی مریم خاتون سے بہت مانوس تھے اور ان کا بہت ادب واحترام کیا کرتے تھے، مہرین کی ڈیتھ کے بعد کمال قریشی نے ذوناش اور ذونین کو مریم خاتون کے ساتھ انگلینڈ بھجوا دیا تھا، جہاں ان دونوں بہن بھائی کو اسکولنگ وغیرہ ہو رہی تھی مریم خاتون ان دونوں کو بہت پیار کیا کرتی تھیں، سو وقت اچھے انداز سے گزرتا چلا گیا، ذوناش اور ذونین نے لندن کے مشہور و معروف اسکول و کالج سے پڑھا، ان دونوں بہن بھائیوں میں بھی خوب پیار اور محبت تھا، انہی دنوں وہ دونوں بہن بھائی کالج میں چھٹیوں کی وجہ سے مریم خاتون کے ساتھ پاکستان آئے تھے، اپنی چھٹیوں کو بھرپور انداز میں انجوائے کر رہے تھے، اس وقت ذوناش اور ذونین اٹھارہ برس کے ہو چکے تھے، انہی دنوں دونوں بہن بھائی کی برتھ ڈے تھی جسے کمال قریشی نے بڑے شاندار انداز میں وسیع پیمانے پہ سیلی بریٹ کرنے کا پروگرام بنایا تھا، جس میں ملک کی اعلیٰ شخصیات سے لے کر ہائی کلاس کی کریم کو مدعو کیا گیا تھا، ایک ہفتے سے کمال پیلس میں ان دونوں کی برتھ ڈے پارٹی کی تیاریاں ہو رہی تھیں، ان دونوں کی برتھ ڈے کا دن تو جیسے ایک مدت کے بعد کمال قریشی کے لئے خوشیوں کا پیام بن کر آیا تھا مہرین کی ڈیتھ کے بعد اس گھر میں ہونے والی یہ پہلی پارٹی تھی جسے اتنے شاندار انداز میں منایا گیا تھا کہ وہاں مدعو لوگوں نے بھی اس یادگار پارٹی پہ ڈھیروں تبصرے کیے تھے۔

وہ شام کمال پیلس میں ایک حسین یاد بن کر اتری تھی ہر طرف قہقہے تھے، خوشیاں تھیں، مسکراہٹیں تھیں، مگر کمال پیلس میں بسنے والوں کو کہاں خبر تھی کہ اس حسین اور خوشیوں سے بھرپور یادگار شام کی رات اتنی تاریک، خوفناک طویل اور بھیانک روپ دھار کر آنے والی تھی۔

اس رات پارٹی ختم ہوتے ہی ذونین نے اپنے تایا کبیر قریشی کی طرف سے بطور تحفہ ملنے والی قیمتی اسپورٹس کار میں باہر جانے کی ضد کی تھی، کمال قریشی کے اجازت نہ دینے کے باوجود اس نے ایک ہی رٹ لگا رکھی تھی، وہ باہر جانا چاہتا تھا اور بے جا اسرار پہ کمال قریشی نے اسے باہر جانے کی اجازت دے دی تھی، ساڑھے گیارہ بجے وہ گھر سے نکلا تھا اور ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد اس کے ایکسیڈنٹ کی خبر کمال پیلس کے تمام افراد کو ہلا کر رکھ گئی تھی، ذونین کو شدید چوٹیں آئیں تھیں اس کا برین ان چوٹوں سے بری طرح سے متاثر ہوا تھا، کمال قریشی پاگلوں کی طرح شہر کے وی آئی پی ہاسپٹل کے سرجنز کی منت سماجت کرتے ہوئے اپنے اکلوتے نوجوان بیٹے کو بچانے کی التجائیں کرتے رہے تھے، ذوناش ایک ٹرانس کی کیفیت میں پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس تمام منظر کو دیکھ رہی تھی، اس کے لبوں پہ چپ لگ گئی، اس کے اندر باہر ایک خاموشی چھائی ہوئی تھی، اس کے ڈیڈ کی بے انتہا دولت بھی اس کے بھائی کو نہ بچا سکی تھی۔

یکدم اسے اپنے باپ کی بے پناہ دولت بے معنی سی لگنے لگی تھی ہر چیز سے اس کا دل اچاٹ ہو گیا تھا، ذونین کے برین پر ایسی شدید چوٹیں آئیں تھیں کہ وہ ڈھیروں دعاؤں کے باوجود جانبر نہ ہو سکا، کمال قریشی کی حالت نیم پاگلوں جیسی ہو گئی تھی، مہرین کی وفات پہ وہ ٹوٹ گئے تھے، ذونین کی ناگہانی موت نے انہیں بکھیر دیا تھا، ان کے وجود کی دھجیاں اڑا دی تھیں، کمال پیلس میں وہ قیامت کا منظر تھا جہاں تھوڑی دیر پہلے قہقہے گونج رہے تھے وہاں اب چند گھنٹوں میں صف ماتم بچھی ہوئی تھی، کمال قریشی جوان بیٹے کی اچانک موت پہ زندہ لاش بن گئے تھے دوسری طرف ذوناش کی حالت بھی قابل رحم تھی، نہ وہ کھاتی تھی نہ پیتی تھی، نہ بولتی تھی، کئی مہینوں تک کمال قریشی اس صدمے کے زیر اثر رہے اور ذوناش تو اپنے جڑواں بھائی کی دائمی جدائی سے اتنی اپ سیٹ ہو گئی تھی کہ چھ ماہ تک اس کا ایک Psychiatrist سے ٹریٹمنٹ ہوتا رہا تھا، وہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی حساس ہو گئی تھی، چھوٹی چھوٹی چیزوں اور باتوں کے بارے میں ڈیپلی سوچنے لگی تھی، تنہائی اور اکیلے پن کی وجہ سے وہ اکثر قنوطی ہو جاتی تھی اور ڈپریشن میں مبتلا ہو جاتی تھی۔

☆☆☆

ذوناش ایک ہفتے کے لئے دوبئی جا رہی تھی اس کے ساتھ مریم خاتون اور کومیل آفریدی بھی جا رہے تھے۔

ائیر پورٹ جانے سے قبل کمال قریشی نے کومیل سے کہا تھا۔

”خدا کے بعد میں نے اپنی بیٹی کی حفاظت کی ذمہ داری تمہیں سونپی ہے میری بیٹی کا خاص خیال رکھنا اور اس بات کا خاص خیال رکھنا یہ اکیلی کہیں نہ جائے۔“

”انشاء اللہ سر میں اپنی ڈیوٹی نہایت ایمانداری سے نبھاؤں گا، آپ میم کی بالکل بھی فکر مت کیجئے گا۔“ کومیل نے انہیں مطمئن کرتے ہوئے یقین دلایا تھا۔

اور پھر سب سے بہترین Emirates

ایئر لائن کی فرسٹ کلاس میں پہلی بار سفر کرتے ہوئے کومیل اپنے ٹھاٹ باٹھ پہ دھیرے سے مسکرا دیا تھا، وی آئی پی آرام دے سٹیٹس اور وی آئی پی پروٹوکول، کومیل نے سیل فون آف کر کے جہاز کی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لی تھیں۔

اس سے تھوڑے ہی فاصلے پہ ذوناش اور می می ایک ساتھ بیٹھی تھیں تھوڑی دیر کے بعد می می بھی اونگھنے لگی تھیں، ذوناش نے ہیڈ فون کانوں سے لگا لیا تھا مگر جلد ہی وہ بوریت محسوس کرنے لگی تھی، ہیڈ فون دوبارہ رکھ دینے کے بعد اس نے بے زاریت سے کوئی انگلش فیشن میگزین اٹھا لیا تھا، میگزین کی ورق گردانی کرتے کرتے اچانک اور بے ساختہ اس کی نظریں کومیل کی جانب اٹھی تھیں اور وہ کتنے ہی پل اسے بے ساختہ فرصت سے دیکھتی رہی وہ بلیو جینز پہ سیاہ شرٹ پہنے، اتنا گڈ لوکنگ لگ رہا تھا کہ بے ساختہ اس کا دل چاہا، وہ اس کے پاس جا کر بیٹھے، اس سے باتیں کرے، اس کی گمبھیر اور خوبصورت مردانہ آواز نے اس میں ایک عجیب سی طلسماتی سی کشش تھی جو ذوناش کو اس کی جانب کھینچتی تھی، اس نے اپنی زندگی میں ایسا پر کشش مرد نہیں دیکھا تھا، جسے دیکھ کر بے اختیار اس کی قربت حاصل کرنے کو جی چاہا ہو۔

جانے یہ اس کی گہری اور پر شوق سی نظروں کی تپش تھی کہ کومیل نے ایک لمحے کے لئے آنکھیں کھول کر اپنے دائیں جانب دیکھا تھا اور پھر گڑ بڑا گیا تھا، وہ محویت سے اسی کو دیکھ رہی تھی اور اس کے اچانک یوں دیکھنے پہ دھیرے سے مسکرا دی تھی۔

''میم آپ کو کچھ چاہیے کیا؟'' اس نے نا سمجھی میں جھٹ سے ذوناش سے پوچھ ڈالا تھا اور اس کے لبوں پہ مسکراہٹ اور بھی گہری ہو گئی تھی۔

''ہاں مجھے تمہاری کمپنی چاہیے تھی، کیونکہ میں بہت بور ہو رہی تھی۔'' ذوناش نے اپنی سیٹ بیلٹ کھولتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

''اگر تمہیں نیند نہیں آ رہی تو کیا میں تمہارے پاس آ سکتی ہوں؟'' ذوناش نے اس کی بات کاٹ کر اس کے ساتھ والی خالی سیٹ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا، تو وہ گڑبڑا سا گیا۔

''ج...... جی...... شیور۔'' ذوناش اس کی حیرانگی کو نظر انداز کرتی، اٹھ کر اس کے ساتھ والی نشست پہ آ گئی تھی، کومیل کو اس کا یوں اپنی جگہ سے اٹھ کر بے تکلفی سے اس کے ساتھ آ بیٹھنا بہت عجیب اور حیران کن لگا تھا اوپر سے وہ سلیولیس ٹاپ پہ پنڈلیوں تک کیپری میں ملبوس تھی، کومیل کی نظریں جھک گئیں تھیں، اس کے کافی کلر کے لمبے اور سیدھے بال اس کے دونوں کندھوں سے نکل کر آگے پھیلے ہوئے تھے، اس کے وجود سے آتی قیمتی اور برینڈڈ کلون کی دلفریب خوشبو، اس کے حواسوں پہ چھانے لگی، ذوناش نے گردن موڑ کر اپنے ساتھ بیٹھے کومیل کو دیکھا، وہ غالباً سانس روک کر اپنی نشست پہ بیٹھا ہوا تھا، ذوناش کے لبوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی تھی، کومیل بنیادی طور پہ انتہائی شریف آدمی تھا، اس کی حالت دیکھ کر ذوناش کے دل میں خواہ مخواہ اسے تنگ کرنے کا خیال آیا اور پھر اگلے ہی لمحے ذوناش نے اس کے بازو پہ ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

''لگتا ہے میرا یہاں تمہارے پاس بیٹھنا تمہیں اچھا نہیں لگ رہا؟''

''نن...... نو میم...... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' کومیل نے گھبرا کر جواب دیا۔ (باقی اگلے ماہ)

کس کو الزام دوں
حفصہ طفیل

''حمنہ میرے کپڑے استری کر دو۔'' احمر نے لاڈ سے بہن کو کہا۔

احمر بھیا حمنہ سے کوئی بات کہیں اور وہ نہ مانے ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا، حالانکہ احمر کے کاٹن کے کپڑے استری کرنے میں کم و بیش پونا گھنٹہ تو صرف ہونا ہی تھا مگر حمنہ اور احمر کا پیار مثالی تھا، خاندان بھر میں دونوں کی مثالیں دی جاتیں، احمر بھی حمنہ کے منہ سے نکلی بات جب تک پوری نہ کرتا دم نہ لیتا۔

''احمر بھیا، جنید بھائی آئے ہیں، میں نے انہیں بیٹھک میں بٹھا دیا ہے۔'' حمنہ نے بھائی کو اطلاع دی۔

جنید، احمر کا قریبی دوست تھا، وہ مالی لحاظ سے احمر کے خاندان سے کافی کم تھا مگر ذہانت اور تعلیمی قابلیت کی بناء پر وہ احمر سے بہت آگے تھا اور دونوں کی دوستی کا سبب بھی یہ ذہانت ہی بنی، آہستہ آہستہ یہ دوستی اتنی بڑھی کہ جنید، احمر کے گھر بھی آنے لگا، وہ دونوں بی ایس سی کر رہے تھے جب کہ حمنہ میٹرک کی اسٹوڈنٹ تھی، حمنہ چھوٹی ہونے کی وجہ سے بے حد لاڈلی تھی اور احمر بھیا ہی اس کے سب سے زیادہ لاڈ اٹھاتے تھے۔

''السلام علیکم! کیا حال ہے جنید؟ خیریت اس وقت کیسے آنا ہوا؟'' احمر نے چھوٹتے ہی دو سوال ایک ساتھ کر دیے۔

''وعلیکم السلام! یار تم سے مشورہ کرنا تھا، اصل میں کوچنگ سینٹر والوں نے نویں دسویں کو پڑھانے کی آفر کی ہے اور حالات بھی اب کچھ ایسے ہو رہے ہیں کہ سوچ رہا ہوں کہ جوائن کر لوں۔'' جنید نے سوچتے ہوئے کہا۔

''ھم.......م.......م.......م........ مگر جنید یہ بی ایس سی کا ہمارا آخری سال ہے اور بہت ٹف بھی، تم دونوں چیزیں کیسے ایڈجسٹ کرو گے۔'' احمر نے استفسار کیا۔

''مگر یار! اب میں پاپا پر زیادہ بوجھ نہیں ڈال سکتا وہ بہت کمزور اور بیمار رہنے لگے ہیں، گھر کے اخراجات بھی دن بدن بڑھتے جا رہے ہیں۔''

پھر جنید نے کوچنگ میں پڑھانا شروع کر دیا اور اس کی مصروفیت بے حد بڑھ گئی، احمر ابھی بھی جنید کے ساتھ ساتھ رہتا لیکن اب جنید کے پاس وقت بہت کم ہوتا تھا۔

''امی مجھے کوچنگ جانے دیں، مجھ سے نہیں پڑھی جا رہی یہ فزکس اور میتھ میٹرک کی۔'' حمنہ نے روہانسی لہجے میں کہا۔

''تو پھر اسکول کی بھاری فیس ہم کیوں ادا کرتے ہیں، جب کوچنگ ہی بھیجنا ہے تو؟'' ممی نے ہٹیلے لہجے میں کہا۔

''ممی میتھ کی ٹیچر کو میتھ خود بھی نہیں آتا بس آئیں بائیں شائیں کر کے گائیڈ میں سے آنسر کاپی کروا دیتی ہیں اور فزکس کی ٹیچر آئے دن چھٹی پر رہتی ہیں۔'' حمنہ نے بہانہ تراشا، دراصل اس کی ساری دوستیں کوچنگ جا رہی تھیں اس لئے اسے بھی کوچنگ کا شوق چڑ آیا تھا اور تھوڑی بہت اس بہانہ میں حقیقت بھی تھی، لیکن ممی کوچنگ بھیجنے کے حق میں بالکل نہیں تھیں، جب کہ حمنہ مسلسل اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی، مگر گھی سیدھی انگلیوں سے نکلتا نہ دیکھ کر اب اسے انگلیاں ٹیڑھی کرنے کا خیال سوجھا۔

رات کے کھانے پر حمنہ موجود نہ تھی پاپا اور احمر بھیا کے نوالے حلق میں اٹکے ہوئے تھے، کیونکہ حمنہ میں تو ان کی جان اٹکی ہوئی تھی، ممی کی بھی نگاہیں بار بار حمنہ کے کمرے کی جانب اٹھ رہی تھیں، مگر اپنے غصے کے زعم میں وہ ایسے کھانا کھا رہی تھیں کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

سب گھر والے لونگ روم میں جمع تھے سب کی نظریں حمنہ پر تھیں جس کی آنکھیں رو رو کر سوج چکیں تھیں، وہ شروع سے ہی ایسی تھی چونکہ سب کی لاڈلی تھی اس لئے وہ ایسی ضدی ہو گئی تھی۔

''ویسے بیگم کوچنگ جانے میں کوئی قباحت تو نہیں۔'' ارشد صاحب نے پہل کی۔

''نہیں میرے خیال سے لڑکیوں کے کوچنگ جانے میں بے شمار قباحتیں ہیں، سب سے پہلے تو اس کھلے ڈلے ماحول میں لڑکیوں کو بھری دوپہر میں کوچنگ جانا وہ بھی اکیلے، اب میری ہڈیوں میں اتنی جان نہیں کہ میں اسے لینے چھوڑنے کے لئے دھکے کھاتی پھروں، دوسرا کوچنگ میں مرد ٹیچر پڑھاتے ہیں اور زیادہ تر وہ نوجوان ہوتے ہیں پھر لڑکے لڑکیوں کا اکٹھا پڑھنا بہت سی غلط باتوں اور بے حیائیوں کو فروغ دیتا ہے۔'' ذکیہ بیگم نے اپنی بات کی وضاحت دے کر ارشد صاحب کی طرف تائیدی نگاہوں سے دیکھا اور ارشد صاحب بھی بیگم کی وضاحت سے قائل ہونے لگے جس پر حمنہ نے روہانسی لہجہ میں کہا۔

''کیا آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں؟''

''اعتبار تو ہے چندا، مگر کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو اعتبار کے ہوتے ہوئے بھی سوچنی پڑتی ہیں۔'' احمر بھیا نے امی ابو کی طرف سے جواب دیا مگر حمنہ کی شکل دیکھ کر ان کا دل کٹ رہا تھا، مگر اچانک ہی ان کی آنکھوں میں چمک ابھری۔

''ہاں ایک بات ہو سکتی ہے اگر امی ابو ہاں کہیں تو؟''

''کیا؟'' حمنہ بے چینی سے بولی۔

''وہ امی میں جنید سے بات کروں وہ شام میں گھنٹہ بھر آ کر حمنہ کو پڑھا دیا کرے، ویسے بھی اسے ضرورت ہے اور وہ ہمارا دیکھا بھالا بھی ہے قابل اعتبار بھی، اس طرح ہمارا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا اور حمنہ بھی خوش، ہے ناں گڑیا؟''

ذکیہ بیگم کچھ پس و پیش کے بعد مان گئیں، ارشد صاحب کو تو ویسے بھی جنید اپنی ذہانت کے سبب بہت پسند تھا، جب کہ حمنہ کو بھی مانتے ہی بنی کہ کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے، اس نے دل میں سوچا اس سال جنید بھیا سے پڑھ لیتی ہوں پھر فرسٹ ائیر میں تو ضرور کوچنگ لوں گی۔

☆☆☆

''نہیں نہیں آپ نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے جنید بھائی۔'' حمنہ نے ہاتھ نچا کر احتجاج کیا اور اسی بچپنے میں حمنہ کا ہاتھ جنید کے ہاتھ سے مس ہوا، جنید کی ہارٹ بیٹ جیسے مس ہوئی، حمنہ نے اپنے چہرے پر آئی لٹیں برابر کیں اور جنید سے پھر فزکس کے Laws میں اپنے نمبر کاٹنے پر استفسار کرنے لگی مگر جنید تو اس ایک لمحے میں کہیں اور ہی پہنچ چکا تھا۔

اب اکثر حمنہ کا ہاتھ تو کبھی کندھا حمنہ کی بے خیالی میں جنید سے مس ہونے لگا جسے جنید بہت محسوس کرتا جبکہ حمنہ ابھی تک اپنے آپ میں مگن تھی حالانکہ معصوم جوانی اور کھلتی شباب اس کے لب و لہجے اور رخساروں پر نمایاں تھا۔

''آپ کی آنکھیں اتنی سرخ کیوں ہو رہی ہیں؟ کیا رات بھر کسی کے فراق میں جاگے ہیں سر؟'' حمنہ نے شوخی سے جنید کو گھورا، حمنہ اب جنید کو سر کہنے لگی تھی، جنید حمنہ کے اس بے لاگ تبصرے پر پہلو بدل کر رہ گیا کیونکہ حمنہ کے اس تجزیے میں بڑی حد تک سچائی تھی۔

''آ...... ل...... ل...... ل...... نہیں بس ایسے ہی، چلو تم اردو میں کیا پوچھنا چاہ رہی تھی؟'' جنید سے کوئی بات نہ بن پڑی تو اس نے بات کا

رخ پھیرا، یوں تو حمنہ جنید سے فزکس اور میتھس پڑھتی تھی لیکن کسی اور سبجیکٹ میں اگر کچھ مسئلہ ہوتا تو وہ بھی پوچھ لیتی تھی اسی لئے جنید نے اس کو اردو نکالنے کا کہا۔

"سر! مجھے لگتا ہے کہ مرزا غالب کو بھی کوئی کام وام تھا نہیں اب اس شعر میں ہی دیکھیں۔"

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار
یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے

"اب اس شعر کی بھلا کیا تشریح کی جائے۔" اور حمنہ اپنی ہی بات پر کھلکھلا کر ہنس دی، جنید حمنہ کے انداز سے کچھ ہڑبڑا گیا۔

"اچھا چھوڑو میں تمہیں ان غزلیات کی تشریحات کے نوٹس بنادوں گا بےفکر رہو۔"

"سر! آپ کو کیا ہوا؟ میں آپ کو تھوڑی کچھ کہہ رہی ہوں۔" حمنہ جنید کے بات سمیٹنے سے کچھ شرمندہ سی ہوئی۔

"نہیں نہیں، ایسی بات نہیں حمنہ، ویسے بھی یہ غزلیات تھوڑی اوکھی قسم کی ہوتی ہیں۔"

☆☆☆

"مجھے کیا ہوتا جارہا ہے؟ مجھے اس کیفیت سے باہر نکلنا ہوگا، یہ کیسی سوچیں میرے دل میں چھا گئیں ہیں، حمنہ میرے بہترین دوست کی بہن ہے اس ناطے میری بھی بہن ہوئی مگر مجھے تو حمنہ اچھی لگنے لگی ہے۔" دل بولا۔

"نہیں مجھے ایسا نہیں سوچنا چاہیے احمر اور اس کے گھر والوں نے مجھ پر اعتماد کیا ہے اور میں اپنے محسن کے گھر میں نقب لگاؤں یہ مجھے زیب نہیں دیتا، ویسے بھی ابھی میرے گھر والوں کے حالات مجھے سنوارنے ہیں یہ کیا سوچیں میں لے کر بیٹھ گیا۔"

ہم ہیں مشتاق اور وہ ہیں بیزار

یہ مصرع بار بار ذہن میں گردش کیے جارہا تھا، جنید باوجود کوشش کے ان سوچوں سے پیچھا نہ چھڑا سکا اور پھر اس نے دل کی بات مان لی۔

"حمنہ ایک بات کہوں؟" جنید بولا۔

"جی سر!" حمنہ نے پنسل سے کھیلتے ہوئے کہا۔

"تم پر ہر رنگ بہت اچھا لگتا ہے، تم موسم بہار کی طرح کھلی کھلی لگتی ہو، اس رنگ میں۔"

"سر! آپ نے بھی غالب کی طرح شاعری شروع کردی۔" حمنہ نے بے ساختہ جنید کا جملہ اچک لیا۔

"ہم......م......م......تم نہیں سمجھوگی میری کیفیت۔" جنید نے آہ بھری اور سر صوفے کی پشت پہ ٹکادیا۔

جنید کی ایسی ذومعنی گفتگو اور بے چارگی والی کیفیت حمنہ کے لئے بالکل نئی تھی وہ کچھ سمجھی اور ناسمجھی والی کیفیت میں جنید کو دیکھے گئی۔

جنید کو پچھلے چار دن سے بخار تھا اور یہ چار دن حمنہ کے لئے ایک نئی کیفیت کا ادراک لائے تھے، یہ کیسی کیفیت تھی، یہ کیسا احساس تھا حمنہ اس جذبہ کو نام نہیں دے پارہی تھی۔

اداس دل کی ویرانیوں میں
بکھر گئے ہیں خواب سارے
میری بستی سے کون گزرا
نکھر گئے ہیں گلاب سارے
نہ جانے کتنی شکایتیں تھیں
نہ جانے کتنے گلے تھے تم سے
جو تم کو دیکھا تو بھول بیٹھے
سوال سارے جواب سارے

☆☆☆

حمنہ نے آخر اس جذبہ کا نام پالیا اس لمس کا مزہ چکھ لیا، فراق یار سے وصال یار کی کیفیت کا جان غسل لمحہ اس کی زندگی میں آیا، آج جنید پانچ

دن کے بعد حمنہ کے سامنے ڈرائنگ روم میں موجود تھا، حمنہ کا انداز لب ولہجہ سب کچھ ہی ان پانچ دنوں میں بدل چکا تھا، اس کی آنکھوں میں ایک بے خودی کی کیفیت جنید سے ڈھکی چھپی نہ رہ سکی، رخساروں پہ حیا کی لالی، لہجہ میں ٹھہراؤ، کچھ بھی جنید سے چھپ نہ سکا، جس کیفیت کو وہ کئی ماہ سے ظاہر نہ کرسکا تھا یہ نٹ کھٹ سی لڑکی لمحوں میں واضح کرگئی، عورت کی ذات کیسی پرکشش ہے اس کے چہرے کے نقوش ہی اس کے دل کا حال واضح کر دیتے ہیں، نہ زبان کا استعمال کرنا پڑتا ہے نہ لفظوں کا چناؤ۔

اب حمنہ کے لئے جنید اور جنید کے لئے ناگزیر ہوگئے تھے، حمنہ کے امتحانات سر پر تھے، مگر حمنہ تو کسی اور ہی دنیا میں کھوئی رہتی تھی۔

''حمنہ امتحانات کی تیاری کیسی جا رہی ہے؟'' احمر بھائی نے کھانے کی میز پر سوال کیا، حمنہ اس سوال سے ہڑبڑا گئی۔

''جی...... جی...... جی اچھی...... اچھی۔''

''ارے اس میں اتنا گھبرانے کی کیا بات ہے۔'' امی نے کھوجتی نگاہوں سے حمنہ کو گھورا۔

''بھئی امتحانات کی ٹینشن تو حمنہ ہمیشہ سے ہی لیتی رہی ہے اور ویسے بھی یہ بورڈ کے امتحان ہیں، حمنہ کا پریشان ہونا تو ایک فطری عمل ہے۔'' ابو نے حمنہ کی وضاحت دینے سے پہلے ہی بات سنبھال لی، جس پر حمنہ نے شکر کا کلمہ پڑھا۔

☆☆☆

''جنید دیکھیں، اب کچھ امتحان کی تیاری کر لیں، کل ہی بھیا امی اور ابو تیاری کے متعلق استفسار کر رہے تھے، میں تو بہت گھبرا گئی، بڑی مشکل سے بات سنبھالی، اگر امی کو ذرا بھی شک ہوگیا تو ساری ملاقاتیں دھری کی دھری رہ جائیں گئیں۔''

''مگر ڈیئر! ایک گھنٹے میں تمہیں دیکھنے سے ہی میرا جی نہیں بھرتا، پورے تیئس گھنٹے میں اس ایک گھنٹے کے سحر میں مبتلا رہتا ہوں اور ایک گھنٹہ پلک جھپکتے گزر جاتا ہے۔'' حمنہ جنید کی وارفتگی پر شرما کر رہ گئی۔

''مگر جنید، کچھ تو تیاری کرنی ہی پڑے گی حالانکہ میری حالت آپ سے بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔''

''ایک ترکیب آئی ہے ذہن میں، امتحان کے بہانے میں تمہیں دو گھنٹے ٹائم کر دیتا ہوں ایک گھنٹہ ہمارا، ایک گھنٹہ کتابوں کا۔'' جنید کی ترکیب پر حمنہ کھلکھلا اٹھی۔

حمنہ کا یہ کھلکھلانا اور ثمینہ بیگم کا ڈرائنگ روم کے پاس سے گزرنا، ثمینہ بیگم کی دور اندیش نگاہوں کو چونکنا کر گیا۔

''امی وہ سر کل سے دو گھنٹے بیٹھا کریں گے، تیاری بہت باقی ہے اور امتحان سر پر ہیں۔'' حمنہ نے بڑی صفائی سے جھوٹ گڑا، ثمینہ بیگم جانچتی نگاہوں سے بیٹی کو دیکھے گئیں مگر کوئی نتیجہ اخذ نہ کر سکیں۔

''ارشد سنیں، مجھے ایک اندیشہ لاحق ہے۔''

''جی فرمایئے، اب کیا اندیشہ لاحق ہو گیا ہماری بیگم صاحبہ کو۔'' ارشد صاحب شوخی سے بولے۔

''وہ حمنہ اور جنید کچھ زیادہ ہی قریب ہونے لگے ہیں۔'' ثمینہ بیگم کا خدشہ بالآخر زبان پر آ ہی گیا۔

''اوہ...... ہو...... بیگم ایک تو آپ کی شکی طبیعت کسی کو بھی نہیں بخشتی، جنید دیکھا بھالا، گھر کا بچہ ہے، حمنہ کو اتنی محنت سے پڑھا رہا ہے اور حمنہ بھی اس کے پڑھانے سے مطمئن ہے، یہ شک و شبہ اپنے دل سے نکال دیں ایسا کچھ نہیں۔'' ارشد

صاحب نے اپنے تئیں بات یہیں ختم کر دی اور کروٹ بدل کر سوتے بنے، ثمینہ بیگم آہ بھر کر رہ گئیں۔

ڈیٹ شیٹ آ گئی تھی جنید اور حمنہ نے بھی کچھ پڑھنے پڑھانے پر توجہ دینا شروع کر دی تھی، فیل تو ہونا نہیں تھا، مارے بندھے حمنہ کو کچھ نہ کچھ تو تیاری کرنی ہی تھی، آخر اللہ اللہ کر کے فزکس اور میتھس کے امپورٹنٹ سوالات کی جیسے تیسے تیاری کی بقیہ سبجیکٹ بھی کچھ نہ کچھ رٹے اور امتحان کے عفریت کو نپٹایا۔

آج آخری پیپر تھا، حمنہ نے جنید کے ساتھ پہلی بار باہر جانے کا پروگرام بنایا تھا، امی سے سہیلیوں کے ساتھ پارٹی اور گپ شپ کا بہانہ بنا کر دو گھنٹے لیٹ آنے کا کہا، امی بڑی مشکل سے مانیں اور اب حمنہ جنید کے سنگ کافی شاپ میں بیٹھی جنید کی محبت پاش نظروں کے حصار میں تھی۔

''حمنہ میں چند ہی دنوں میں امی سے بات کر کے تمہاری ان مخروطی انگلیوں میں اپنے نام کی انگوٹھی پہنا کر تمہیں ہمیشہ کے لئے اپنا بنا لوں گا۔'' جنید کے ہاتھوں میں اپنے ہاتھ دیتے ہوئے حمنہ کے دل کی کیفیت ہی جدا تھی۔

''حمنہ، جنید تم دونوں یہاں؟'' احمر بھیا کی آواز حمنہ اور جنید کے لئے گویا بم بلاسٹ تھا، ان دونوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ احمر کا یہاں سامنا ہو جائے گا، احمر نے لمحے کے ہزارویں حصہ میں ساری صورتحال سمجھ لی۔

''تم...... تم دوست ہو کر دوست کے گھر میں نقب زنی کرتے رہے، تمہیں شرم نہ آئی، حمنہ کے ساتھ۔'' شدت جذبات سے احمر سے بولا ہی نہ گیا وہ شعلہ بار نگاہوں سے جنید کو گھورتا ہوا، حمنہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے گویا گھسیٹتا ہوا کافی بار سے باہر نکلا، حمنہ خود کو سنبھالتے ہوئے کتنی کرسیوں سے ٹکرائی، احمر بھائی جو اس کی ہلکی سی چوٹ پر تڑپ جایا کرتے تھے، آج کتنی بے رحمی سے بہن کو گھسیٹتے ہوئے پارکنگ ایریا تک آئے تھے، سارا راستہ خاموشی سے کٹا۔

☆☆☆

سارے گھر میں سناٹا چھایا ہوا تھا، چار نفوس ہوتے ہوئے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ گھر میں کوئی موجود ہی نہیں، ہر کوئی ایک دوسرے سے چھپنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''کوچنگ سنٹر میں مرد ٹیچر پڑھاتے ہیں اور وہ زیادہ تر نوجوان ہوتے ہیں۔'' ثمینہ بیگم کے الفاظ ارشد صاحب کے کانوں میں گونجے، ثمینہ بیگم کا اس دن کا شک ان کی کھوجتی نگاہیں سب ایک ایک کر کے ان کو یاد آنے لگیں۔

احمر کو سب سے زیادہ اپنا آپ قصوروار لگ رہا تھا کہ اسی نے جنید پر اعتبار کر کے رہزن کو گھر میں لا بٹھایا اور وہ اس کی بہن اس کی عزت کے ساتھ پیار و محبت کی پینگیں بڑھاتا رہا اور اسے خبر ہی نہ ہوئی۔

ثمینہ بیگم کی ناک کے نیچے سب کچھ ہوتا رہا اور وہ محسوس ہی نہ کر سکیں کہ بات باہر ملاقات تک جا پہنچی۔

''نہ جانے کہاں میری تربیت میں خلا رہ گیا۔'' وہ افسوس سے ہاتھ ملنے لگیں۔

حمنہ تو دو دن سے کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی، ایک وقت تھا حمنہ کے بغیر بھیا اور پاپا کے حلق کے نوالے اٹک جاتے تھے اور اب دو دن سے کسی نے بھی اسے نہیں پکارا تھا۔

''احمر...... احمر...... میری بات تو سنو۔'' جنید نے احمر کو روکنا چاہا مگر احمر تو اس کی شکل دیکھنے کا بھی روادار نہ تھا، آخر کوچنگ کے پارکنگ ایریا میں جنید نے اسے جا لیا۔

''دیکھو احمر میرے اور حمنہ کے درمیان ایسا کچھ نہ تھا جو تم سمجھ رہے ہو ہم دونوں تو ایک دوسرے سے......''

''اسٹاپ اٹ، اپنی گندی زبان سے اب تم میری بہن کا نام بھی مت لینا، تمہیں ٹیوٹر رکھ کر تمہیں رحم کھا کر میں نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی تھی، کاش مجھے علم ہوتا کہ تم...... تم ایسے نکلو گے، کاش میں امی کی دور اندیشی کو سمجھتا، واقعی لڑکیوں کے لئے مرد اساتذہ کی صورت میں آج کے دور میں بہت بڑا فتنہ ہے، لڑکیاں اس جال میں بری طرح الجھ رہی ہیں اور ماں باپ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کیے اپنی معصوم کلیوں کو اس میں الجھنے یا خودکشی جیسے قبیح فعل کا ارتکاب کرتے ہیں تو سر پکڑ روتے ہیں واویلہ کرتے ہیں، کاش ہم اسلام کی حدود و شریعت کو قید و پابندی نہ سمجھیں واقعی ہمارا مذہب ہماری ہر معاملے میں مکمل اور صحیح رہنمائی کرتا ہے مگر ہم لبرل اور ماڈرن بننے کے سحر میں مبتلا ہو کر اپنی نازک اور پھول جیسی بہنوں، بیٹیوں کو جلتے انگاروں میں جھونک دیتے ہیں پھر پھر......'' احمر کی آنکھیں شدت گریہ سے چھلک پڑیں۔

جنید اپنی جگہ ساکت کھڑا احمر کو دیکھے گیا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ گھر کے حالات، بہنوں کی ذمہ داری اور باپ کی بیماری یہ سب ذمہ داریاں اس کے سر پر منڈلا رہی ہیں ان ذمہ داریوں کے سائے میں حمنہ اس کی محبت اس کی طلب سب ایک خواب لگتی ہیں ابھی تو اسے بہت جدوجہد کرنی ہے جس کے لئے حمنہ کو طویل انتظار کرنا پڑے گا، احمر صحیح کہہ رہا تھا، ہم جب اپنے مذہب کی حدود اور قیود کو پار کرتے ہیں تو پھر عزتوں کی دھجیاں بکھیر دیتے ہیں یہ مرد و عورت کا میل ملاپ واقعی آگ ہے عذاب ہے۔

☆☆☆

چھ ماہ کے عرصے میں حمنہ کی شادی کر دی گئی، حمنہ اپنے میاں اجمل کے ساتھ خوش ہے کیونکہ اجمل اسے بہت چاہتا ہے مگر حمنہ اپنی پہلی محبت کے نقش اپنے دل سے نہ کھرچ سکی وہ اجمل کو عزت تو دے سکی مگر محبت نہ دے سکی مگر ایک عزم اس نے اپنے دل میں ضرور کر لیا کہ اگر رب نے اسے بیٹی جیسے نازک آبگینے سے نوازا تو وہ اس آبگینے کی حفاظت اپنی جان سے بڑھ کر کرے گی چاہے اگر پاپا اور احمر بھیا جیسے محبت کرنے والے بھی اس کی آڑ بنے تو بھی وہ اپنی گڑیا کو کبھی مخلوط تعلیمی اداروں یا مرد اساتذہ کے پاس نہیں پڑھائے گی، ورنہ ساری زندگی اذیت بن جاتی ہے جو اگل بھی نہیں سکتے اور نگل بھی نہیں سکتے۔

☆☆☆

نایاب جیلانی

اٹھاسویں قسط کا خلاصہ

کالج میں نومی کا ٹکراؤ شانزے سے ہوتا ہے اور کہانی میں ایک نیا موڑ آتا ہے۔

نیل بر کی بنگلے پہ جانے کی خبر بتو محل کی دیواروں کو ہلا دیتی ہے، نیل بر کا اعتراف محبت صندیر خان کو سنگین فیصلے کی انتہا پہ لے جاتا ہے۔

صندیر خان، سردار بتو کو وارننگ دیتا ہے، بیٹی کو سمجھا لو، ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔

نشرہ ولید کی ''فرمائش'' اور ''بدلاؤ'' پہ تشویش کا شکار ہے۔

اسامہ، ہیام کی امانت لے کر اس کے گھر پہنچتا ہے تو وہاں اس کا بے حد اچھا استقبال ہوتا ہے، اُدھر عشیہ کو دیکھ کر اسامہ کے من کی مراد بر آتی ہے۔

نیل بر، حمت کو ساتھ لے کر سرکاری بنگلے پہ امام فرید سے ملنے کو جاتی ہے امام فرید نیل بر کو دیکھ کر برہمی کا اظہار کرتا ہے، لیکن جب اس کی نگاہ حمت پہ پڑتی ہے تو اس کے تاثرات بدل جاتے ہیں۔

ہیام کو اپنے گھر پیسے بہت ارجنٹ بھجوانے ہیں، سٹرسیہ کے مشورے پہ وہ اسامہ کی خدمات حاصل کرتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھئے

انتسویں قسط
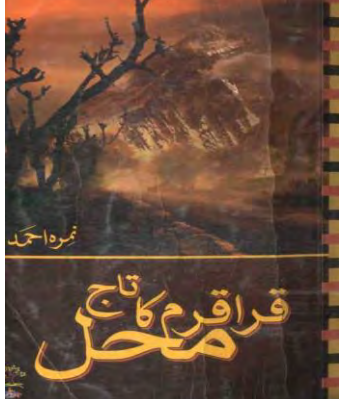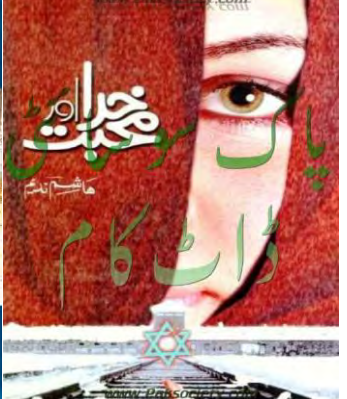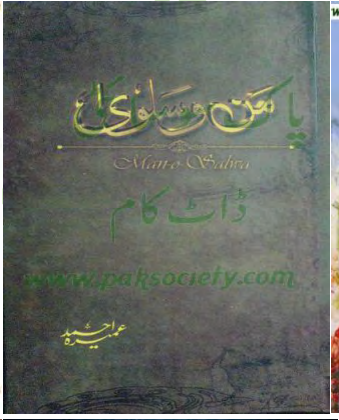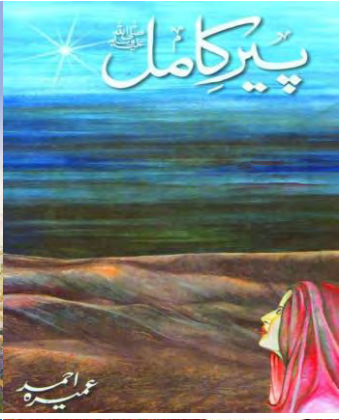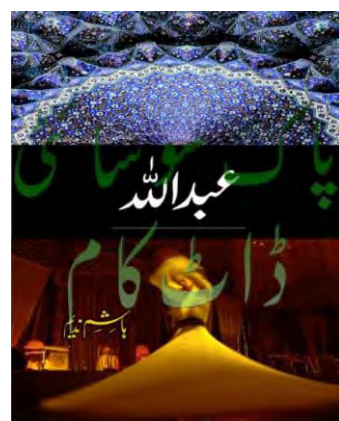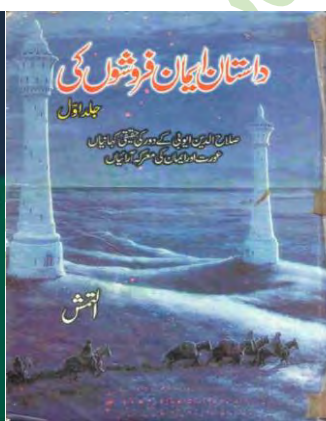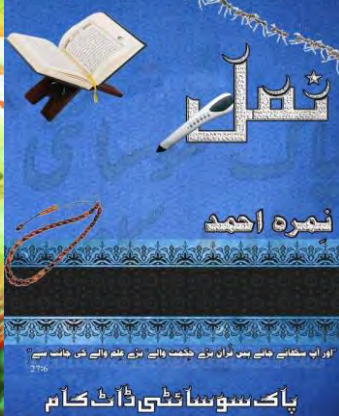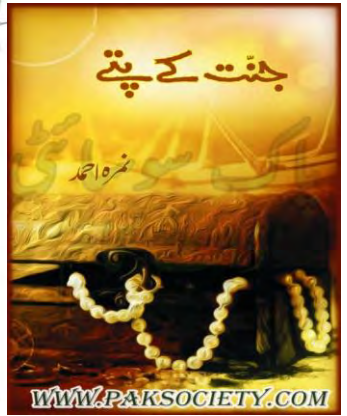
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

نیل بر کو اس گھر میں آ کر دو چیزوں سے واسطہ پڑا تھا، ایک تنہائی اور دوسرا خوف، بے تحاشا خوف، اس نے زندگی میں ایسا خوف کبھی محسوس نہیں کیا تھا جو اس وقت محسوس کر رہی تھی، یہ تو اسے بعد میں پتا چلا تھا، اصل خوف یہ نہیں تھا کہ اس گھر میں وحشت بہت تھی، اصل خوف تو جہاندار کا رویہ تھا، معمول سے ہٹ کر سرد، برف، اکھڑ اور اجنبی۔

وہ پہلے بھی ایسا ہی تھا، نیل بر نے جب سے دیکھا تھا، وہ ایسے ہی تھا، لیکن سفر کے دوران اور ابھی بھی، وہ اتنا پتھریلا اور اجنبی کبھی نہیں رہا تھا۔

نیل بر کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اس کے چہرے کی طرف دیکھ لیتی، اس کا چہرہ اتنا سپاٹ اور پتھریلا تھا جیسے اس چہرے پہ کبھی جذبات کے رنگ اترے ہی نہ ہوں، یہ چہرہ کبھی مسکرایا ہی نہ ہو اور جہاندار بھلا کب مسکراتا تھا، وہ تو مسکراتا ہی نہیں تھا۔

اور اس وقت جبکہ اسے اس عمارت کے اندر پندرہ گھنٹے ہو چکے تھے اور ان پندرہ گھنٹوں میں جہاندار نے اسے ایک مرتبہ بھی نہیں بلایا تھا، بات تک نہیں کی تھی، حتیٰ کہ دیکھا بھی نہیں تھا، گو کہ نیل بر اس سے کسی بھی قسم کے التفات کی امید نہیں رکھتی تھی، پھر بھی جہاندار کی اجنبیت اس کے لئے بڑی پر اذیت تھی۔

وہ اس کی پسند بن کر یہاں نہیں آئی تھی، نہ ہی جہاندار اس کا محبوب تھا، وہ جانتی تھی دونوں طرف مجبوری کا سودا ہے، لیکن مجبوریاں نبھائی بھی تو جاتی ہیں، پھر اس لاتعلقی کا مقصد کیا تھا؟

نیل بر اس کے ساتھ خود چل کر تو نہیں آئی تھی، اس نے رضا مندی دی تو آئی، بابا جان نے اگر جہاندار کو مجبور کیا بھی تھا تو پھر بھی وہ اپنے فیصلوں میں آزاد تھا، ان کی بات نہ مانتا، اس نے نیل بر سے نکاح کیا تھا تو اپنی مرضی سے پھر، یہ اجنبیت لاتعلقی اور بیگانگی کیا معنی رکھتی تھی؟

نیل بر کا سوچ سوچ کر دم گھٹ رہا تھا، موت کا ہوا سر سے اترا تو بہت کچھ دکھائی دینے لگا تھا، اب کم از کم وہ صندیر خان سے تو محفوظ تھی، اب جان جانے کا خوف تو نہیں تھا، گو کہ جو بھی ہوا تھا، اچھا نہیں ہوا تھا، لیکن اب وہ اپنے پھوڑے کی مانند تھکے ہوئے دماغ کو کچھ سکون دینا چاہتی تھی، پھر جانے کب جاندار کے رویئے کو سوچتے سوچتے اسے نیند نے دبوچ لیا تھا، جب وہ صبح اٹھی تو تاریخ اور دن بدل چکا تھا، دھوپ پھیل کر کمروں میں گھس رہی تھی، اس نے گھڑی پہ نگاہ ڈالی تو گھبرا گئی، یہ کڑی دوپہر کا وقت تھا، نیل بر ہراساں سی اٹھ بیٹھی۔

''تو کیا وہ اتنی دیر سوتی رہی تھی؟'' اس نے سر تھام کو خود کو اٹھایا اور واش روم کی تلاش میں باہر نکل آئی، پورا گھر بھاں بھاں کر رہا تھا، نیل بر کے دل میں پنجے مارتا خوف پھیلنے لگا۔

''تو کیا وہ اس حویلی میں بالکل اکیلی تھی؟'' اس خیال نے نیل بر کی جان نکال دی تھی، وہ گھبرا کر ایک ایک کمرہ دیکھتی رہی، ہر طرف دھول تھی، گرد تھی، تنہائی تھی، قدیم اور مختصر فرنیچر گرد سے اٹا پڑا تھا، وہ جو بھی کمرہ کھولتی اندر سے مٹی کا جھونکا برآمد ہوتا، یوں لگ رہا تھا، یہ گھر سالوں سے بند تھا، اسے کسی مکین نے کھولا ہی نہیں، آباد ہی نہیں کیا، نیل بر کو رونا آ گیا، لیکن وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔

وہ اپنے اعتماد اور دلیری کو ہاتھ باندھ کے واپس لانے کی کوشش میں لگ گئی، لیکن نہ اعتماد ہاتھ آرہا تھا نہ دلیری، اس کا دل چاہ رہا تھا وہ اونچی آواز میں چلا چلا کر کہے۔

''کوئی ہے، یہاں کوئی ہے۔''

کچھ دیر بعد وہ اپنے خیال پہ عمل کرتی چلا رہی تھی، اس کا اعتماد، اس کی دلیری، بے خوفی اور تمام تر سرکشی جاتی رہی، ایک خوف کی یلغار کے سامنے نیل بر نے گھٹنے ٹیک دیئے تھے، وہ بڑے سے ہال میں چکراتی پھر رہی تھی، پھر اچانک ہی ہال کا بند دروازہ ٹھک کے ساتھ کچھ اور بند ہو گیا، نیل بر کو یوں لگا جیسے باہر سے کسی نے لاک لگا دیا ہے، نیل بر کی جیسے جان نکل گئی تھی، وہ اونچی آواز میں رونے لگی۔

''کوئی ہے، یہاں کوئی ہے؟'' اس کی بازگشت شاید دور دور تک سنائی دی تھی، تبھی ایک جانی پہچانی سی آواز اس کی سماعتوں کے پردے پھاڑ گئی، یہ آواز کس کی تھی، نیل بر کا دم نکل گیا۔

''بالکل ہے، یہاں فرخزاد ہے، ویلکم ٹو مائی ڈریم لینڈ، اس گھر میں خوش آمدید، یہ فرخزاد کا گھر ہے۔'' کوئی سرسراتی آواز میں کہہ رہا تھا، نیل بر نے اپنے کانوں پہ ہاتھ رکھ لئے، جہاندار اسے بھوتوں اور روحوں کے اڈے میں چھوڑ کر چلا گیا تھا، نیل بر کو یقین آ گیا، نیل بر نے اونچی آواز میں چلانا شروع کر دیا۔

اس نے گھٹنوں میں منہ دیا اور گدلے فرش پہ بیٹھ کر دہاڑیں مار مار کر رونے لگی تھی، اس کے سوا وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی، اسے رونا آ رہا تھا اور وہ اپنے رونے کو کنٹرول کرنے سے قاصر تھی۔

اسے ساری بہادری کے سبق بھول گئے تھے، وہ بڑے مضبوط اعصاب کی مالک تھی، لیکن اس وقت ٹوٹ رہی تھی، ٹوٹتی جا رہی تھی، اس وقت سب سے بڑا احساس تنہائی اور خوف کا تھا اور خوف کے بعد کوئی اور احساس نہیں جاگ سکتا تھا، وہ اکیلی تھی اور بالکل اکیلی تھی، یہ جگہ بھوتوں کا اڈہ یا شاید روحوں کا مسکن تھی، یہ اجاڑ ویران جگہ اور خوفناک قسم کی تنہائی؟ نیل بر سے رونا بھی محال ہو رہا تھا۔

معاً اسے اپنے پیچھے آہٹ سنائی دی تھی اور پھر ایک جانی پہچانی آواز بھی، نیل بر کا کلیجہ منہ کو آنے لگا تھا، اس نے قطعی طور پر مڑ کے دیکھنے کی حاجت محسوس نہیں کی تھی۔

''ابھی سے ہمت توڑ لی ہے نیل بر بٹو، ابھی تو عشق کے مرحلے اور بھی باقی ہیں۔'' وہ دھیمی آواز میں اسے چونکا رہا تھا، نیل بر نے گھٹا گھٹا سانس سینے کی قید سے باہر نکالا، کیا یہ کافی نہیں تھا کہ نیل بر اس وقت اکیلی نہیں تھی، کم از کم وہ پتھر برساتا ہی اس کے قریب تو تھا، ورنہ یہ جان لیوا تنہائی اور خوف اسے نروس بریک ڈاؤن کرنے کے لئے کافی تھا۔

اس نے گھٹنوں سے سر اٹھا کر بھیگی، گیلی وحشت زدہ آنکھوں سے جہاندار کی طرف دیکھا تھا، آنکھوں میں پھیلی دھند نے ہر منظر دھندلا دیئے تھے، کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔

''کس بات پہ روتی ہو؟ زندہ بچ جانے پہ؟ اظہار تشکر کے طور پہ۔'' وہ جیسے اس کی کیفیت سے حظ اٹھا رہا تھا۔

''تمہیں تو شکرانے ادا کرنے چاہیے، لیکن امید نہیں کہ تمہیں شکرانہ ادا کرنا آتا ہو۔''

''کیوں؟ میں مسلمان نہیں ہوں۔'' اس نے چھٹ پڑنے والے انداز میں کہا تھا۔

''آں...... ہاں۔'' وہ بری طرح سے چونکا تھا۔

''تمہیں آداب مسلمانی بجالاتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔''

''تم ہر وقت کیا میرے ساتھ ہوتے تھے؟'' اسے بلا کا غصہ آیا تھا، اپنی موجودہ کیفیت بھول کر وہ ایک دم تیز لہجے میں بولی تھی، پھر اچانک اسے اپنی موجودہ کنڈیشن کا خیال آ گیا تھا، اس کا لہجہ بھی دھیما ہو گیا، جہاندار نے واضح طور پر اس کی بدلتی کیفیت اور لہجے کا اتار چڑھاؤ ملاحظہ کیا تھا۔

''تم بھول بھی گئی؟ میں تمہارا باڈی گارڈ نہیں تھا؟'' اس نے حظ اٹھاتے ہوئے مسکرا کر کہا، نیل بر چپ کی چپ رہ گئی تھی، پھر اس نے سوچا، اگر وہ خاموش رہی تو جہاندار خواہ مخواہ اس پہ چڑھائی کرتا رہے گا، اس نے واضح طور پر جہاندار پہ اپنا سابقہ رعب قائم رکھنے کا خیال پختہ کر لیا تھا۔

پھر نیل بر کو آس پاس کے ڈھول مٹی ماحول کی طرف بھی دھیان آیا، وہ اس کی سلگتی نگاہوں سے بچنے کے لئے بے ساختہ بولی تھی۔

''مجھے اس گرد آلود ماحول میں رہنا ہوگا؟ اتنی گندگی سے مجھے وحشت ہو رہی ہے۔'' اس کی نزاکت پہ جہاندار کو بے ساختہ رشک آیا تھا، کیا کمال کا شاہانہ انداز تھا، جیسے جہاندار اسے بڑے ارمانوں کے ساتھ بیاہ کر لایا تھا۔

''محترمہ! مجھے خبر نہیں تھی، آپ اپنی تمام تر شان و شوکت کے ساتھ میرے غریب خانے کو رونق بخشنے والی ہیں، اگر ایسی کوئی الہامی کیفیت مجھ پہ نازل ہوتی تو میں آپ کے شایان شان ایک شاندار سا خوابناک محل تیار کروا دیتا، جس میں آپ کی شاہی سواری فروکش ہوتی۔'' اس کے گہرے کاٹ دار طنزیہ لہجے نے نیل بر کو منہ بند کر دینے پہ مجبور کر دیا تھا، وہ اندر ہی اندر پشیمان سی ہوئی، وہ کن حالات میں یہاں آئی تھی، اسے جہاندار سے کوئی ڈیمانڈ کرنے کا حق تھا کیا؟

''اور یہ مت بھولنا کہ تم میرے عظیم احسان کی بدولت یہاں آئی ہو، اگر میں تمہارے باپ کی درخواست پہ اپنا آپ پیش نہ کرنے کا ارادہ ظاہر کرتا تو تمہارا ٹھکانہ کم از کم یہاں نہ ہوتا، تم یہ جو سانسیں لے رہی ہو، یہ بھی میری مہربانی کا صدقہ سمجھ لو، ورنہ تمہارا چچیرا بھائی تمہاری ڈھول مٹی اڑا دیتا، اس پہ اس لمحے خون سوار تھا، میرا احسان مانو کہ میں نے تمہیں مرنے سے بچا لیا۔'' وہ بے انتہا نخوت سے اس کی سات نسلوں پہ احسان جتاتا نیل کو اپنی ہی نظر میں گرا رہا تھا۔

وہ شدت خفت اور خجالت کا شکار تھی، کوئی احسان کر کے ایسے بھی جتاتا ہے، اگر اس نے کوئی نیکی کر ہی لی تھی تو کیا نیکی کو اس طرح بے قیمت کیا جاتا ہے؟ شاید جہاندار کے کاغذوں میں نیکی کی اتنی ہی اہمیت تھی۔

''بہرحال...... اس گھر کو اپنی پناہ گاہ سمجھ لو، میں تمہیں یہاں لے کر آیا ہوں، سو تمہاری حفاظت کی ذمہ داری بھی اٹھاتا ہوں۔'' کچھ دیر بعد اسے نے قطعاً الگ موڈ میں بات کی تھی، جانے یہ بھی طنز تھا یا کچھ اور؟

"یہ گھر تمہارا ہے۔" وہ آس پاس کے وحشت ناک سناٹے کو دیکھ کر بے ساختہ بولی تھی۔
"جس کا بھی ہے تمہیں اس سے کیا غرض؟" جہاندار نے روکھے لہجے میں کہا تھا، وہ قدرے خفیف سی ہوگئی تھی، پھر وہ کسی ضروری کال پہ مصروف ہوگیا تھا اور بولتا ہوا باہر نکل گیا، جبکہ نیل بر خالی الذہنی کی کیفیت میں کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی، اسے کیا کرنا چاہیے تھا؟ اس کے دماغ میں بالکل کچھ نہیں آرہا تھا، زندگی اسے ایک عجیب موڑ پر لے آئی تھی، جہاں پہ نہ وہ آگے بڑھ سکتی تھی، نہ پیچھے ہٹ سکتی تھی۔

☆☆☆

بتیس گھنٹے کا یہ جان لیوا انتظار تھا، یوں جیسے زندگی دھیرے دھیرے دغا دیتی ہاتھوں سے پھسلتی جارہی تھی، ایسے لگتا تھا جس غار میں وہ ایک مرتبہ پھر گر چکا ہے یہاں سے نکلنے کی ہر کوشش بیکار تھی، اس کے آس پاس بس اندھیرا تھا، تاریک اور گھور اور اس تاریکی کے پیچھے ایک بھی منظر ایسا نہیں تھا جسے وہ دیکھ سکتا، لیکن اس کی سماعتوں کو بہت ساری آوازیں ڈسٹرب کرتی تھیں، وہ بند آنکھوں کے پیچھے بہت کچھ دیکھتا تھا، رات کے انتہائی پہر آنے والی حمت کی کال کو، وہ کال کسی لڑکی کی نے نہیں کی تھی جو امام نظر انداز کر دیتا، وہ کال حمت نے کی تھی، اس نے امام کو مدد کے لئے پکارا تھا، پھر یہ کیسے ناممکن تھا کہ وہ اس کی مدد کو نہ پہنچتا۔
اس نے حمت کی کیوں مدد کی تھی؟ کس جذبے کے تحت؟ کس لئے وہ اپنی زندگی کو خطرات میں گھیر چکا تھا؟ اسے کچھ یاد نہیں آرہا تھا، بس کہیں لاشعور میں ایک خیال ضرور چمکتا تھا اور کبھی معدوم ہو جاتا، وہ حمت کو انکار نہیں کرسکتا تھا، پتا نہیں کیوں؟ اگر وہ حمت کو انکار کر دیتا تو آج یہاں نہ ہوتا؟ یہاں اس جگہ پہ...... شاید یہ کوئی ہسپتال تھا، اس کے جسم میں چبھتی سوئیوں سے اندازہ ہوتا تھا، یا پھر جسم میں جگہ جگہ سے اٹھتی درد کی لہروں سے، اسے اندازہ ہورہا تھا، وہ شدید زخموں سے چور ہے اور اس پر اندھی گولیوں کی بوچھاڑ کی گئی تھی، اس پہ قاتلانہ حملہ کروایا گیا، اسے جان سے مارنے کی کوشش کی گئی تھی اور یہ سب صندید خان کے علاوہ کون کرسکتا تھا۔
وہ اتنی تکلیف میں تھا، سوان باتوں پہ غور نہیں کرسکتا تھا، لیکن اسے حمت کی فون کال ابھی بھی یاد تھی، اس نے حمت کے لئے خود کو اتنا لاچار کرلیا تھا؟ کون سے جذبے کے تحت؟ کیا اس لئے کہ حمت کی شکل کومے سے ملتی تھی؟ یا پھر اس کے پیچھے کوئی آفاقی جذبہ کارفرما تھا؟ وہ جتنا سوچتا تھا اس کا لاشعور اتنا ہی الجھتا اور کبھی ان باتوں پہ بہت پرانی اور نئی باتیں حاوی ہو جاتی تھیں۔
"اگر جان دوں گا تو جان لوں گا بھی۔" اس کے اپنے کہے الفاظ اس کے اندر نئے نئے درد جگاتے تھے، تو گویا اس کا لاشعور بھی اس بات کو تسلیم کرتا تھا، کہ اس نہ حمت کی بات نہ ٹالنے کے بعد خود کو اس اذیت میں مبتلا کیا تھا اور یہ تکلیف حمت کی التجاء سے زیادہ بڑی نہیں تھی، امام نے جیسے بے بسی کی انتہا پہ سوچا تھا اور پھر ارد گرد سے آتی آوازیں، کبھی خالہ کی، کبھی کومے کی، کبھی ہمان کی اور کبھی شانزے کی سسکاریاں۔
تو وہ سب اس کی تکلیف کی وجہ سے تکلیف میں تھے، کیونکہ وہ اس کے اپنے تھے اور حمت وہ کیوں اس قدر اذیت میں تھی، اس کے لاشعور میں دبی سسکاریاں، اس کی آہیں اور آنسوؤں کی

صورت میں اسے بے قرار کرتی تھیں، تو گویا، وہ حمت کے لئے زندگی کی کشمکش میں مبتلا ہونے کے بعد بھی اپنے جذبوں کی شدت کے سامنے بے بس تھا، آخر یہ اس کے دل کے ساتھ کیا ہوا تھا؟

اور اس پہ سے آگے سوچنا بھی محال تھا، کیونکہ اس سے آگے کہیں تو شانزے کی شکوہ کرتی نگاہوں کی لپک تھی یا پھر حمت کی اونچی حویلی میں روایتوں اور خوفناک رواجوں کی بلند فصلیں کھڑی تھیں، جس کے پار اترنا ممکن ہی نہیں تھا، تو پھر محبت ایسے رستوں کی طرف مجبور کر کے کیوں لے جاتی تھی؟ وہ رستے جن کی کوئی منزل ہی نہیں تھی، شاید اس کے جذبوں میں بحیرہ اسود کی طغیانی جیسی لہر اٹھی تھی جس نے اسے کراہنے پر مجبور کر دیا تھا، آٹھ دن سے اس پہ طاری بے ہوشی کا اثر ٹوٹ گیا تھا۔

اسے کراہتے دیکھ کر نرسیں الرٹ تھیں تو ڈاکٹر بھی اپنا فرض نبھانے بھاگے بھاگے آئے تھے اور اس کے گھر والوں کو تو خوشی کے مارے برا حال تھا، اس کی ماں جیسی خالہ اور بہن بھائی، ماموں کی فیملی، وہ سب کس قدر خوش تھے اور کس قدر شکرانے ادا کر رہے تھے، کیا وہ اپنے پیاروں کی محبتوں کا کوئی بھی قرض ادا کرنے کے قابل تھا؟ کیا اس کی زندگی اتنی بے مول تھی جسے دونوں ہاتھوں سے ضائع کر رہا تھا، اس نے ذہن کو نیم تاریکی میں جانے سے روکا تھا۔

''اگر تم مجھے ایسے ہی پکارو گی تو میں تمہاری مدد کو ضرور پہنچوں گا۔'' وہ اپنے لاشعور سے حمت کے لاشعور تک پیغام دے رہا تھا۔

''اور محبت کبھی قربانی میں دی جانے والی جان کو نہیں دیکھتی، محبت صرف اس جان کو دیکھتی ہے، جس پہ اس نے خود کو وارا ہوتا ہے۔'' اس کی سماعتوں میں ایک آواز اتری تھی اور پھر اجنبی آوازوں کا ایک لامتناہی سلسلہ چل پڑا تھا، جانے وہ کون تھا، جو اسے زخموں سے چور چور دیکھ کر بھینچی آواز میں چلا رہا تھا۔

''اونو...... یہ کوئی مسافر ہے۔'' امام کے بے ہوش ذہن پہ کچھ آوازیں ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھیں، جب وہ زخموں سے چور اپنی جیپ سے باہر کسی کھائی میں گرا پڑا تھا، تب کوئی دو مہربان ہاتھ اس کی مدد کو پہنچے تھے، وہ جو کوئی بھی تھا، رات کے اندھیرے میں ٹارچ کی لائٹ سے کراہوں کی آوازوں کو کھوجتا اس کھائی تک اندھا دھند پہنچ گیا تھا، پھر اس نے امام کی حالت دیکھی اور بے ساختہ چیخ اٹھا تھا۔

''بابا! یہ تو کوئی مسافر ہے اور اس کا وجود گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا ہے، کیا یہ ابھی کچھ دیر پہلے ہونے والی فائرنگ کے نتیجے میں؟'' وہ اسے کھائی میں سے نکالتا تیز لہجے میں قیاس کر رہا تھا، تب کسی بزرگ پٹھان کی آواز اس کے تاریکی کی طرف مائل بہ سفر ہوتے دماغ تک اٹک اٹک کر پہنچی۔

''وہی لگتا ہے، ام کو تو وہی لگتا ہے۔'' بابا نے اس کی بات پہ پورا اتفاق کرتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''پر اس پہ فائرنگ کیوں کروائی گئی؟'' اب کہ پہلے والی آواز ابھری تھی، وہ شدید متفکر اور پریشان لگتا تھا۔

''کہیں چوری اور ڈکیتی کے سلسلے میں تو نہیں۔'' اچانک ہی اسے خیال گزرا تو وہ اوندھی پڑی ٹوٹی پھوٹی جیپ کی طرف تیزی سے بڑھا تھا، جیپ کے سارے ٹائر بلاسٹ تھے اور یوں لگتا تھا جیسے فائرنگ قتل کرنے کے لئے ہی کی گئی تھی، ڈکیتی کے سلسلے میں اتنے بی ایمان انداز میں قتل بنتا نہیں تھا، اس کی تلاشی لینے کے بعد اسے اندازہ ہوا تھا، قاتلوں نے اس کی کسی چیز کو ہاتھ تک نہیں لگایا تھا، حتی کہ موبائل بھی محفوظ تھا، جس پر کسی کی کال بھی آ رہی تھی۔

اس وقت زیادہ ضروری یہ تھا کہ زخمی کو ابتدائی طبی امداد دی جاتی، اس نے بلیڈنگ روکنے کی اپنی سی کوشش کر کے دیکھ لی تھی، یہ کوئی عام معمولی زخم نہیں تھے جو معمولی کوشش سے خون روک دیتے، اس کا وجود کئی جگہوں سے زخمی تھا۔

اس نے بابا کی مدد سے زخمی کو کھائی کے اندر سے تو نکال لیا تھا، لیکن اس کی جیپ اس حالت میں نہیں تھی کہ اس پہ شہر تک کا سفر کیا جاتا، اسے فوری طور پر سواری کا بندوبست کرنا تھا اور جب تک ٹیکسی کا انتظام ہوا تب تک اس نے زخمی کے سارے زخموں کا جائزہ لے لیا تھا، یہ بغیر سرجری کے بھرنے والے زخم نہیں تھے۔

''بابا! یہ ڈکیتی کی واردات نہیں تھی، اسے قتل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔'' اس کا لہجہ تاسف سے بھر گیا تھا، بابا چند پل خاموش رہا، پھر جیسے اٹک اٹک کر بولا تھا۔

''اسے صندیر خان کے بندوں نے مارنے کی کوشش کی ہے۔'' بابا کے انکشاف پہ وہ لمحہ بھر کے لئے بھونچکا رہ گیا تھا، اسے اپنی سماعتوں پہ یقین ہی نہیں آیا تھا۔

''بابا! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ صندیر خان نے اسے کیوں مروایا؟'' اس کا دماغ جیسے گھوم گیا تھا، بابا کے چہرے پہ خوف پھیلنے لگا، وہ یہ بات کر کے اب پچھتا رہا تھا، اسے یہ بات نہیں کرنی چاہیے تھی، اتنے چھوٹے منہ سے اتنی بڑی بات کرنے کی سزا کا اسے اچھی طرح علم تھا۔

''اب چپ کیوں ہو بابا! بولو تو۔'' وہ جھنجھلاہٹ کا شکار ہو گیا تھا، معا اسی پل ٹیکسی بھی پہنچ گئی، انہوں نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ زخمی کو گاڑی کے اندر ڈالا تھا، پھر وہ ایک مرتبہ پھر بابا کی طرف متوجہ ہو گیا، اسے بابا سے کچھ سوال کرتے تھے جو کہ بہت ہی ضروری سوال تھا۔

''اسے مروانے کی کوشش کی تھی؟'' وہ شدید الجھن کا شکار تھا، تب خوفزدہ بابا کے ساتھ ٹیکسی ڈرائیور بھی چونک گیا تھا، اس کے سوالوں پہ ان دونوں کے چہروں پہ عجیب وغریب تاثرات ابھر آئے تھے، جیسے کہہ رہے ہوں ''کیا تم نہیں جانتے؟ کیا تم اتنے بے خبر ہو؟''

''خان! منہ چھوٹا اور بات بہت بڑی ہے، ام ڈریں نہ تو کیا کریں۔'' بابا نے ہچکچاتے ہوئے بالآخر بتانے کے لئے منہ کھولا ہی تھا جب ٹیکسی ڈرائیور بھول اٹھا۔

''خان! ام کو نہیں پتا تھا، تم نے اس کو اٹھوانے کے لئے ام کو بلوایا ہے، ورنہ ام کبھی نہ آتا، ام تو تمہاری ایمرجنسی کا سن کر بھاگا بھاگا چلا آیا۔'' وہ شدید ہیجانی کیفیت میں بول رہا تھا، اب کہ اس کا دماغ واقعی گھوم گیا تھا، اس نے جھنجھلاتے ہوئے زخمی کی زخموں سے چور چہرے کی طرف دیکھا، نقش، یہ چہرہ یہاں کے باسیوں میں سے کسی کا نہیں لگتا تھا، وہ اپنی جسامت اور لباس سے کسی اچھے گھرانے کا فرد لگتا تھا، آخر یہ اجنبی کون تھا؟

"یہ وہی سرکاری آفسر ہے خان! سڑکیں، پل بنوانے والا، علاقے کا بڑا آفسر، اسی نے تو سردار کبیر بٹو کی بیٹی کو اٹھوایا ہے۔" ٹیکسی ڈرائیور کے الفاظ اسے مارے حیرت کے ششدر کر گئے تھے، اسے بے ساختہ جیسے ڈنک لگا تھا، اسے لگا جیسے اسے سننے میں مغالطہ ہوا ہے، وہ ہکا بکا سا رہ گیا تھا، بولنے کے لئے اس کے پاس اب الفاظ ختم ہو چکے تھے۔

"یہ ڈپٹی سروئیر جنرل ہے، وہی جس نے نیل بر کو اٹھوایا؟ اغواء کیا؟ یا نیل بر اس کے ساتھ بھا گی؟" اس کا دماغ جیسے سن ہونے لگا تھا، وہ جیسے سرتاپا مفلوج ہونے لگا تھا۔

سردار کبیر بٹو کی عزت کو بٹہ لگانے والا اس وقت موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھا، وہ شاید آخری گنی چنی سانسیں لے رہا تھا، جب ایک دم ہی اس نے چلا کر کہا۔

"اسے پنڈی کے کسی بڑے ہسپتال لے چلو، اس کی زندگی کا بچنا ضروری ہے، ناؤ ہری اپ ٹیکسی کو تیز چلاؤ۔" اس کے چلانے پہ ڈرائیور کے ہاتھ کپکپا اٹھے تھے، معاً اس نے ٹیکسی کی اسپیڈ کو خطرناک حد تک تیز کر دیا تھا، ٹیکسی طوفان کی طرح سڑک پہ بھاگ رہی تھی، جب بوڑھے بابا کی کپکپاتی آواز سنائی دی تھی۔

"ہیام خان! ایک دفع سوچ لو، تم اس کی مدد کر کے صندیر خان کے غیض کو آواز دے رہے ہو، اگر صندیر خان کو پتا چل گیا، تو اچھا نہ ہوگا، تم اس کی دشمنی کو للکار رہے ہو۔" بابا کی آواز میں تجربوں کی بھاپ اڑ رہی تھی اور اسے اندازہ تھا، اب دشمنی کا رخ کسی اور طرف مڑنے والا تھا، اب طوفان کسی اور طرف اٹھنے والا تھا۔

"اگر انسانیت کے بدلے میں، اگر ایک انسانی جان کو بچانے کے بدلے میں صندیر خان میرا حریف بنتا ہے تو مجھے اس کی دشمنی قبول ہے، اگر ہو سکے تو اسے بتا دو۔" اس کے لہجے میں پتھروں سے سختی اور آندھیوں جیسی تندی تھی، وہ چٹانوں کی طرح اپنے ارادوں میں مضبوط تھا اور اسے ہر صورت اس سرکاری آفسر کو بچانا تھا، چاہے جان جاتی یا کائنات جاتی، جب وہ ٹھان چکا تھا تو بس ٹھان چکا تھا۔

اس نے زخمی سروئیر کا خون آلود موبائل ہاتھ میں پکڑ کر نمبر ملایا اور دوسری طرف فون سننے والے کو امام کی زخمی حالت کی اطلاع دی تھی۔

اور اس وقت امام اسی مہربان انسان کی مہربانی کے طفیل زمین کے اوپر تھا، زمین کے اندر نہیں تھا، ورنہ مارنے والوں نے تو کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، وہ اسے اپنی طرف سے مار کر ہی کھائی میں پھینک کر چلے گئے تھے اور اگر اس وقت ہیام وہاں سے نہ گزر رہا ہوتا تو امام کا کیا بنتا؟ اسے نیم بیہوشی میں بھی اس مہربان کی ملائم آواز سنائی دیتی تھی۔

"اٹھو سروئیر اٹھو، تمہیں ابھی مرنا نہیں، جاگو سروئیر جاگو، تمہیں ابھی سونا نہیں، ایسے ہارتے نہیں، زندگی سے ہارتے نہیں، تمہیں جیتنا ہے، تمہیں ہارنا نہیں، ابھی دیامر کو تمہاری ضرورت ہے، ابھی اس بستی کو تمہاری ضرورت ہے، ان کے سر قلم کرو، ان کو جڑوں سے اکھاڑو، اپنے سارے ترقیاتی منصوبوں کو عملی جامہ پہناؤ، اس نگری کو علم و ہنر سے آراستہ کر دو، سارے ادھورے تعمیراتی منصوبوں کو مکمل کر دو، تمہیں ہار کر نہیں جانا، میں تمہاری جیت کے ساتھ ہوں، صندیر خان اپنی

راجد ھائی میں کسی کی مداخلت نہیں چاہتا، اس نے بڑا جامع منصوبہ بنا کر تمہیں اپنی راہ سے ہٹانے کی کوشش کی ہے، وہ غیرت کو موجب بنا کر تمہیں اپنی راہ سے ہٹانا چاہتا تھا، اس نے تمہیں اور نیل بر کو استعمال کیا ہے اور یہی سچ ہے، یہی حقیقت ہے، اس کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔'' ہیام کو وہ سرگوشیاں ابھی تک اس کے لاشعور میں تازہ تھیں، اسے تب نہیں، اسے اب اندازہ ہو چکا تھا کہ اسے کسی گہری سازش کا شکار کیا گیا ہے، اسے کسی چال میں الجھایا ہے، اسے کسی جال میں پھنسایا ہے۔

☆☆☆

پھپھو کی پراسرار تیاریوں کے ساتھ ہی گھر کا ماحول شدید کثیف تھا، تایا اور چچا الگ پریشان تھے اور تائی الگ ہی غم کو سینے سے لگائے آہیں بھرتی تھیں۔

پھپھو نے جہیز لینے سے انکار کر دیا تھا، آخر سامان رکھتے کہاں؟ اپنا آبائی مکان بیچ کر تو دبئی میں کاروبار بنایا تھا، اب پاکستان میں کوئی ٹھکانہ نہیں تھا، پہلے بھائیوں کے گھر اور پھر وہ ہوٹل میں ٹھہرنے کا ارادہ رکھتی تھیں، ولید کے آنے کے بعد ان کا قیام ہوٹل میں ہونا تھا، تائی نے سنا تو ہکا بکا رہ گئیں۔

''کیا نشرہ کو بیاہ کر ہوٹل میں لے جائیں گے؟'' تائی کو یہ بات قطعی طور پر ہضم نہیں ہو رہی تھی، انہیں بڑا ہی عجیب لگ رہا تھا، کیا یہ ممکن تھا؟ اور کیا یہ اچھا لگتا؟ ساری برادری نے تھو تھو کرنا تھا، فرح سے اتنا نہ ہو سکا کوئی اور ہی بندوبست کر لیتی، انہوں نے صاف صاف شوہر کو سنا دیا تھا۔

''آپ کی بہن کچھ اچھا نہیں کر رہی، بڑی غیر مناسب بات ہے۔'' تائی کا موڈ بگڑا ہوا تھا، تایا اخبار تہہ کرتے چونک گئے تھے، آج بھی وہ ردی میں دینے کے لئے اخبار جمع کر رہے تھے، تائی کی بات سن کر حیرت سے بولے۔

''کیا شادی کرنا بیٹے کی؟'' انہوں نے حیرت کا مظاہرہ کیا تھا، تائی نے اپنا ماتھا پیٹا۔

''ارے نہیں جی، یہ ہوٹل میں ڈولی اٹھا کر جانے والی، حد سی حد ہے، لوگ کتنی باتیں بنائیں گے۔'' انہوں نے بڑی ناگواری سے تایا کو اس نزاکت کی طرف توجہ دلائی تھی، وہ بھی سوچ میں گم ہوئے، بات تو غیر مناسب سی لگتی تھی، لیکن یہ امیروں کا فیشن بھی تو ہو سکتا ہے؟ وہ اسی لئے تھوڑا خاموش تھے۔

''او جی...... کہاں کی امارت؟ دیکھ نہیں لی، آپ نے بہن کی امارت؟ جیسی گھٹیا بری بنا رہی ہے، دانتوں سے پیسہ کھینچ کھینچ کر، اگر کوئی بات کرے تو آگ لگ جاتی ہے، بھلا بتاؤ، اگر ہاتھ تنگ تھا، تو شادی کا شوشا کیوں چھوڑا؟'' تائی تو بھری بیٹھی تھیں، انہیں بولنے کے لئے ایک سامع مل گیا تھا، اب وہ اپنی بھڑاس جی بھر کے نکال سکتی تھیں۔

''فضول خرچی بھی تو گناہ ہے۔'' انہوں نے منمناتی آواز میں کہا تھا، تائی نے ان کو گھور کر دیکھا۔

''ہماری دفع کوئی فضول خرچی نہیں، ہزار دفع باتوں باتوں میں سنا چکی ہے، جہیز جہاز میں نہیں جا سکتا لیکن سونا تو جا سکتا ہے، اکیس تولے سنا رہی ہے، اتنا سونا کیا درختوں پر اگے گا۔'' انہوں نے اپنے جلتے دل کے پھپھولے پھوڑے تھے، تایا بھی تھوڑے پریشان ہوئے تھے۔

"کیا فرح نے تم سے کہا؟" وہ متفکر لہجے میں بولے، کچن میں موجود نشرہ نے ٹونٹی بند کر دی تھی، شاید اس خیال سے کہ اس تک آواز آسانی سے پہنچ جاتی، فرح پھپھو کے خیالات تائی کی زبانی جان کر اس نے اپنے سر کو جھٹکا، وہ وثوق سے کہہ سکتی تھی، تائی اپنے پاس سے تایا کے کان بھر رہی تھیں۔

"سو دفعہ کہا ہے، میں کیا جھوٹ بولوں گی۔" تائی نے برا مان کر کہا۔

"اور دیکھو جی، نئی ڈرامہ بازی، دلہن کو اٹھا کر ہوٹل لے جائیں گے، پوری برادری کی بکواس کون سنے گا۔" تائی کھولتے ہوئے دوبارہ موضوع کی طرف آ گئیں، ادھر نشرہ کے بھی کان کھڑے ہو گئے تھے۔

"میں کہتی ہوں، مہینے دو کے لئے کرائے پہ مکان نہیں مل سکتا، کرائے پہ لیتی مکان، اب بہو کو اٹھا کر ہوٹل لے جائے گی۔" انہوں نے تپ کر کہا تھا، اسی اثناء میں اسامہ بھی سیڑھیاں اترتا نیچے آ گیا، وہ اماں اور باپ کے درمیان ہوتی گفتگو کو سن چکا تھا پھر بھی تائی کا دماغ ٹھنڈا کرنے کی غرض سے بولا۔

"کس کی غیبتیں چل رہی ہیں والدہ محترمہ! نہ اتنے گناہ کمایا کریں۔" اس کے انداز میں ہمدردی تھی اور آنکھوں میں شرارت تھی، یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان کا میٹر اس کی بکواس سے ٹھنڈا نہیں ہوتا، بلکہ اور گرم ہو جاتا ہے۔

"مجھے کیا ضرورت ہے کسی کی غیبت کرنے کی، جو حقیقت تھی وہ بتائی ہے۔" وہ اسے بھی گفتگو میں گھسیٹ لائی تھیں، اسامہ نے کچھ دیر سوچا اور کہا۔

"پہلی مرتبہ آپ سے اختلاف کی بجائے اتفاق کرتا ہوں، دل کو لگتی بات کی ہے آپ نے۔" اسامہ کی حمایت پا کر تو تائی اور بھی شیر ہو گئی تھیں۔

"اب سنبھالو، اپنی پھپھو کو ہمارے خاندان میں ایسے تماشے نہیں ہوتے۔" تائی جلبلا کر گویا ہوئیں۔

"آپ خود ہی طریقے سے بات کر لیتیں، میں نہیں چاہتا، پھپھو سے کوئی تلخ کلامی ہو جائے، یہ جو اڑتی اڑتی افواہیں سن رہا ہوں، یہ ہماری لڑائی کروا کر دم لیں گی۔" اسامہ کے لہجے میں کچھ تو تھا جس نے اسے ٹھٹکا دیا تھا، وہ بری طرح سے ہراساں ہو گئی، جانے اب یہ معاملہ کس کروٹ بیٹھے گا؟ آخر اتنا بڑا ایشو تو نہیں تھا، اگر ولید نے مناسب خیال کیا تھا بھی تو مکان کرائے پہ نہیں لیا، اب یہاں پہ ہر بات کو طول دینے کا رواج تھا، جو کسی طور بھی مناسب نہیں تھا۔

"مجھے تم سے کچھ اور بھی بات کرنا تھی۔" تائی کو معاً خیال آیا تو قدرے پر جوش ہو گئی تھیں، اسامہ کو فرح کے خلاف کرنے کا اس سے اچھا کوئی مناسب موقع نہیں تھا۔

لیکن ان کا خیال اور ارادہ بس ارادہ ہی رہا، کیونکہ ڈور بیل کی آواز کے ساتھ ہی اسامہ جلدی سے اٹھ کر گیٹ کی طرف لپکا تھا، اس کے انداز میں خاصی عجلت تھی اور اس کے الفاظ نے جہاں تائی کو چونکا دیا تھا وہیں نشرہ بھی ٹھٹک گئی۔

"میرا خیال ہے ہیام آ گیا۔" اسامہ کی پر جوش آواز پہ نشرہ کا دل بیٹھ سا گیا، اس کے ہاتھ

کام کرتے ہوئے سست پڑنے لگے تھے، تو وہ آ گیا تھا، اسے آنا ہی تھا، نشرہ کو اس کی باتیں ڈسٹرب کرنے لگیں، اس کی شوخ آنکھیں، اس کے شوخ انداز اس کے فنکارانہ گفتگو اور اس کی جذبے لٹاتی باتیں، کیا یہ ممکن تھا؟ وہ ابھی ہی آتا؟ اس کی شادی کے بعد آ جاتا؟ اسے شادی کے دنوں میں سامنے آ کر ڈسٹرب کرنا ضروری تھا؟

اور کیا وہ ہیام کی دلنشین شکوہ کناں آنکھوں کا سامنا کرنے کے قابل تھی؟ لیکن وہ کیوں اتنی زود و رنج ہو رہی تھی؟ اس نے کون سا اس کے ساتھ پیمان باندھے ہوئے تھے، وہ آتا تھا تو آتا رہے، وہ خود کو بے نیاز کرنے کے گر سکھانے لگی تھی، حالانکہ یہ جانتی تھی کہ ایسا کرنا آسان نہیں تھا اور بالکل بھی آسان نہیں تھا۔

کسی کے جذبوں سے نگاہ چرانا کس قدر دشوار ہوتا ہے کوئی نشرہ کے دل سے پوچھتا تو سہی، اس کا بھرا دل اور بھی بھرنے لگا، ایسے ہی ان دنوں آنسو پلکوں کے کنارے توڑنے پہ بے تاب نظر آتے تھے، دل میں خوشیاں بھرتا کوئی بھی احساس چٹکیاں بھرنے سے قاصر تھا، یوں لگتا تھا جیسے کچھ ہو کر رہے گا، کچھ ایسا جو کبھی بھی اس کی خوش نصیبی کی علامت نہیں ہو سکتا تھا، جانے آنے والے دنوں میں کیا ہونے والا تھا؟

اور باہر گیٹ کی طرف جاتا اسامہ خوشی خوشی گیٹ کھولنے جا رہا تھا، ہیام نے پنڈی پہنچ کے کال کی تھی کہ وہ شام تک پہنچ جائے گا اور اب لگتا تھا کہ وہ شام سے پہلے ہی آ گیا ہے، اس نے جیسے ہی مسکراتے ہوئے گیٹ کھولا سامنے موجود شخصیت کو دیکھ کر اس کے تاثرات بدل گئے تھے، جس کی وہ توقع کر رہا تھا، وہ چہرہ نہیں تھا، لیکن جو چہرہ نظر آ رہا تھا، اس کے لئے خود پہ بشاشت کا خول چڑھا کر مسکرانا بہت ضروری امر تھا، کیونکہ سامنے موجود بندے کے ساتھ اس کی بہن نشرہ کی زندگی جڑنے والی تھی۔

یہ نشرہ کی اب تک کی زندگی میں پہلا خوشگوار ترین موڑ تھا اور اسامہ کی دل سے دعا تھی، اس کی پوری زندگی اسی خوشگوار موڑ کے زیر اثر رہتی، لیکن اسے خبر نہیں تھی کہ بعض دعائیں قبولیت کی معراج تک نہیں پہنچتیں اور کبھی نہیں پہنچتیں۔

☆☆☆

اتنے دنوں کی گھٹن اور حبس کا اختتام اچانک اس خبر سے ہوا تھا جس نے اتنے دنوں سے پورے گھر کو ایک سوگ کی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

امام کا ہوش میں آنا اور تیزی سے روبہ صحت ہونا، ان کی خوش قسمتی نہیں تو اور کیا تھی؟ ادھر پلوشہ کی طبیعت سنبھلتے ہی انہوں نے ہسپتال کے اندر ہی امام سے اپنی پسند کے عہد لینا شروع کر دیئے تھے اور امام ان کے اصرار اور آنسوؤں سے خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔

”میں تمہیں کبھی بھی واپس جانے نہیں دوں گی، تم بھول جاؤ دیامر کو، نوکری سے فارغ کرتے ہیں تو کر دیں، بھاڑ میں جائے ایسی افسری، جس میں زندگی محفوظ نہیں، ایسے علاقوں میں کیوں ٹرانسفر ہونے دیتے ہو، جہاں پہ کوئی قانون ہی نہیں اور نہ کوئی قانون لاگو ہونے دیتا ہے، ایسے علاقوں میں اپنی زندگی کو ارزاں کرنے کی کیا ضرورت ہے؟“ وہ رات گیارہ بجے تک امام کو سمجھاتی

رہی تھیں، در پردہ وہ اس سے وعدہ لے رہی تھیں کہ اسے اب دوبارہ دیا مر نہیں جانے دیں گی، امام بے بس سا ان کی تمام گفتگو کا متن سمجھ رہا تھا۔
''خالہ! اس معاملے کا میری نوکری سے کوئی تعلق نہیں۔'' وہ جانے کتنی ہی مرتبہ انہیں یقین دلا چکا تھا۔
''تعلق کیوں نہیں؟ تمہاری ان سے کون سی دشمنی تھی؟ وہ کون لوگ تھے جنہوں نے اتنے وحشیانہ انداز میں تمہیں زخمی کیا ہے؟'' پلوشہ نے ایک مرتبہ پھر نم ہوتی آنکھوں کے ساتھ پوچھا تھا اور امام اس سوال پہ بے بس ہو جاتا تھا، اسے سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ اس بات پہ کون سا جواز پیش کرے، کافی دیر کی خاموشی کے بعد اسے ایک من گھڑت جواز سوجھ ہی گیا تھا۔
''بتایا تو ہے، وہ کوئی ڈکیتی کی واردات کرنے والا گروہ تھا، اچھی خاصی رقم تھی میرے پاس، سب لے اڑے۔'' وہ شدید ذہنی دباؤ کا شکار دھیمی آواز میں جھوٹ بول رہا تھا، پلوشہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگیں، انہیں بالکل بھی امام کی من گھڑت پہ یقین نہیں آیا تھا۔
''موبائل تو لیا نہیں، والٹ نکال کر لے گئے؟'' پلوشہ نے جتا کر کہا تھا، امام نے گہرا سانس کھینچ کر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا تھا، اب خالہ کو اتنا بہلا بھی نہیں سکتا تھا، وہ انیس سو بیس کی خالہ نہیں تھیں جو باتوں سے ہی بہل جاتیں۔
''موبائل نیچے کہیں گر گیا تھا، ان کی نگاہ نہیں پڑی، ورنہ موبائل سے بھی ہاتھ دھونے پڑتے۔'' امام نے بے بس لہجے میں بے چارگی سے کہا تھا، تب اچانک ہی موبائل پہ مصروف کومے بول اٹھی۔
''خالہ! اب بس بھی کریں نا، بھائی ہمارے پاس ہیں اور ہمیں کیا چاہیے، اب اس خوفناک واقع کو بھولنے بھی دیں۔'' کومے کی مداخلت نے خالہ کو ٹھنڈی آہ بھرنے پہ مجبور کر دیا تھا، جبکہ دوسری طرف امام بہن کو تشکر بھری نگاہوں سے دیکھنے لگا تھا، جس نے اس کی گلو خلاصی کروائی تھی۔
''اس کی زندگی ہمارے لئے بہت قیمتی ہے، میں تم میں سے کسی کو بھی کھونے کا حوصلہ نہیں رکھتی، میں نے بہت کچھ کھونے کا صدمہ اپنی جان پہ برداشت کیا ہے۔'' پلوشہ کی غم آلود آواز ماضی کے گہرے کربناک کسی لمحے کی طرف اشارہ کر رہی تھی، کومے اور امام جانتے تھے، ان کی خالہ کے اندر ماضی کے گہرے زخموں کے نشان تھے، ان کے ادھڑے زخموں کو آج تک کوئی مسیحا نہیں ملا تھا اور پلوشہ ایسی سخت جان بھی کہ اپنے اس بوجھ کو آج تک بٹانے کی کوشش نہیں کی تھی، یہ بوجھ ان کے وجود پہ آج بھی پہلے دن کی طرح رکھا ہوا تھا اور وہ اپنے بچوں کو آج بھی اس خونی رات کا کوئی واقعہ بتانے سے خود کو معذور سمجھتی تھیں، جو ماضی گزر چکا تھا، گزرا ہی رہتا، اس ماضی میں ایسا رکھا ہی کیا تھا جس کے ایک ایک ورق کو کھول کر اپنے بچوں کی زندگیوں کو بوجھل بنا دیتیں، جو بات چھپی ہوئی تھی، چھپی رہتی، جو راز پردوں کے اندر پوشیدہ تھے، اسی طرح پوشیدہ رہتے۔
''خالہ! آپ کی دعائیں میرے ساتھ ہیں، مجھے کسی دشمن کا وار نہیں ڈھا سکتا۔'' وہ انہیں تسلی دے رہا تھا، انہیں مطمئن کر رہا تھا اور پلوشہ بس اسے بے بسی کے ساتھ دیکھ رہی تھیں۔
''ہماری کسی کے ساتھ دشمنی نہیں امام! ایسا لفظ زبان سے مت ادا کیا کرو۔'' پلوشہ نے بے

ساختہ اسے تنبیہ کی تھی، امام گہری سانس بھرتا خاموش ہو گیا۔
معا کومے بھی غیر محسوس طریقے سے روم سے باہر نکل آئی تھی، اس کا سیل بار بار بلنک کر رہا تھا، وہ قدرے گھبرائی کوریڈور میں آ گئی، کال کسی انجان نمبر سے آ رہی تھی، اب وہ کشمکش میں مبتلا تھی کہ کال سنے یا نہ سنے، کچھ دیر بعد اسکرین پہ تاریکی چھا گئی، کومے نے گہرا سانس بھرا تھا، جانے کس کی کال تھی؟ ایک مرتبہ پھر اسکرین بلنک کرنے کے ساتھ ہی اس نے کال پک کرنے کا ارادہ کر لیا تھا، جیسے ہی اس نے کال ریسیو کی دوسری طرف سے آتی آواز کو سن کر اس کا جسم بری طرح سے کپکپا گیا تھا، یہ آواز انجان نہیں تھی، اس آواز کو کومے نے بہت مرتبہ سن رکھا تھا۔
اس کے کالج میں آنے والا یہ مشہور و معروف لینڈ لارڈ بہت دفعہ بطور چیف گیسٹ بلوایا گیا تھا، وہ ان کے کالج کا سب سے بڑا ڈونر تھا، اس کے کالج میں آدھے سے زیادہ سہولیات اسی بندے کی مہیا کی گئی تھیں، وہ خاصی مشہور سماجی شخصیت تھی اور اس وقت کومے کو اس کا فون آنا کوئی معمولی بات نہیں تھی، اس نے کومے کو کال کی تھی؟ کیا کومے اتنی حیثیت رکھتی تھی؟ کیا کومے اتنی اہم تھی، جسے اس نے ابھی تک یاد رکھا ہوا تھا؟ وہ اسے بھولا نہیں تھا، پہلی ملاقات سے لے کر اب تک اور اس وقت کومے کا نمبر بھی اس کے پاس موجود تھا، یعنی اس کی رسائی کومے تک آسان تھی، ناممکن نہیں تھی۔
''کیا مجھے پہچانا نہیں خاتون!'' بڑی شائستگی کے ساتھ سوال کیا گیا تھا، گھبرائی گھبرائی سی کومے جلدی سے ہونٹوں پر زبان پھیر کے بولی تھی۔
''ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ کو پہچانوں نا؟'' اس کے لب و انداز میں ایک خاص قسم کا سرور آ گیا تھا، ایک ایسی شخصیت جس سے آپ مرعوب ہوں، جو آپ پر چھائی ہوئی ہو، جسے دیکھ کر آپ کا دل بے قابو ہو جاتا ہو، وہ بندہ اپنے قیمتی وقت سے آپ کو کال کرے، وقت دے اور حال احوال پوچھ لے تو اس سے بڑی خوش نصیبی کیا ہوتی ہے؟
''پھر تو مجھے خود کو خوش نصیب سمجھ لینا چاہیے۔'' وہ اپنے گہرے گمبھیر لہجے میں بول رہا تھا، اس حال میں کہ کومے کے دل کی دھڑکنیں منتشر ہونے لگی تھیں اور یہ وہ لمحہ تھا، جب وہ پلوشہ کی ساری احتیاط بھری باتوں اور ناراضگی کو بھلا چکی تھی، پلوشہ کا بگڑنا، غصہ کرنا اور اس ایک نام پر ہائپر ہو جانا اس کے ذہن سے تمام باتیں نکل چکی تھیں، سب کچھ پس منظر میں چلا گیا تھا۔
بس یاد تھا تو اتنا کہ دل کے رستے بھگا بھگا کر ایسی منزل کی طرف لے جا رہے تھے جو گہری تاریکی میں ڈوبی تھی اور جس کا کوئی نشان نہیں تھا، وہ ایسی کہانی کا حصہ بننا چاہتی تھی، جس کا کوئی عنوان نہیں تھا۔
''آپ کو ابھی تک اپنی خوش قسمتی پر یقین نہیں آیا؟'' کومے نے بڑی دلفریب بھری ادا سے پوچھا تھا۔
''اب تو آ گیا ہے، پہلے یقین نہیں تھا۔'' اتنا اچھا رسپانس پا کر اس کا موڈ کسی حد تک اعصاب شکن لمحات کے اثر سے نکل کر خوشگوار ہو گیا تھا۔

''مجھے کیسے یاد کرلیا؟ اور نمبر کہاں سے لیا؟'' وہ بڑی اپنائیت سے پوچھ رہی تھی، جیسے اسے برسوں سے جانتی ہو اور برسوں سے ایک دوسرے کے ساتھ روابط رکھے ہوئے ہوں۔
''یاد تو انہیں کیا جاتا ہے جنہیں بھول جائیں اور جہاں تک نمبر کا تعلق ہے، تو یہ کچھ مشکل نہیں۔'' اس نے بڑی ادا سے جتا دیا تھا کہ کومے ابھی سے سمجھ جائے، اس کے ہاتھ بہت لمبے اور پہنچ بہت اوپر تک تھی، کومے تک پہنچنا اس کے لئے مشکل نہیں تھا، وہ اس کے انداز کی گہرائی تک کو نہیں سمجھ سکی تھی، لیکن جب اس نے کومے سے ایک اور سوال کیا، تب وہ حیران ہوتے ہوتے چونک گئی تھی، کیونکہ سوال ہی ایسا تھا۔
''تمہارا بھائی اب خطرے سے باہر ہے۔'' وہ پوچھ رہا تھا یا اطلاع دے رہا تھا، کومے قطعاً سمجھ نہیں پائی تھی۔
''آپ کو میرے بھائی کا پتا ہے؟ مطلب آپ میرے بھائی کو جانتے ہیں؟'' کومے ایک دم بے ربط سی ہوگئی تھی۔
''یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے؟ میں تمہارے بھائی کو جانتا ہوں تبھی تو اس کا حال بتا رہا ہوں۔'' دوسری طرف شاید مسکرایا گیا تھا، جیسے اس کی ناسمجھی پہ مسکراتا ہو۔
''میرے بھائی پہ قاتلانہ حملہ ہوا ہے۔'' کومے نے بھیگی سی آواز میں بتایا تھا۔
''ویری سیڈ...... یہ کس نے کرایا؟'' وہ لمحوں میں انجان بن کر پوچھ رہا تھا، کومے اتنی غیر حاضر دماغ تھی ورنہ اتنا تو پوچھ ہی لیتی، جب سب کچھ جانتے ہو تو حملہ آوروں کے بارے میں بھی معلومات رکھ لیتے۔
''ڈکیتی کی واردات میں۔'' کومے نے دکھی آواز میں بتایا تھا، بھائی کی تکلیف کے احساس سے آنکھوں میں ایک مرتبہ پھر نمی بھرنے لگی تھی۔
''اوہو۔'' دوسری طرف سے ''اوہو'' کو اتنا معنی خیز انداز میں لمبا کھینچا گیا تھا کہ کومے بھی تھوڑا حیران ہوئی، لیکن اس نے کوئی سوال نہیں اٹھایا تھا، اتنی اس کی جرأت ہی نہیں تھی۔
جبکہ دوسری طرف وہ ابھی تک خفیف انداز میں مسکرا رہا تھا، تو گویا اپنے گھر والوں کو اس سرویئر نے یہی کہانی سنا کر مطمئن کیا تھا، جس کا مطلب تھا، ایف آئی آر بھی کسی نامزد ملزم پہ نہیں درج کروائی جانی تھی، اسے ایک طرف سے دلی اطمینان محسوس ہوا تھا۔
''بھائی ہمارے لئے بہت قیمتی ہے، اس کے بغیر ہم کچھ بھی نہیں۔'' کومے نہایت افسردگی بھرے لہجے میں بتا رہی تھی، اس کے لہجے کی شدت سے اندازہ ہوتا تھا، وہ اپنے بھائی کے ساتھ کس قدر اٹیچڈ ہے۔
''تمہارا بھائی ابھی اوپر جانے کا ارادہ نہیں رکھتا، ابھی اس نے ہمارے سینوں پہ اور مونگ دلنا ہے۔'' اس نے دھیمی آواز میں زیر لب بڑبڑا کر کہا تھا، یوں کہ کومے کو اس کی آواز تو سنائی دی تھی، لیکن الفاظ سمجھ نہیں آئے تھے۔
''آپ نے کچھ کہا؟''
''نہیں جی، میری کیا مجال ہے؟'' وہ آرام سے بات بدل گیا تھا، پھر اس نے کچھ دیر بعد

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،
حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ،
سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،

جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

کومے سے عجیب بات کی تھی، بلکہ ایک عجیب فرمائش تھی، کومے چند پل کے لئے تو بالکل ہی چپ کر گئی تھی۔

''کیا ہم مل سکتے ہیں۔'' اس انداز میں استفہام کے ساتھ تحکم بھی تھا، کومے سے کچھ بولا ہی نہیں گیا تھا، وہ کیا جواب دے سکتی تھی؟ ایسے اس سوال کی توقع ہی نہیں تھی، یہ کیسی مشکل فرمائش تھی، وہ کس طرح اس فرمائش پہ عمل کر سکتی تھی؟ اس کے باوجود کومے کی زبان سے سرسراتی آواز میں نکلا تھا، وہ آر یا پار والی سچوئیشن میں پھنس چکی تھی۔

''ٹھیک ہے صندیر خان! میں کالج میں آپ سے مل سکتی ہوں۔'' بالآخر اس نے پار اترنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

☆☆☆

اور بالآخر اس پراسرار حویلی میں پہلی رات جیسے تیسے گزر ہی گئی تھی۔

یہ پہلی رات نہیں تھی بلکہ آئندہ آنے والی راتوں کا ایک ٹریلر تھا، یعنی نیل بر کو جہاندار نے اپنے عمل سے بتا دیا تھا، کہ وہ اس سے زیادہ توقعات نہ رکھے، اسے اپنی اوقات میں رہنا تھا اور ضرورت سے زیادہ امیدیں وابستہ نہیں کرنا تھیں۔

یہ پہلی رات تھی جو نیل بر نے اس بھاں بھاں کرتی حویلی میں فرش پہ سو کر گزاری تھی، فرش یعنی دھول اور مٹی سے اٹا ہوا فرش بستر، جس فرش پہ کئی کئی گنا گرد کی تہیں جمی ہوئی تھیں، جس کی وجہ سے پتا نہیں چلتا تھا کہ اس فرش کا رنگ کیا ہے؟ اور اس رات نیل بر کو اپنی اوقات کا پتہ چل گیا تھا۔

اس وقت وہ ناز و نعم میں پلنے والی کسی سردار کی بیٹی نہیں تھی بلکہ ایک ایسی دھتکاری ہوئی لڑکی تھی جسے اگر جہاندار قبول نہ کرتا تو اسے عمر بھر یا تو کسی بڈھے خان زادے کی چاکری کرنی تھی یا اس کی زندگی کا چراغ گل ہو جانا تھا۔

اور اب وہ ان دونوں صورتوں سے بچالی گئی تھی اور بچانے والا جہاندار تھا، جس نے نیل بر پہ احسان کیا تھا اور اس احسان کو عمر بھر کے لئے نیل بر کے کندھوں پہ لاد دیا گیا تھا، جس کی وجہ سے وہ اف کرنے سے بھی قاصر تھی اور اس صبح کی سویر بہت ملگجی تھی، گندی گندی سی دھول زدہ۔

صبح اٹھتے ہی اسے کھانسی کا شدید دورہ پڑا تھا اور وہ تنہا ہی کھانس کھانس کر نڈھال ہو گئی تھی، پھر وہ پانی کی تلاش میں بھاں بھاں کرتی حویلی میں گھومنے لگی، اسے جلد ہی کچن بھی مل گیا تھا، وہ کچھ جھجکتے ہوئے اندر داخل ہو گئی، یہ ایک وسیع کھانا پکانے والا کمرہ تھا، جس میں ضرورت زندگی کے چند برتن اور کھانے پینے کی چیزوں کے نام پہ سلیب کے اوپر رکھے رس اور بن تھے، سوکھے رس دیکھ کر نیل بر کی بھوک اچانک اس شدت سے بھڑکی تھی کہ وہ ایک ایک قدم بمشکل چل کر اندر آئی۔

ندیدوں کی طرح سلیب کو دیکھتے ہوئے اس نے پانی کا گلاس اٹھایا، اسے رگڑ رگڑ کر دھوتے ہوئے پری گل کو یاد کیا پھر پانی پینے کے بعد دوبارہ سے بن اور رس کے پیکٹ کو دیکھنے لگی، معاً اسے کھٹکے کی آواز سنائی دی تھی، اچانک اپنے سامنے جہاندار کو دیکھ کر وہ ٹھٹک گئی تھی، وہ بھی اس کی نگاہوں کے تعاقب میں سلیب پر رکھی خوراک کو دیکھ چکا تھا، نیل بر کو اپنے ندیدے پن پر بہت

شرمندگی ہوئی تھی۔

''اس محل سرا میں آنا مبارک ہے یا نہیں؟ یہ تو وقت پہ چھوڑ دیتے ہیں، مجھے تم سے دو چار باتیں کرنی ہیں، بہتر ہے وہاں چلتے ہیں۔'' اس نے ہال کی طرف ایک گرد آلود دیوان کی طرف اشارہ کیا تھا، وہ بہت سنجیدہ لگ رہا تھا، نیل بر بھی سنجیدہ ہوگئی، بلکہ پریشان ہوگئی تھی، جانے جہاندار کیا بات کرنا چاہتا تھا؟ وہ کچھ سوچ کر جہاندار کے پیچھے ہی سر جھکائے باہر آگئی تھی، جہاندار اسی دیوان کو جھاڑتا ہوا بیٹھ رہا تھا، نیل بر اس سے کچھ فاصلے پہ کھڑی ہوگئی تھی، جہاندار نے اسے کھڑا دیکھ کر اشارہ کیا تھا۔

''یہاں بیٹھ سکتی ہو۔'' وہ اپنے ساتھ اشارہ کر رہا تھا، نیل بر پہلے تو چونکی تھی، پھر گہرا سانس کھینچ کر چھوٹے قدم اٹھاتی دیوان تک آگئی، پھر اس نے حتی المقدور حد فاصلہ رکھنے کے بعد بیٹھتے ہوئے جہاندار کی طرف دیکھا تھا، جہاندار اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا، وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا، اس کی نگاہیں سامنے دیوار پر جمی تھیں، جہاں پہ ایک گرد آلود جہازی سائز تصویر ٹنگی تھی، اس تصویر میں کون تھا، کچھ بھی واضح نہیں تھا، گرد کی موٹی تہوں کی وجہ سے کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا، نیل بر گہرا سانس بھرتی بیٹھ گئی تھی، کبھی اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ جہاندار کے قریب کبھی اس طرح بیٹھے گی، وہ اس کے اتنا قریب ہوگئی؟ یہ تو بس وقت وقت کی باتیں تھیں۔

''میں نے سوچا، تمہیں اپنے کچھ آدرش بتا دوں، مجبوراً ہی سہی، تم میری زندگی کا حصہ بن چکی ہو، یاد رہے، میں مجبور نہیں تھا، مجبور تم ہوئی تھی، میں تو اپنے ہر فعل اور عمل میں آزاد تھا، اس طرح میں نے تم سے نکاح کا فیصلہ بھی کسی مجبوری میں نہیں کیا، نہ مجھ پہ کسی نے دباؤ ڈالا تھا، اب چونکہ تم میری اس لگی بندھی زندگی کا حصہ بن چکی ہو، سو تمہیں کچھ باتیں بتانا بہت ضروری ہے، میں نے جو بھی کیا، کسی احسان کے تحت نہیں کیا، نہ کسی عشق سے مجبور ہو کر کیا، لیکن ایک بات یاد رکھنا، میرا اس میں مفاد پوشیدہ تھا، میں سمجھ لو تم کہ ایک عظیم مقصد کے لئے زندہ ہوں، میرا اٹھنا، بیٹھنا سوچنا، خواب، خیال صرف ایک مقصد کے گرد گھومتے ہیں، میں اپنے اس مقصد کو حاصل کر کے رہوں گا، زندگی کی آخری سانس تک جنگ لڑوں گا، میری زندگی کی ترجیحات میں شادی، گھر، بچے کہیں بھی نہیں تھے، اب بھی نہیں ہیں، میں نے تمہیں واضح طور پر بتایا کہ میں ایک مقصد کے حصول کی خاطر اب تک اسٹرگل کر رہا ہوں، جس دن میرا مقصد پورا ہوگیا، اس دن تم بھی آزاد ہو جاؤ گی، تم اس وقت تک کے لئے محبوس ہو، یعنی میری پناہ میں قید ہو، میرے پاس سب سے بڑی ذمہ داری ہو، تمہاری حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں، تمہیں تمہاری خواہش کے مطابق آزاد بھی کر دوں گا، تمہاری مدد بھی کروں گا اور تمہیں واپس بھجوانے کے انتظام بھی کروں گا، لیکن اس سے پہلے تم جتنا عرصہ میری تحویل میں ہو، میرے انتقام کا حصہ رہو گی، اس کے بعد ہمارے رستے جدا ہو جائیں گے، اس گھر میں تم آزاد ہو، جو مرضی کرو، لیکن اس کی حدود سے نہیں نکل سکتی، آج کے بعد اس حویلی کا انتظام تم سنبھالو گی، اس حویلی کی صفائی ستھرائی دیکھ بھال اور کھانا پکانا تمہاری ذمہ داری ہے، تمہیں کرنا آئے یا نہ آئے، یہ سب تمہی کو کرنا ہے اور ہر صورت کرنا ہے، اس کے علاوہ تمہاری ذہنی اطمینان کے لئے بتا دیتا ہوں، اس نکاح کے بعد تم صنوبر خان کی حراست سے نکل چکی ہو، اب تمہاری ہر

اچھائی اور برائی کا ذمہ دار میں ہوں، سو اس خوف میں مت رہنا کہ صندیر خان تمہیں قتل کروانے کی کوئی کوشش کرے گا؟ کیونکہ یہ معاہدے کی خلاف ورزی ہو گی، جس کی سزا معمولی نہیں ہے، تم یہاں رہو گی، سب کچھ تمہیں میں مہیا کروں گا، لیکن تم میرے ہر حکم کی پابند ہو گی، کیا تمہیں یہ سب باتیں منظور ہیں؟'' جہاندار ڈھول میں اٹی تصویر پر نگاہ جما کر ایک ایک لفظ کو تول تول کر بول رہا تھا اور نیل بر اس حال میں بیٹھی تھی کہ اس کی زبان گنگ تھی، وہ کسی سوال کی پوزیشن میں ہی نہیں تھی، حالانکہ اس میں اتنی بھی ہمت نہیں تھی کہ صندیر خان سے انتقام کا پس منظر ہی پوچھ لیتی، آخر جہاندار کی بٹو محل والوں سے کیا دشمنی تھی؟

نیل بر کو ان سوالات کے پوچھنے کی اجازت نہیں تھی، وہ لاکھ مغرب زدہ تھی، لیکن اتنا اسے معلوم ہو چکا تھا کہ پربتوں کے رواجوں کو نباہنا اب اس کے لئے ناگزیر ہو چکا ہے، اس کی مجبوری بن چکا ہے، کیونکہ اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا، اس کے علاوہ کوئی جائے پناہ نہیں تھی، سو نیل بر کا سر خود بخود اثبات میں ہل گیا تھا اور جہاندار جانے کیوں پرسکون ہو چکا تھا، ادھر نیل بر کو خبر تھی، اس ٹھکانے کے بعد زندگی بہت محدود ہو جاتی تھی اور خدا کی زمین، وقت اور حالات کی گردش ایک آزمائش بن کر اس پہ اتر چکی تھی۔

جہاندار کے چہرے پہ ایک ناسمجھ میں آنے والا اطمینان پھیل رہا تھا جسے نیل بر کے لئے سمجھنا بہت مشکل تھا، پھر اس نے نیل بر کو مسکراتی نگاہوں سے دیکھا۔

''اب تم اپنے شاہی محل کا جائزہ لے سکتی ہو اور کھانے کے لئے انتظام بھی کر سکتی ہو۔'' جہاندار نیل بر کے اڑی اڑی رنگت والے چہرے کی طرف دیکھ کر مسکرایا تھا، وہاں پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''میں...... کیسے پکاؤں؟'' اس نے ہراساں آواز میں بمشکل کہا تھا۔

''جیسے پکاتے ہیں۔'' جہاندار کو اس کے ہراس نے بڑا ہی لطف دیا تھا، وہ اس کی گھبراہٹ سے مزہ لے رہا تھا۔

''مجھے کچھ بھی نہیں پکانا بنانا آتا۔'' وہ رو دینے کو تھی۔

''تو سیکھ لینا سویٹ ہارٹ، کوکنگ کوئی مشکل نہیں۔'' جہاندار نے اس کا حوصلہ بڑھایا تھا۔

''نہیں آتی۔'' اس نے بے بسی سے کہا تھا، جہاندار کچھ پل کے لئے سوچتا رہا پھر مسکرا دیا تھا۔

''آ جائے گی، نہ بھی آئے تو سکھا دوں گا، لیکن ایک بات تو طے ہے، میں تمہارے باپ کی طرح خانساماں افورڈ نہیں کر سکتا اور خود پکانے سے بھی قاصر ہوں۔'' اس نے تھوڑی سی معذوری دکھائی تھی، وہ قدرے نرم لہجے میں بات کر رہا تھا، اب پہلے جیسا روکھا پن نہیں تھا نہ وہ اجنبیت محسوس ہو رہی تھی، جو تب سے لے کر اب تک رگ و جاں کو خنجر کی طرح کاٹ رہی تھی۔

''میں نے ایسے کام کبھی نہیں کیے۔'' وہ رو دینے کو ہو گئی تھی۔

''تو اب کر لینا، ایک نیا تجربہ ہی سہی۔'' جہاندار اب اپنی جگہ سے اٹھ رہا تھا، نیل بر سے سانس لینا بھی دوبھر ہو گیا، ایک تو گندا ماحول اور دوسرا بھوک کی بڑھتی شوریدہ سری، اس کی تو جان ہی نکل گئی تھی۔

''مگر آج تو۔'' وہ بولتے بولتے بے بسی کے احساس سے رک گئی تھی، جہاندار بھی آگے بڑھتا بڑھتا رک گیا تھا، پھر اس نے نیل بر کے ادھورے جملے سے اپنی پسند کے معنی اخذ کر لئے تھے۔

''ہاں آج تو تمہاری خاطر داری کرنی چاہیے تھی، آج تو تم اس راجدھانی میں مہمان ہو، چلو میں کچھ کرتا ہوں۔'' جہاندار اس لمحے بلا کا مہربان نظر آ رہا تھا، اس مہربانی کی توقع تو ہرگز نہیں تھی، جانے کس طرح اسے نیل بر کی حالت زار پہ ترس آ گیا تھا اور یہ بڑی حیران کن بات تھی، نیل بر کو تو اس مہربانی پہ غش آنے لگا تھا۔

آج تو جہاندار نے اسے واقعی ہی حیران کر دیا تھا، لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ جہاندار کی مہربانیوں کے دورانیے اتنے طویل ہرگز نہیں ہوتے، اسے آنے والے وقت کے لئے خاطر جمع رکھنی چاہیے تھی۔

☆☆☆

بڑے دن بعد اندرونی ماحول کی فضا سازگار نظر آ رہی تھی۔

معمولات زندگی کی شروعات کے ساتھ ہی ہر کوئی مصروف دکھائی دیتا تھا، سباخانہ بھی سوگ کی کیفیت سے باہر آ چکی تھی، گو کہ وہ اب بھی نیل بر کو یاد کرتی تھی لیکن بی جاناں کے سامنے نہیں، وہ اور حمت نیل بر کو دن میں دو تین مرتبہ ضرور ڈسکس کر لیتی تھیں۔

ایک عجیب سا تجسس تھا کہ نیل بر کس حال میں ہوگی؟ جانے جہاندار کا نیل بر کے ساتھ کیسا سلوک ہوگا؟ اس دن بھی حمت سے سباخانہ یہی گفتگو کر کے اٹھی تو حمت کچھ سوچ کر پری گل کو ڈھونڈتی باغیچے میں آ گئی تھی، گل پھولوں کی پتیاں چن رہی تھی، حمت کو آتا دیکھ کر بے ساختہ چونک گئی تھی۔

''کیسی ہو پری گل؟'' حمت نے مسکراتے ہوئے اس کے قریب بیٹھ کر چھیڑا تھا، گل پری کے نام پہ بہت چڑتی تھی۔

''پری گل ہوں بی بی، تم بھول ہی جاتا ہے۔'' اس نے مائنڈ کرتے ہوئے کہا تھا، حمت بدقت مسکرائی، حالانکہ مسکرانے کو ذرا بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔

کافی دیر اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد اچانک حمت نے پری گل سے دھیمی آواز میں کہا۔

''سنو پری گل! کیا تم اپنے بابا سے ملنے نہیں جاتی اب؟'' اس کے بے چین سے لہجے میں بڑی بے قراری تھی، یہ بے قراری کیوں تھی؟ پری گل اس وقت سمجھ نہیں سکی تھی، کچھ دیر بعد سمجھی تھی اور اس کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔

''جاتا ہوں بی بی۔'' پری گل نے سادگی سے بتایا تھا۔

''اچھا۔'' حمت کو جیسے ڈھارس سی ملی تھی۔

''یہ بتاؤ اب سرکار کے بنگلے پہ کوئی نیا آفسر آ گیا ہے، اس کے مرنے کے بعد۔'' اس نے دل پر پتھر رکھ کے بالآخر اس سوال کو پوچھ ہی لیا تھا، جو اس کی زندگی کا سب سے بڑا پچھتاوا تھا، آخر اس نے امام کو اس برزخ میں کیوں پھینکا؟ وہ عمر بھر خود کو معاف نہیں کر سکتی تھی، دوسری طرف پری گل کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔

''حمت بی بی کو کیا ہو گیا؟ یہ صاحب کا پوچھ رہی ہے؟ اسی صاحب کا جس کے پیچھے نیل بر بی بی اس خاندان سے دھتکار کر نکالی گئی؟''

''بتاؤ نا پری گل۔'' حمت کی بے قرار آواز نے پری گل کو ٹھٹکا دیا تھا، پھر وہ جیسے بے ساختہ چونکی تھی۔

''خانہ خراب ہو دشمنوں کا، مارنے کے واسطے آئے تھے، پر جس کو مالک بچا لے، حمت بی بی اسے مرا ہوا تو مت کہو، صاحب تو بچ گیا تھا۔'' پری گل کے الفاظ نہیں تھے، کوئی امرت تھے جو اس کی سماعتوں میں اتر کر اسے نہال کر گئے تھے، حمت کو لگا تھا جیسے اسے ہفت اقلیم کی دولت مل گی ہے، اسے سارے زمانے کی خوشی مل گئی ہے، اس نے مارے جوش کے پری گل کے دونوں گال کھینچ لئے تھے۔

''تیری زبان مبارک ہو پری گل! کیا یہ حقیقت ہے؟ کوئی افواہ تو نہیں۔'' وہ بے ساختہ کسی خدشے کے تحت پوچھ رہی تھی، پری گل نے نفی میں سر ہلایا۔

''امارے بابا کی صاحب سے فون پہ بات ہوئی ہے، صاحب نے کہا، وہ ٹھیک ہے اور ٹھیک ہو کر واپس دیامر آئے گا، اپنے دشمنوں کو ڈھونڈنے اور ان سے بدلہ لینے۔'' پری گل کے اگلے الفاظ حمت کو ہکا بکا کر گئے تھے، اس کا منہ بے ساختہ کھل گیا تھا۔

''وہ دیامر واپس آئے گا؟'' حمت کی جیسے جان نکل گئی تھی، اس کے چہرے پہ ہراس چھا گیا تھا، اس کا رنگ بدل گیا تھا۔

''اس نے بابا کو یہی کہا۔'' پری گل نے زور و شور سے سر ہلایا تھا، جبکہ حمت کی بے جان بت کی طرح زمین پہ ڈھے گئی تھی، اس کا دل اندر تک سے خالی ہو گیا تھا، اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی، یعنی وہ واپس آئے گا، اپنی زندگی کو ایک مرتبہ پھر امتحان میں ڈالنے کے لئے، حمت کو سمجھ نہیں آ رہی تھی، یہ آنسو کہاں سے آ رہے تھے؟ اور کیوں آ رہے تھے؟ وہ اس کے بچ جانے کو خوشی مناتی یا ایک مرتبہ پھر اس کی زندگی خطرات میں گھرتا دیکھ کر غم کرتی، وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی، وہ ان دو کیفیتوں کے درمیان سخت عذاب میں مبتلا تھی۔

اور اسے باغیچے میں گھٹ گھٹ کر روتے سباخانہ نے دیکھ لیا تھا اور اس نے ان دونوں کی گفتگو بھی سن لی تھی۔

اب سباخانہ ایک گہرے دکھ کی لپیٹ میں کھڑی تھی، ستون کے پاس، ساکت اور جامد۔

''یعنی نیل بر کے بعد اب حمت بھی اس راہگزر پہ چلنے کو تیار تھی، جس کے آخری سرے پہ جانے امام اب بھی کھڑا تھا یا نہیں؟''

سباخانہ کی آنکھوں میں ریت بھرتی جا رہی تھی، جس کے اس پار جہاندار بھی کہیں کھڑا تھا یا نہیں؟ اور شاید نہیں۔

اس کا دل اندر تک خالی ہو گیا تھا۔

(جاری ہے)

☆☆☆

ستم گر

نوال احمد

وقار ہاؤس کے درو دیوار کچن سے نکلتی اشتہا انگیز خوشبوؤں سے مہک رہے تھے، وقار الحسن اور بیگم وقار الحسن نے ڈائننگ ہال میں قدم رکھا تو شاندار ناشتے کا اہتمام دیکھ کر خوش ہو گئے، آج ایمان ان کے ساتھ واک پر نہیں گئی تھی، نانا، نانی اور نواسی نماز کے بعد روز قریبی پارک واک کے لئے جاتے، آج سنڈے تھا اور ایمان کا اسپیشل بریک فاسٹ بنانے کا پلان تھا۔

"ارے واہ! آج تو ہماری بیٹی نے دل خوش کر دیا۔" حلوہ پوری اور چنے دیکھ کر ہی ان کا دل خوش ہو گیا تھا۔

"بیرسٹر صاحب! آپ کے لئے نہیں ہے

ناولٹ

یہ سب، آپ بھول گئے ہیں کہ آپ کو ہارٹ پرابلم ہے، آپ اپنا پرہیزی کھانا ہی کھائیں گے۔" حلوہ پوری کی طرف ان کے بڑھتے ہاتھ دیکھ کر بیگم وقار نے انہیں بڑے رعب سے ٹوکا اور حلوے کا ڈونگا لاتی ایمان ہنس دی، وقار الحسن کا رعب ساری دنیا پر چل سکتا تھا لیکن اپنی بیگم پر نہیں، ان دونوں کے درمیان یونہی نوک جھونک جاری رہتی اور ایمان ہنستی رہتی۔

"نانو! آج تو نانا ابو کو چھٹی دے دیں بے چارے دیکھیں کیسے معصوم لگ رہے ہیں۔" کرسی گھسیٹ کر بیٹھتی وہ نانا ابو کی اتری ہوئی شکل دیکھ کر بول اٹھی، اس کی بات پر جہاں نانا ابو کا قہقہہ چھوٹا وہیں نانو بھی کھل کر ہنس دیں۔

"ڈاکٹر ہو کر مریض کو خطرے میں ڈال رہی ہو، پھر کچھ ہوا تو خود ہی سنبھالنا۔" نانا ابو کو مزیدار ناشتے کے ساتھ انصاف کرتا دیکھ کر نانو کی بڑبڑاہٹ عروج پر تھیں۔

"فکر نہ کریں، ناشتے کے فوراً بعد ٹیبلٹ دے دوں گی، نانا ابو آج آپ عیش کریں۔"

"شاباش میری بیٹی! دیکھو اسے کہتے ہیں

رحم دلی، اللہ تمہیں جزا دے۔" وقار الحسن نے پیار سے قریب بیٹھی ایمان کو ساتھ لگاتے ہوئے کہا تو وہ دونوں نانا نواسی، نانو کو گھورتی نظروں سے دیکھتے پا کر اپنی ہنسی کنٹرول کرنے میں ناکام رہے اور ڈائننگ ہال قہقہوں سے گونج اٹھا۔

ایمان کی ہنسی کو بریک دروازے میں کھڑے شخص کو دیکھ کر لگی، ان دونوں نے بھی محسوس کیا، تبھی دروازے میں کھڑے اپنے جوان پوتے پر نظر پڑتے ہی سمجھ گئے۔

"گڈ مارننگ گرینڈ ماما، پاپا!" آگے بڑھ کر وہ بیگم وقار کے برابر والی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"گڈ مارننگ...... مائی سن! آج کیسے صبح صبح اٹھ گئے۔" عام دنوں میں بھی وہ کم ہی ناشتہ کرتا کبھی ایک کپ چائے یا ایک توس یا بوائل ایگ اور ویک اینڈ پر تو اس کی آنکھ بارہ ایک بجے ہی کھلتی تھی۔

"پتا نہیں نیند ہی نہیں آ رہی تھی، صبح بابا کا فون آیا بعد میں نیند ہی نہ آئی۔" گلاس میں جوس ڈالتے وہ عام سے لہجے میں تفصیل بتا رہا تھا۔

"خیر تھی، صبح صبح نعمان کا فون آیا۔" نانو کو فکر ہونے لگی تھی۔

"جی گرینڈ ماں، آفس کا کوئی کام تھا اسی سلسلے میں بابا سے تھوڑی انفرمیشن چاہیے تھی، بابا نے وہی بتانے کے لئے فون کیا تھا۔"

"زاویار! اٹھ گئے ہو تو یار ہمارے ساتھ ناشتہ ہی کر لو۔"

"واؤ آج تو بڑا Dielicious breakfast بنا ہے۔" تین طرح کے حلوے پوریاں اور بھنے ہوئے مصالحہ دار چنے، دیکھ کر بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

"بھئی ہماری بیٹی نے اپنے ہاتھ سے بنائے ہیں، کھا کر دیکھو، بڑا ذائقہ ہے ایمان کے ہاتھ میں۔" وقار صاحب کی بات سن کر زاویار کے بڑھتے ہاتھ تھم گئے، اس نے ایک نظر اپنے سامنے بیٹھی ایمان پر ڈالی جو پلیٹ پر جھکی یوں بے نیاز بیٹھی تھی جیسے اس نے زاویار کی آمد کا نوٹس ہی نہ لیا ہو، زاویار کے چہرے کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

"خان بابا! مجھے ناشتہ بنا دیں۔" بیٹھے بیٹھے اس نے آواز دے ڈالی۔

"میں بنا دیتی ہوں، خان بابا شاید سرونٹ کوارٹر جا چکے ہیں۔" حلق میں پھنسے آنسوؤں کو اندر اتارتے اس نے اٹھتے ہوئے کہا، اس سے بیٹھنا محال ہو گیا تھا جبھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"نو تھینکس، گرینڈ ماں جب خان بابا آئیں گے تو ناشتہ میرے کمرے میں بھجوا دیجئے گا۔" سختی سے کہتے وہ ڈائننگ ہال سے نکل گیا۔

سبکی اور خفت کے احساس سے ایمان دہکنے لگی اور اپنے کمرے میں چل دی، وقار الحسن اور بیگم وقار نے بیک وقت ایک دوسرے کو دیکھا، دونوں کی آنکھوں میں چھا جانے والی اداسی کتنی جان لیوا تھی، بھاری دل لئے وہ خاموش بیٹھے رہے۔

☆☆☆

گیٹ کے قریب گاڑی رکنے کی آواز پر اس نے چونک کر اس جانب دیکھا، فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولتا زاویار باہر نکلا تھا جبکہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی مہک ذوالفقار سٹریٹ لائٹ اور گیٹ کے پلرز پر لگے فانوسوں کی روشنی میں واضح دکھائی دے رہی تھی، گھوم کر زاویار ڈرائیونگ سیٹ کی طرف آ گیا اور گاڑی کے کھلے شیشے سے جھانکتا جھکا ہوا کچھ کہہ رہا تھا، جانے اس نے کیا کہا تھا کہ مہک کھلکھلا اٹھی تھی اور

تھوڑی دیر بعد زاویار گیٹ پار کرتا اندر کی طرف غائب ہو چکا تھا، ٹیرس پر کھڑی ایمان ریلنگ سے ہٹ کر وہ کرسی پر بیٹھ گئی اور بیک سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں، کتنا تکلیف دہ احساس ہوتا ہے کسی اپنے کو کسی اور کے ساتھ دیکھ کر، لیکن وہ اس کا اپنا تھا ہی کب، وہ تو شروع سے مہک ذوالفقار کا دیوانہ تھا، وہ ہی پاگل تھی جو جانے کب سے اسے دل میں بسائے بیٹھی تھی، اسے یاد تھا کہ بچپن میں بھی جب مہک آ جاتی تو وہ ایمان کو یکسر بھول جاتا اور مہک سے کھیلتا، دونوں کرکٹ کھیلتے، ایک دوسرے سے اپنی چھوٹی چھوٹی باتیں شیئر کرتے اور کبھی تو سائیکلنگ کرنے نکل جاتے، کبھی شاید یاد آنے پر زاویار ایمان کو بھی اپنے ساتھ کھیلنے کی آفر دیتا مگر وہ انکار کر دیتی، پھر آہستہ آہستہ وہ خود ہی ان سے دور ہو گئی، نانا ابو اور نانو اسے کہتے کہ وہ زاویار کے ساتھ کھیلا کرے لیکن اسے ان دونوں کا اسے اگنور کرنا یاد آتا تو وہ انکار کر دیتی، پھر تو معمول بن گیا زاویار جب بھی چھٹیاں گزارنے لاہور آتا یا تو مہک ٹپک پڑتی یا زاویار ان کی طرف چلا جاتا، پھر آہستہ آہستہ وقت گزرتا گیا، ایمان نے کتابوں میں پناہ ڈھونڈ لی تھی، ماموں جان کے وقار ہاؤس آنے پر زاویار سے ملاقات ہو جاتی، وہ بہت بڑا اور بہت ہی پیارا ہو گیا تھا، وہ جب بھی ملتے رسمی گفتگو ہی کرتے، زاویار زیادہ تر اس سے پڑھائی کے متعلق ہی دریافت کرتا، ایک دن وہ لان میں بیٹھی رٹے لگانے میں مگن تھی، کسی احساس کے تحت اس نے نظریں اٹھا کر اردگرد دیکھا تو اسے پلر سے ٹیک لگائے کھڑا زاویار جو جانے کب سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اف...... ایسے اردگرد کا ہوش بھلائے پڑھنے میں مگن تھی کہ کوئی آ کر بے شک گھر کا صفایا

کر جائے تمہیں پتا نہ لگتا۔'' مسکرا کر کہتا وہ اس کے قریب ہی گھاس پر بیٹھ گیا، ایمان چپ بیٹھی رہی کیا کہتی بھلا۔

''ویسے تم اچھی خاصی بڑی ہو گئی ہو اور پیاری بھی، کون سی کلاس میں ہو۔'' ناسمجھی سے اسے دیکھتے اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

''سیکنڈ ائیر۔''

''ہوں، آگے کون سی فیلڈ میں جانے کا ارادہ ہے۔''

ان دنوں زاویار انگلینڈ سے تعلیم مکمل کر کے آیا تھا آگے پاکستان سے ہی کرنے کا ارادہ تھا کیونکہ ماموں ممانی اپنی اکیلی اولاد کے لئے اداس ہو جاتے تھے، ان چار سالوں میں وہ جب بھی پاکستان آیا اس کی ایمان سے اتفاقاً کوئی ملاقات نہ ہوئی یا شاید ایمان دانستہ ایسا کرتی تھی۔

''میڈیکل۔'' حیرت زدہ سی وہ صرف اتنا کہہ پائی، جانے کیوں وہ کنفیوز ہو رہی تھی۔

''گڈ...... تو ڈاکٹر بننا ہے، ویسے تم جیسی سوفٹ اور پولائٹ لڑکی کو میڈیکل سوٹ نہیں کرتا ہے۔'' وہ حیران تھی کہ وہ کیسے مزے سے بیٹھا اس سے باتیں کر رہا تھا جبکہ پہلے...... ہاں شاید وہ اب بڑا ہو گیا تھا اور سمجھدار بھی۔

''یار! تم بولتی نہیں ہو، گرینڈ ماں تو کہتی ہیں تم خوب رونق لگاتی ہو گھر میں، کہیں تم مجھ سے بات کرتے کنفیوز تو نہیں ہو رہی؟'' خوبصورت کلیوں والے فراک میں ملبوس، بالوں کی ڈھیلی سی چٹیا کیے وہ بہت سادہ اور خوبصورت لگ رہی تھی، اس کی گندمی رنگت میں بلا کی کشش اور ملائمت تھی، بے اختیار ہی وہ اس کا جائزہ لینے لگا تھا، اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی مہک کی آواز پر دونوں نے بیک وقت اسے چونک کر دیکھا، اسے دیکھتے ہی وہ مسکرا کر اٹھ کھڑا ہوا، جبکہ مہک کی نظروں کی ناگواری محسوس کر کے وہ کتابیں سمیٹ کر اندر چلی گئی۔

''مہک! موڈ کیوں آف ہے؟''

''میرا کیوں آف ہو گا موڈ...... اگر تم بزی نہیں ہو تو لانگ ڈرائیو پر چلیں۔'' اپنے لہجے کو ہموار کرتے اس نے کہا۔

''I am ready As you wish dear۔'' بھرپور دل سے کہتے اس نے کہا تو مہک مسکرا دی۔

''زاویار...... تم ایمان سے کیا باتیں کر رہے تھے۔'' اس کی سوئی وہیں اٹکی تھی، اس کی نظروں سے تو وہ منظر ہی غائب نہ ہو رہا تھا جب زاویار بڑے مگن انداز میں ایمان پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔

''اوہ...... آئی سی، تم میم کا موڈ اس لئے آف تھا۔'' انداز چھیڑنے والا تھا۔

''نہیں جی، ایسی تو کوئی بات نہیں۔''

''ڈئیر! شک کی بو تو آ رہی ہے، ویسے فکر نہ کرو زاویار حسن کے دل میں صرف تمہاری جگہ ہے۔'' وہ مسکرا کر کہتے شرارت سے اس کے قریب ہوا تو مہک نے اسے پیچھے کرتے ہوئے خود سے دور کیا۔

''ڈرائیونگ پر دھیان دو۔''

''ظالم لڑکی! تمہارے ہوتے ہوئے تو کہیں دھیان نہیں جاتا۔'' جان بوجھ کر چھیڑنے کے لئے اس نے کہا تو مہک کا قہقہہ چھوٹ گیا۔

☆☆☆

وقار الحسن اور آمنہ وقار کی دو اولادیں تھیں، سب سے بڑا نعمان، اس سے چھوٹی زرمین، وقار الحسن وکالت کے شعبے سے منسلک تھے اور ہائی کورٹ میں جج تھے جبکہ آمنہ وقار یونیورسٹی میں

پروفیسر تھیں، ان دونوں نے بہت ہی پرسکون اور خوشحال زندگی گزاری تھی، زندگی نے بہت بڑا دکھ یہ دیا کہ ان کی اکلوتی بیٹی ایک کار ایکسیڈنٹ میں اپنے شوہر کے ہمراہ بھری جوانی میں اس دنیا سے رخصت ہوگئی تھی، ایمان تب تین سال کی تھی اور خوش قسمتی سے زرمین اس دن کسی دعوت میں جانے کی غرض سے آمنہ بیگم کے ہاں اسے چھوڑ گئیں تھیں، اس طرح ایمان ان کی گود میں آگئی اور آج تک دونوں میاں بیوی نے اسے بے حد پیار اور دنیا جہاں کی آسائشیں دی تھیں، ایمان کے لئے ماں، باپ، بہن بھائی اور دوستوں جیسے سب رشتے اس ایک رشتے میں قید تھے اس کے نانا ابو اور نانو، جن سے وہ اپنی جان سے زیادہ پیار کرتی تھی۔

نعمان فوج میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھا اور اس کا پیشہ ایسا تھا کہ کبھی کہیں ٹرانسفر اور کبھی کہیں، کافی عرصے سے وہ کراچی میں تھا، نعمان ان کا اکلوتا بیٹا زاویار تھا، چھٹیوں میں وہ لوگ زیادہ تر لاہور آجاتے، زاویار کی خالہ بھی ڈیفنس میں ان کے گھر سے کچھ فاصلے پر ہی رہتیں تھیں، مہک، زاویار کی ہم عمر تھی اور شکل و صورت کے لحاظ سے بہت سوں کو مات دیتی تھی، البتہ بے حد مغرور تھی، ایمان سے تو اسے کوئی خاص پرخاش تھی، زاویار کے حوالے سے اسے ایمان سے ہر وقت خطرہ رہتا تھا، لیکن وہ جانتی تھی کہ زاویار اس میں انٹرسٹڈ ہے اور ایمان سے اسے کوئی کنسرن نہیں۔

☆☆☆

''وقار! مجھے لگتا ہے ہم نے ایمان کے ساتھ زیادتی کردی ہے، زاویار مہک میں انٹرسٹڈ ہے، آپ نے اس دن اس کا رویہ دیکھا تھا۔'' پرسوچ لہجے میں کہتی آمنہ وقار بڑی پریشان اور متفکر دکھ رہی تھیں۔

''آمنہ! تم فکر نہ کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''کیسے ہو جائے گا ٹھیک آج تک تو نہ ہوا، پانچ سال ہونے والے ہیں ان کے نکاح کو لیکن زاویار کا رویہ پہلے سے بھی برا ہوتا جارہا ہے، مجھے نہیں لگتا کہ یہ رشتہ زیادہ دیر چل سکتا ہے، میرا دل بہت پریشان ہوتا ہے۔''

''اس بار نعمان آئے گا تو میں اس سے بات کروں گا، ہمیں اب رخصتی کردینی چاہیے۔'' ان کی بات سن کر وہ حق دق سی انہیں دیکھتی رہ گئیں۔

''وقار! ایک بار پھر سوچ لیں۔'' لیکن وقار الحسن نے ایک بار فیصلہ کرلیا تھا، دروازے سے ہٹ کر ایمان اپنے کمرے میں چلی گئی۔

''نانا ابو! آپ لوگ بہت غلط کرنے جا رہے ہیں۔'' ہاتھوں میں چہرہ لئے وہ روتی چلی گئی، وہ کیسے ایسے شخص کے ساتھ زندگی گزارے گی جس نے ان پانچ سالوں میں ایک بار بھی اس سے سیدھے منہ بات نہ کی تھی، وہ اس کی طرف دیکھنا گوارا نہ کرتا تھا، اس کے ذہن پر تو اس ظالم کے کہے گئے الفاظ نقش تھے۔

وہ میڈیکل کے سیکنڈ ائیر میں تھی جب وقار الحسن کے کسی دوست کی طرف سے ایمان کا رشتہ آیا تھا، انہوں نے اس سلسلے میں نعمان سے بات کی۔

''ابو جی! ایمان ابھی بہت چھوٹی ہے، ابھی کیا جلدی ہے۔''

''بیٹا! ہم چاہتے ہیں کہ ہم جلد از جلد اسے کسی مضبوط بندھن میں باندھ دیں، بیٹا یتیم بچی ہے کل کلاں ہمیں کچھ ہو گیا تو پیچھے اس کا کون ہے۔'' آمنہ بیگم نے رنجیدہ لہجے میں کہا تو کچھ دیر تو سب چپ ہو گئے۔

''بیٹا میری شروع سے خواہش ہے کہ زاویار اور ایمان کا رشتہ جوڑ دیں، تم کیا کہو گے۔''
لیکن افشاں مامی نے زاویار کی پسند کا بہانہ کر کے بڑی سہولت سے انکار کر دیا، وقار الحسن اور آمنہ وقار نے زور نہ دیا اور ایمان کا رشتہ طے کر دیا، لڑکا باہر تعلیم حاصل کرنے گیا تھا، کچھ عرصے بعد لڑکے والوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ان کے بیٹے کو کوئی اور پسند ہے اور وہ یہ شادی نہیں کرنا چاہتا، یہ کوئی چھوٹی موٹی بات نہ تھی جو نظر انداز کر دی جاتی، تب پے در پے وقار الحسن کو دو دفعہ ہارٹ اٹیک ہوا، سارے گھر والے صورتحال سے پریشان تھے، ایمان بھی اس دھچکے سے بری طرح متاثر ہوئی تھی، تب ایک روز نعمان کا ہاتھ تھامے وقار الحسن نے ان سے اپنی ایمان کے لئے بھیک مانگ لی، انہیں اب دنیا سے خوف آتا تھا، جانے کیسے لوگ ملیں۔
''بابا! کیا کہہ رہے ہیں آپ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟'' ان کی بات سن کر زاویار اور افشاں حیران پریشان سے انہیں دیکھنے لگے۔
''بس میں نے کہہ دی، اس جمعے زاویار اور ایمان کے نکاح کی تقریب ہے۔'' ان کا لہجہ دو ٹوک تھا، نعمان صاحب نے جب زاویار سے یہی بات کہی تو اس بات کو سن کر زاویار تڑپ کر بولا۔
''بابا پھر آپ بھی سن لیں میں ایمان سے کبھی بھی شادی نہیں کروں گا، میں مہک کو پسند کرتا ہوں اور اسی سے شادی کروں گا۔''
''زاویار...... میرے بیٹے میری بات سمجھنے کی کوشش کرو، میں ابو جی کے بندھے ہاتھوں کو دیکھ نہیں سکا، دیکھو ایمان یتیم اور بے سہارا ہے اس واقعے کے بعد امی ابو کے خدشات بڑھ گئے ہیں پلیز بیٹا۔'' آخر میں ان کا لہجہ دھیما پڑ گیا۔
''بابا! ہم نے کیا یتیموں کا ٹھیکہ لے رکھا ہے، میں بتا رہا ہوں آپ کو، مجھے ہرگز ایمان سے شادی نہیں کرنی۔'' زہر خند لہجے میں کہتا وہ تن فن کرتا باہر نکل گیا، پھر دادا ابو نے خود اس سے التجاء کی تھی وہ ان کے جڑے ہوئے ہاتھوں کو دیکھ کر ہار گیا، مہک نے سنا تو بھڑک اٹھی۔
''مہک! یہ نکاح صرف کاغذی رشتہ ہے جسے وقت آنے پر مجھے ختم کر دینا ہے۔'' زاویار نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا لیکن وہ چپ نہ رہی اور رونے لگی۔
''زاویار! جھوٹی تسلیاں مت دو، آج تم نے اپنے دادا کے جڑے ہاتھوں کو دیکھ کر نکاح کر لیا، کل رخصتی ہو جائے گی اور پھر ایک دن تمہیں اس سے محبت ہو جائے گی۔''
''ایسا کبھی نہیں ہو گا، تم کل بھی میرے لئے اہم تھی، آج بھی ہو اور ہمیشہ رہو گی، تمہاری جگہ ایمان کبھی نہیں لے سکتی۔'' اس نے یہ بات گزرے پانچ سالوں میں پوری کر دکھائی تھی، ایمان میڈیکل کی ٹف پڑھائی میں گم ہو چکی تھی یا شاید خود کو گم کر لیا تھا، ایک ہی گھر میں رہتے رہتے وہ مہینوں ایک دوسرے کی شکل نہ دیکھ پاتے، زاویار اور مہک نے ایک ساتھ ہی Lums سے ایم بی اے کی ڈگری لی تھی اور اب دونوں ایک ہی ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کر رہے تھے، ایک ساتھ آنا جانا، گھومنا پھرنا ان کے درمیان رشتہ اور مضبوط ہو گیا تھا، وقار الحسن اور آمنہ بیگم سب دیکھتے لیکن چپ رہتے، ان دونوں کے بوڑھے ہاتھ اپنے رب کی بارگاہ میں اپنی بیٹی کی خوشیوں کے لئے اٹھتے تو آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتیں۔

☆☆☆

کس طرح ختم کریں ان سے اپنا رشتہ اے دل نادان
جن کو صرف سوچتے ہیں تو ساری دنیا بھول جاتے ہیں

ماضی کے ورقوں کو پلٹتے اس نے اتنا رو لیا تھا کہ اب بہت ہلکی پھلکی ہو گئی تھی لیکن سر میں ہوتا درد سونے نہیں دے رہا تھا، بالوں کو جوڑے کی شکل میں باندھتے، دوپٹہ اوڑھتی وہ کمرے سے نکل آئی، ارادہ تھا کہ چائے کے ساتھ پین کلر لے لے گی، کپ میں چائے انڈیل کر وہ سنک میں خالی برتن رکھنے کے لئے پلٹی ہی تھی کہ اس کی نظر کچن کے دروازے میں کھڑے زاویار پر پڑی، ایک لمحے کو ان دونوں کی نظریں ملیں اور پھر ایمان نے نظروں کا زاویہ پھیر لیا، اس کی سوجی اور روئی روئی آنکھوں کی سرخی وہ دیکھ چکا تھا، وہ جان گیا تھا کہ وہ ڈھیر سارا روئی ہے، ایک پل کے لئے زاویار کو اپنے رویے پر شرمندگی ہوئی، لیکن اگلے ہی پل ایمان کی بے رخی پر تلملا گیا جواب بھی اسے اگنور کر کے سنک میں کھڑی برتن دھو رہی تھی، جانے زاویار کو کیا سوجھی کہ اس کی چائے کا کپ اٹھا لیا کہاں وہ اس کے ہاتھ سے بنی چیز کھانے کا روادار نہ تھا، شاید اسے زیادہ ہی طلب ہو رہی تھی، وہ مڑی تو اس کے ہاتھ میں اپنا کپ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی۔

''تم اور بنا لو یا یہی چاہیے؟'' سوالیہ نظروں سے دیکھتا وہ کچن کی سلیب سے ٹیک لگائے کھڑا تھا، بلیک ٹی شرٹ اور لائیننگ والے آرام دہ ٹراؤزرز میں بکھرے ہوئے بولوں کے ساتھ بھی وہ اچھا خاصا ڈیشنگ لگ رہا تھا، یک دم ہی چونک کر اس نے نظروں کا زاویہ بدل لیا اپنی بے اختیاری پر اسے شرمندگی ہوئی، جانے کیا سوچتا ہوگا۔

وہ چپ چاپ کچن سے نکل آئی، اسی پل لائٹ چلی گئی، رات کے ڈیڑھ بجے یہ لائٹ جانے کا کون سا وقت تھا، کوفت سے سوچتے وہ انٹرس گیٹ کھولتی باہر نکل آئی، بہت کوشش کے باوجود اس سے جنریٹر آن نہ ہوا جانے کیا مسئلہ تھا۔

''پیچھے ہٹو میں کرتا ہوں۔'' اسے اپنے عقب سے آواز آئی، تو وہ ذرا دور کھڑی ہو گئی، جنریٹر آن کر کے وہ سیدھا ہوا تو بے اختیار ہی اس کی نظر اپنے قریب کھڑی ایمان پر پڑی، جنریٹر آن کرنے کی تگ و دو میں اس کے بالوں کا ڈھیلا سا جوڑا کھل گیا تھا اور لمبے ریشمی کالے سیاہ بال پشت پر بکھر گئے، وائٹ سادہ سے کرتے میں لمبے بالوں میں چھپا اس کا وجود کسی کو پاگل کرنے کی پوری طاقت رکھتا تھا، اس کی نظروں کی گہرائی کو محسوس کر کے ایک پل کے لئے تو وہ گھبرائی لیکن اگلے ہی پل بالوں کو سمیٹتی اندر غائب ہو گئی، یہ سب بے اختیارانہ عمل تھا، وہ بھی انسان تھا سو لمحوں کے اثر سے متاثر ہو گیا تھا لیکن پھر سر جھٹکتا خود کو ملامت کرتا اندر کی جانب بڑھ گیا۔

☆☆☆

''مہک! آج رات کہیں ڈنر کا پلان کریں۔''

''سوری زاویار! آج میں فری نہیں ہوں کچھ کام ہے پھر کبھی کریں گے۔'' اس کی طرف دیکھے بنا اس نے سادہ سے لہجے میں کہا۔

''Mahak! is every thing all right (مہک! کیا سب کچھ ٹھیک ہے؟)''۔

''Yes ofcourse مجھے کیا ہونا ہے، تمہیں زیادہ ہی فیل ہوتا ہے۔'' قدرے ناگواری سے کہتی وہ پھر سے اسکرین کی طرف دیکھتے کچھ ٹائپ کرنے لگی، زاویار کچھ دیر کھڑا رہا پھر اپنے آفس کی طرف بڑھ گیا، کچھ دنوں سے وہ محسوس کر رہا تھا کہ مہک تھوڑی اکھڑی اکھڑی سی ہے اور اسے اگنور کر رہی ہے، اسے وجہ سمجھ نہ آ رہی

تھی، مہک نے اسے جاتے دیکھا اور کچھ سوچ کر ٹچ اسکرین پر کوئی نمبر پریس کرنے لگی۔

''چلیں ٹھیک ہے، پھر رات میں ملیں گے۔'' لمبی گفتگو کے بعد فون رکھنے سے پہلے اس نے کہا اور مسکراتے ہوئے فون بند کر دیا۔

☆☆☆

وہ فری تھا سو اپنے دوست کے بلانے پر اس کے گھر چلا گیا، دوست نے زبردستی کھانے پر روک لیا گھر آتے آتے وہ لیٹ ہو گیا، گھر سے گاڑی تھوڑے فاصلے پر تھی جب اس نے گیٹ کے سامنے کھڑی گاڑی کو دیکھا۔

''تھینک یو سو مچ ڈاکٹر ارسلان!'' ڈرائیور گھر پر نہ تھا اور گاڑی ورک شاپ پر تھی، ہاسپٹل سے فارغ ہوتے ہوتے دیر ہو گئی، وہ ٹیکسی وغیرہ لینے کا سوچ رہی تھی جب ڈاکٹر ارسلان کی آفر پر نا چاہتے ہوئے بھی وہ ان کے ساتھ آ گئی، نانا ابو اور نانو کو فون کر کے وہ بتا چکی تھی۔

''Its my pleasure۔'' اس کے سر جھکا کر کہنے پر وہ مسکرا دی، اس نے اندر آنے کا کہا لیکن ارسلان نے بڑی سہولت سے انکار کر دیا تھا، زاویار کو اس کی مسکراہٹیں اور اس شخص کی ایمان پر پڑی گرم نظروں کی بہار دیکھ کر آگ لگ گئی، وہ ایمان کو ایک دوبار پہلے بھی اس شخص کے ساتھ ریسٹورنٹ میں دیکھ چکا تھا، اسے غصہ آ رہا تھا اور شدید جلن محسوس ہو رہی تھی، کمرے میں چکر لگاتا کچھ سوچ کر وہ باہر نکل آیا، پہلے ہی اس کا دماغ مہک کے رویے سے خراب ہو رہا تھا اوپر سے ایمان کو اس ڈاکٹر کے ساتھ دیکھنا، اس سے ہضم نہ ہو رہا تھا۔

وہ نہا کر نکلی اور کمرے سے نیچے آتے، بالوں کو تولیے سے آزاد کرتی وہ آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی ہی تھی کہ دھڑام سے دروازہ کھلنے کی آواز پر چونک کر دیکھا اور حیرت زدہ رہ گئی زاویار سرخ چہرہ لیے کھڑا تھا، وہ جلدی سے بیڈ پر پڑا دوپٹہ لینے کی غرض سے آگے بڑھی ہی تھی کہ ایک جھٹکے سے زاویار نے اس کا بازو پکڑا، دوپٹہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گیا اور بال کندھے سے ہوتے آگے آ گئے۔

''کون ہے وہ شخص جس کے ساتھ گھومتی پھرتی ہو۔'' الفاظ تھے یا تیر جو وہ اس کے اندر اتار رہا تھا، وہ بمشکل غصہ کنٹرول کر کے بولی۔

''آپ کون ہوتے ہیں مجھ سے سوال جواب کرنے والے اور میں جس مرضی کے ساتھ پھروں آپ کو مسئلہ ہرگز نہیں ہونا چاہیے Its none of your buissness۔''

''جسٹ شٹ اپ...... بیوی ہو تم میری اور میں تم سے پوچھنے کا پورا حق رکھتا ہوں۔'' اس کی بات نے اس کو آگ لگا دی تھی۔

''بہت جلدی یاد آ گیا کہ آپ کی کوئی بیوی بھی ہے ان فیکٹ منکوحہ...... پانچ سال تو یاد نہ رہا۔'' وہ ضبط کی انتہا پار کر چکی تھی، پانچ سال کس صبر سے اس نے گزارے تھے، یہ وہ جانتی تھی کیا اسے مہک کے ساتھ دیکھ کر ایمان کو تکلیف نہیں ہوتی تھی؟ اپنا بازو چھڑاتی وہ دور ہوئی اور دوپٹہ درست کر کے پھیلا لیا۔

''ہاں آئندہ میں تمہیں اس شخص کے ساتھ ہرگز نہ دیکھوں۔'' انگلی اٹھا کر اسے وارن کرتا وہ شدید غصے میں تھا۔

''کیوں مانوں میں آپ کی بات اور اپنا حق جا کر اس مہک پر جتائیں، کچھ نہیں لگتی میں آپ کی اور نہ ہی آپ مجھ پر کوئی حق جتا سکتے ہیں۔'' اسے تو سوچ سوچ کر غصہ آ رہا تھا کہ وہ اس پر شک کر رہا ہے جبکہ ڈاکٹر ارسلان اس کے لیے ایک کولیگ سے زیادہ کچھ نہ تھے۔

''فکر نہ کرو، مہک پر بھی حق جتاؤں گا لیکن تب جب اس نکاح کا پھندا گلے سے آزاد ہوگا، بہتر ہے کہ تم شادی سے انکار کر دو ورنہ مہک سے تو میں ہر صورت شادی کروں گا بے شک تم میری زندگی میں ہو یا نہ ہو۔'' کتنا ظالم تھا اسے ذرا ترس نہیں آیا تھا اس پر کتنی سفاکی سے پانچ سالہ رشتے کو ختم کرنے کی بات کر رہا تھا، وہ خالی خالی نظروں سے اسے جاتا دیکھتی رہی، یک طرفہ محبت کا یہ عذاب اسے جانے کب تک جھیلنا تھا، آنسو اس کی گالوں سے ہوتے دامن میں گرنے لگے۔

☆☆☆

گھر میں شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں، سڑکوں پر بے وجہ گاڑی بھگاتا وہ نہایت مضطرب دکھائی دے رہا تھا، اس کے ذہن میں مہک کے الفاظ سرسرانے لگے۔

''زاویار! ہمارے راستے اب سے جدا ہیں، تم میرے کبھی تھے ہی نہیں، میں بیوقوف تھی جو تمہارے نکاح کے بعد بھی یہی سوچتی تھی کہ میں تمہیں حاصل کرلوں گی لیکن......''

''مہک میں تم سے پیار کرتا ہوں اور صرف تمہیں اپنانا چاہتا ہوں۔'' ٹیبل پر دھرے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے زاویار نے بڑے جذب سے کہا، تو مہک نے تیزی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

''اچھا...... گڈ مسٹر زاویار حسن! اگر آپ مجھ سے پیار کرتے ہیں تو ایمان سے کیوں نکاح کیا تھا اور اب شادی بھی کر رہے ہیں۔'' طنزیہ تلخ لہجے میں کہتی وہ اسے اجنبی لگی تھی، اس سے پہلے کہ وہ جواب میں کچھ کہتا اس کی بات کاٹ کر وہ بول اٹھی۔

''بس آج سے ہم دونوں کا تعلق ایک دوست اور کزنز سے زیادہ کچھ نہیں۔'' اس کی سخت اور ٹھوس باتوں پر زاویار کو اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا۔

''مہک پلیز میری بات سمجھنے کی کوشش کرو، اگر تم کہتی ہو تو میں ایمان کو طلاق دے دیتا ہوں۔''

''پانچ سال میں تو نہ دے سکے، زاویار میں اب تمہاری باتوں میں نہیں آنے والی، پہلے بہت بیوقوف بنی ہوں، گڈ بائے اینڈ بیسٹ آف لک فار یور فیوچر۔'' تیز تیز لہجے میں بولتی وہ ٹک ٹک کرتی ریسٹورنٹ سے باہر نکل گئی، زاویار خالی ہاتھ رہ گیا، اس یہ مہک اس مہک سے بہت مختلف لگی جو ہر صورت اسے اپنانا چاہتی تھی چاہے اس کے لئے اسے دنیا سے لڑنا پڑتا۔

فون کی وائبریشن پر وہ چونکا، جانے کب سے وہ سڑک کنارے گاڑی روکے کھڑا تھا، بابا کا فون آرہا تھا وہ آج ہی لاہور آئے تھے اور اسے موجود نہ پا کر پریشان تھے، ان کو تسلی دے کر فون آف کر کے اس نے ڈیش بورڈ پر پھینک دیا اور گاڑی کا رخ ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی کی طرف موڑ لیا، گھر میں خوب ہلچل تھی، دادا، دادی تو یوں بڑھ چڑھ کے حصہ لے رہے تھے جیسے بالکل جوان ہوں، ایک ہفتہ پہلے ہی وقار ہاؤس کو روشنیوں سے نہلا دیا گیا، وہ چپ چاپ یہ سب دیکھ رہا تھا، بابا نے اسے بٹھا کر کافی دیر تک سمجھایا لیکن وہ غائب دماغی سے بیٹھا رہا اور پھر باہر نکل گیا اور اس کی واپسی پھر رات کے جانے کون سے پہر ہوئی تھی۔

☆☆☆

آج اس کی مہندی کا فنکشن تھا، نارنجی اور زرد کنٹراس کا فراک پہنے اور پھولوں کے زیور سے لدی وہ اس سادگی میں بھی غضب ڈھا رہی تھی، آمنہ بیگم اور وقار الحسن تو خوشی سے پاگل

ہوئے جارہے تھے جو خواہش تھی وہ پوری ہو رہی تھی، آمنہ بیگم نے اسے پیار سے بوسہ دیا اور اس کی نظر اتاری، پھولوں سے سجے جھولے پر بیٹھی اس کی نظروں نے اس مجمع میں اس ستم گر کو تلاشا لیکن وہ ہوتا تو نظر آتا، سارے فنکشن کے دوران سب نے اسے کالز کیں لیکن اس کا فون مسلسل آف جارہا تھا۔

رات کے دو بج رہے تھے وہ جسمانی اور ذہنی تھکاوٹ سے چور سونے کے لئے لیٹی ہی تھی کہ گاڑی کی آواز سن کر ننگے پاؤں بھاگ کر بالکونی میں آگئی، زاویار نے گاڑی لاک کر کے اندر جانے سے پہلے ایک نظر لان پر ڈالی جہاں مہندی کے فنکشن کے آثار تھے، پاس پڑی کرسی کو غصے سے ٹھوکر مارتا وہ اندر کی طرف بڑھ گیا، ایمان نے دیکھا اور گہری سانس خارج کرتے اندر آ گئی، اس کے اندر کی گھٹن بڑھنے لگی تھی، کچھ سوچ کر وہ واش روم میں گھس گئی، تھوڑی دیر بعد وضو کر کے باہر نکلی اور جائے نماز بچھا کر اپنے رب کے حضور گڑگڑانے لگی۔

''یا اللہ...... یارب العالمین...... اگر تو نے اس شخص کو میرا نصیب بنایا ہے تو اس کی محبت بھی مجھے نصیب کر۔'' آنسو لڑیوں کی مانند اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے، ہاتھ اٹھائے وہ جانے کب تک التجائیں کرتی رہی، رات کے اس پہر پرسکون فضا میں اس کی سسکیاں گونجتی محسوس ہو رہی تھیں۔

☆☆☆

ٹھنڈے پڑتے وجود کے ساتھ وہ حسن کے تمام آلات سے مزین زاویار کے کمرے میں موجود تھی، نانا ابو اور نانو تھوڑی دیر پہلے ہی اس کے پاس سے اٹھ کر باہر گئے تھے، ان کے پاس اس کو دینے کے لئے دعاؤں کے سوا کچھ نہ تھا، کچھ دیر بعد دروازہ کھلنے اور پھر بند ہونے کی آواز آئی تو ایمان کو اپنا دل مٹھیوں میں دھڑکتا محسوس ہوا، شیروانی کو اتار کر صوفے پر پھینکتے اس نے ایک نظر بیڈ کے عین وسط میں سر جھکائے بیٹھی ایمان کو دیکھا تو زاویار کو ایک بار اپنا خسارہ یاد آ گیا، غصے اور بے بسی کی شدید کیفیت اس پر طاری تھی، جانے کیوں وہ اس پل خود پر کنٹرول نہ رکھ پایا اور جھٹکنے کے انداز میں اس کا بازو کھینچتے اسے بیڈ سے اتار دیا، ایمان اس اچانک افتاد کے لئے تیار نہ تھی، جبھی بمشکل سنبھلی۔

''جس جگہ تم بیٹھی تھی نا یہ تمہارے لئے نہیں تھی، یہاں پر میں نے ہمیشہ مہک کو ہی دیکھا اور محسوس کیا، صرف اور صرف تمہاری وجہ سے میں نے اپنی محبت کو کھو دیا۔'' وہ چیخ ہی تو پڑا تھا، ایمان کو اپنے پورے وجود میں کرچیوں کی چبھن محسوس ہونے لگی، اسے اپنے قدموں پر کھڑا رہنا مشکل لگا۔

''دفع ہو جاؤ یہاں سے، نفرت ہے مجھے تمہارے وجود سے سخت نفرت۔'' خود پر کنٹرول کرتا وہ چیخ پڑا، ایمان تیزی سے ڈریسنگ میں گھس گئی، گھنٹے کے بعد جب وہ باہر نکلی تو وہ کمرے میں نہ تھا، اس کے الفاظ تھے یا کوڑے، اسے ذرا خیال نہ آیا کہ پہلی رات ہی اس نے اس کی اہمیت جتا دی تھی، ایمان کا وجود اس کی زندگی میں زبردستی تھوپی ہوئی چیز سے زیادہ کچھ نہ تھا، صوفے پر لیٹے اس نے خالی بیڈ کو دیکھا تو اس کے ذہن میں وہی الفاظ دہرانے لگے۔

''میں نے اس جگہ ہمیشہ مہک کو دیکھا اور محسوس کیا ہے۔'' کتنی گہری ضرب دی تھی اس نے، کشن میں منہ چھپا کر وہ سسک سسک کر رو دی، اب رونا ہی اس کا مقدر تھا۔

☆☆☆

دن بے کیف اور راتیں بے سرور سی گزرنے لگی تھیں، شادی کے ہنگاموں کے بعد گھر میں ایک بار پھر خاموشی کا راج تھا۔

گیراج میں گاڑی کھڑی کر کے وہ اندر کی طرف بڑھ گیا، پورا گھر سائیں سائیں کر رہا تھا، وقار الحسن اور بیگم وقار اپنے کسی دوست کے ہاں گئے تھے، نعمان اور افشاں واپس کراچی جا چکے تھے، نعمان کی پشاور پوسٹنگ ہو رہی تھی، افشاں کا ارادہ وہاں جانے کا نہیں تھا، وہ لاہور مستقل آنے کا ارادہ رکھتی تھیں، صبح کا نکلا زاویار رات گئے واپس آتا تو لاؤنج میں ایمان کو انتظار کرتے پاتا، وہ اسے کھانا دینے کے لئے بیٹھی رہتی۔

کھانے کا پوچھنے پر زاویار بڑی کاٹ دار نظروں سے اسے دیکھتا اور کچھ بھی جواب دیے بنا سیڑھیاں عبور کرتا کمرے میں چلا جاتا، ایمان نے صبر کا چولا پہننے کا جو فیصلہ کیا تھا اس پر قائم تھی، اسے اپنے تمام فرائض یاد تھے، آج وہ خلاف معمول جلدی آ گیا تھا، پورا گھر خالی تھا، اس نے کمرے میں دیکھا ایمان بھی کہیں موجود نہ تھی۔

''خان بابا!'' وہ اوپر سے ہی انہیں آوازیں دینے لگا، اس کے چیخنے پر خان بابا دوڑے چلے آئے۔

''خان بابا! کہاں ہیں سب؟''

''بیٹا وہ صاحب جی اور بی بی تو اپنے کسی دوست کے ہاں گئے ہیں اور ایمان بیٹی تو ابھی ہسپتال سے ہی نہیں آئی۔''

''واٹ؟ ایمان ہاسپٹل گئی ہے۔'' وہ جانے پوچھ رہا تھا یا خود کو یقین دلا رہا تھا۔

''جی بیٹا وہ تو روز ہی جاتی ہیں۔'' خان بابا نے بڑی حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھا، زاویار بھی دیکھ چکا تھا جبھی انہیں کافی کا کہتا کمرے میں آ گیا، اسے ہوش ہی کہاں تھی کہ گھر میں کیا ہو رہا ہے۔

''خان بابا! ایک کپ سٹرونگ سی چائے تو کمرے میں بھیج دیں۔'' کچن سے آتی کھٹ پٹ کی آوازیں سن کر اس نے اوپر جاتے جاتے ہی انہیں بلند آواز سے کہا اور کمرے میں آ گئی، بیگ اور اوور آل کو صوفے پر پھینکا، پنکھے کو فل سپیڈ آن کر کے دوپٹے کو لاپرواہی سے بیڈ پر پھینکتی وہ بیڈ کے کنارے ٹک گئی، سینڈلز سے پاؤں آزاد کرتی وہ سیدھی ہوئی ہی تھی کہ اس کی نظر اچانک ٹیرس میں کھلنے والے دروازے پر پڑی۔

کافی کے چھوٹے چھوٹے سپ لیتا وہ بڑی گہری نظروں سے اسے گھور رہا تھا، وہ گھبرا کر سیدھی ہوئی، وہ اسے اس وقت دیکھ کر واقعی میں حیران رہ گئی تھی کیونکہ کافی عرصے سے اس نے لیٹ نائٹ آنے کی روٹین بنا لی تھی، تبھی وہ بے خبر تھا کہ ایمان ہاسپٹل باقاعدگی سے جا رہی تھی، کافی کا مگ ٹیبل پر رکھ کر وہ اس کے قریب آ کھڑا ہوا، اس کی نظروں سے ایمان کو الجھن ہونے لگی تھی، وہ نہ تو آگے بڑھ کے دوپٹہ اٹھانے کے قابل تھی اور نہ ہی یوں کھڑی رہ سکتی تھی، سائیڈ سے ہو کر وہ نکلنے ہی والی تھی کہ زاویار نے سختی سے اس کی کلائی تھام لی۔

''میرے قریب آنے سے ہی تمہیں گھبراہٹ ہونے لگتی ہے، جبکہ میں تمہارا شوہر ہوں اور جس کے ساتھ دن دہاڑے گھومتی پھرتی ہو تب تو شرم نہیں آتی۔'' ایمان نے بڑے افسوس سے اس کو دیکھا، وہ اتنی گری ہوئی بات کرے گا اس نے سوچا تک نہ تھا۔

''آپ کو شرم آنی چاہیے اپنی بیوی کے بارے میں ایسی بات کرتے ہوئے۔'' طنزیہ لہجے میں کہتے اس نے بڑے ضبط سے کہا تو زاویار نے ایک زوردار تھپڑ اس کے گال پر دے مارا، وہ جھٹکے

سے بیڈ پر جاگری، آنسو آنکھوں کی سرحد پار کر کے چہرے کو بھگونے لگے۔

"ایک گاڑی آپ لے کر گئے تھے جبکہ دوسری گاڑی نانو لوگ، ڈرائیور کال پک نہیں کر رہا تھا، ڈاکٹر ارسلان کا روٹ یہی تھا ان کے اصرار پر میں ان کے ساتھ آگئی، زاویار اپنی سوچ ٹھیک کریں، اپنی بیوی پر ہاتھ اٹھاتے آپ کی غیرت کہاں چلی گئی۔" روتے روتے وہ چیخ پڑی۔

"جسٹ شٹ اپ، میں مر تو نہیں گیا تھا جو تم مجھے فون نہ کر سکی اور ہاں آج کے بعد تم جاب پر نہیں جاؤ گی بس بہت کر لیا شوق پورا۔" اس کی آخری بات پر وہ رونا بھول کر اسے دیکھتی رہ گئی، وہ کیسے ایسا کر سکتا تھا جبکہ وہ جانتا تھا کہ یہ اس کا پیشہ ہی نہیں اس کا شوق بھی تھا، زور سے دروازہ بند کرتا وہ باہر نکل گیا، ہاتھوں میں چہرہ چھپا کے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی، جانے اس شخص کے ستم ختم ہونے بھی تھے یا نہیں۔

☆☆☆

ان دونوں کے درمیان پہلے جو تھوڑی بہت بول چال تھی وہ بند ہو چکی تھی، زاویار کی روٹین میں چینج آگیا تھا اب وہ رات کی بجائے سر شام ہی لوٹ آتا اور کھانا بھی سب کے ساتھ مل کر کرتا، ایمان نے ریزائن دے دیا تھا اور یہ بات جب نانا ابو اور نانو کو پتہ لگی تو وہ برس پڑے۔

"ساری عمر اتنی محنت اس لئے کی تھی کہ گھر بیٹھ جاؤ، اگر گھر ہی بیٹھنا تھا تو ایم بی بی ایس اس جیسی مشکل فیلڈ ہی کیوں اپنائی، میں نے ساری عمر جاب کی نہ تو میرا گھر ڈسٹرب ہوا نہ فیملی۔" نانو تو اس کے فیصلے پر سخت برہم تھیں، ایمان کچھ نہ بولی چپ چاپ بیٹھی سنتی رہی۔

"میں نے منع کیا ہے اسے جاب کرنے سے، جب میں اتنا کما رہا ہوں کہ اس کی ہر ضرورت پوری ہو جائے تو اسے جاب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" لاؤنج میں داخل ہوتے زاویار نے نانو کی باتیں سن لی تھیں جبھی سکون سے کہتا صوفے پر دراز ہو گیا اور چینل سرچنگ کرنے لگا، ایمان نے اس ستم گر کو اک نظر دیکھا جو اس کا سکون تباہ کر کے بڑا پرسکون ہو گیا تھا، زاویار پہلے کی طرح اب تو نانا ابو اور نانو سے باتیں بھی کرتا اور اب تو کھانا بھی گھر پر کھاتا جانے اس نے اس رشتے کو قبول کر لیا تھا یا۔

"لیکن زاویار!......" نانو کچھ کہنے ہی والی تھیں کہ وہ ان کی بات کاٹتے بول اٹھا۔

"گرینڈ ماں یہ ہمارا پرسنل میٹر ہے پلیز۔"

وہ چپ ہو گئیں نانا ابو نے انہیں چپ رہنے کا اشارہ کیا، ایمان کافی دن سے اس کے بدلے تیور دیکھ رہی تھی، البتہ اس سے گریز ہی برت رہی تھی اس دن والا رویہ یاد آتا تو اس کی آنکھیں بھر جاتیں۔

"ایمان! ذرا ایک کپ چائے تو لا دو۔" وہ جو سوچوں میں گم تھی اس کے اچانک یوں بلانے پر اچھل پڑی اور پھر کڑھتے ہوئے کچن میں چلی گئی۔

☆☆☆

نعمان اور افشاں کے آنے سے وقار ہاؤس میں جیسے رونق آ گئی تھی، افشاں کا رویہ ایمان سے بہتر ہو گیا تھا ورنہ وہ اپنی سگی بہن کے ناراض ہو جانے پر اس سے اکھڑی اکھڑی سی تھیں۔

"زاویار! تمہیں پتا ہے مہک نے شادی کر لی ہے۔" لاؤنج میں اس وقت صرف وہ دونوں ہی تھے، ایمان انہیں ڈنر کے لئے بلانے آئی تھی ان کی بات سن کر دیوار کی اوٹ میں کھڑی ہو گئی، جہاں سے اسے صرف صوفے پر دراز گود میں

لیپ ٹاپ رکھے زاویار کی پشت دکھائی دے رہی تھی۔

''جی ماما...... اس نے آفس بھی چھوڑ دیا ہے۔'' اس کے لہجے میں نہ تو حیرت تھی اور نہ ہی کوئی افسوس اور چہرے کے تاثرات بھی نارمل تھے۔

''ہاں...... افسوس ہو رہا ہوگا کہ اس نے آفس چھوڑ دیا ورنہ دیدار ہو جاتا تھا۔'' ایمان اس کے تاثرات نہ دیکھ پائی تھی جبھی خود سے ہی نتیجہ اخذ کرتی باہر نکل گئی۔

☆☆☆

وہ کمرے میں آئی تو زاویار کو بیڈ پر لیٹے پایا، اب وہ اسٹڈی کی جگہ کمرے میں ہی سوتا تھا، ایمان تب کمرے میں جاتی جب اسے اندازہ ہوتا کہ وہ سو چکا ہوگا، وہ پہلے دن سے ہی صوفے پر لیٹ رہی تھی، ماموں کے ایک فرینڈ ڈنر پر انوائیٹڈ تھے، افشاں مامی کے اصرار پر اس نے زرد رنگ کی لانگ شرٹ جس کے گلے پر گہرے گلابی رنگ کے ریشمی دھاگے کا کام تھا اور ساتھ میں سلور باریک ڈوری سے اس کی خوبصورتی میں اضافہ کیا گیا تھا، لائٹ میک اپ اور نازک سی جیولری پہنے وہ اپنی شادی کے بعد پہلی بار تیار ہوئی تھی، وہ عام سے حلیے میں رہتی تھی، نانو جب بھی اسے بننے سنورنے کا کہتی تو وہ خاموش ہو جاتی۔

''کس کے لئے بنوں سنوروں اس شخص کے لئے جس نے پہلی رات ہی اپنے لئے بجی سنوری دلہن کو منہ دکھائی میں یہ تحفہ دیا تھا کہ وہ اس کی جگہ کسی اور کو دیکھتا ہے اور اسے اس سے کتنی نفرت ہے۔'' سیاہ گھنے ریشمی بالوں کی آبشار کو ہلکے سے کیچر لگا کر پشت پر کھلا چھوڑ دیا تھا، بلاشبہ وہ سنہری پری لگ رہی تھی، لاؤنج میں داخل ہوتے زاویار کی نظر جیسے ہی مہمانوں کے درمیان بیٹھی ایمان پر پڑی، اس کی نظریں پلٹنا بھول گئیں، اس کی نظروں کی تپش کو وہ محسوس کر چکی تھی، جبھی بہانے سے اٹھ کر باہر نکل گئی، زاویار کو اپنی بے اختیاری پر نہ تو حیرت تھی نہ ہی شرمندگی، ایک بار پہلے بھی وہ اسے ہی بے اختیار ہوا تھا اسے وہ رات یاد آ گئی جب وہ جنریٹر چلانے گیا تھا، وہ معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کچھ سوچتا آگے بڑھ گیا۔

چینج کر کے وہ باہر نکلی اور نماز پڑھنے کھڑی ہوگئی، نماز سے فارغ ہو کر اس نے دوپٹہ اتار کر صوفے پر رکھا اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی کانوں میں پہنے ٹاپس اتارنے لگی، بالوں کا ڈھیلا سا جوڑا کر کے اس نے ایک نظر آئینے میں ہی بیڈ پر دراز زاویار کو دیکھا جو کروٹ کے بل دوسری طرف رخ کیے لیٹا تھا، کتنی بدقسمت تھی وہ کہ اپنی محبت کو حاصل کرنے کے باوجود تشنہ لب تھی، ٹھنڈی سانس خارج کر کے وہ بیڈ کی طرف بڑھی تکیہ لینے کی غرض سے، رات کے اس پہر نائٹ بلب کی نیلگوں روشنی میں ماحول کتنا پرسکون تھا، جھک کر اس نے سرہانے کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ کسی نے ایک جھٹکے سے اسے کھینچا، توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے وہ جھٹکے سے گرتی اس کے سینے سے جا ٹکرائی تھی۔

وہ تو سمجھ رہی تھی کہ وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی سو رہا ہے لیکن اسے جاگتے پا کر اور خود کو اس کی مضبوط گرفت میں پا کر وہ بدحواس سی ہو گئیں۔

''اگر میرے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تھی تو تب انکار کر دیتی، اب کیوں تماشا بنا رہی ہو۔'' اس کی بدحواسی اور گھبراہٹ کو محسوس کر کے اسے غصہ آ گیا جبھی تلخ ہو گیا۔

''چھوڑیں مجھے۔'' وہ ہر صورت اس کی گرفت سے آزاد ہونا چاہتی تھی۔
''آپ تو میری جگہ مہک کو دیکھنا چاہتے تھے پھر اب کیوں۔'' وہ روہانسی ہوگئی۔
''اس وقت ہمارے بیچ مہک کہاں سے آ گئی، جہاں اتنا کچھ کرلیا وہاں یہ بھی سہی۔'' وہ کہنا چاہتی تھی کہ مہک تو ان کے بیچ ہمیشہ سے ہے لیکن اس کی سانسوں کی گرمی کو محسوس کرتے اس سے بولا نہ گیا، اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اس نے اسے مزید کچھ کہنے سے روکا، اس کے خوبصورت بالوں کا وہ دیوانہ ہوگیا تھا، اب بھی اس کے ریشمی بال کھل کر اسے ڈھانپے ہوئے تھے، آہستہ آہستہ زاویار کی گستاخیاں بڑھتی گئیں اور دو روحوں کا ملن ہوگیا۔

☆☆☆

چہرے پر پانی کے چھینٹے مارتی وہ زارو قطار رو رہی تھی، اس کے اندر کی گھٹن میں اضافہ ہوگیا تھا، رات کی حرکت نے ایمان کو توڑ دیا تھا، اسے اس کی بات یاد آئی تو وہ پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، اگر وہ اس کی طرف بڑھا تو تو کسی جذبے کے تحت نہیں بلکہ اپنا فرض ادا کر رہا تھا، اس کا یہی مطلب تھا نا کہ جہاں اس نے اپنے بڑوں کو خوشی کے لئے اتنی قربانیاں دے دیں، وہاں کچھ اور سہی، کسی عورت کی نسوانیت پر کاری ضرب ہوتی ہے جب اس کا شوہر اسے اپنی قربت کا شرف دنیا کی رسم ادا کرنے کو دیتا ہے، ایمان کو اپنا وجود بے مول لگنے لگا، یہ دکھ اس کی رگوں میں خون کی مانند دوڑنے لگا تھا۔
زاویار کی آنکھ کھلی تو ایمان کمرے میں نہیں تھی، مسکرا کر بالوں میں انگلیاں چلاتا وہ واش روم میں گھس گیا، تیار ہو کر وہ ڈائننگ روم میں آیا تو وہ وہاں بھی موجود نہ تھی، نانا ابو نے اس کے آنے پر ایمان کو آواز دی جو کچن سے نکلنے کا نام نہ لے رہی تھی۔
''ایمان بیٹی کہہ رہی ہے کہ وہ بعد میں ناشتہ کرلیں گی ابھی اسے بھوک نہیں۔'' اندر آتے خان بابا نے بتایا تو سب چپ ہوگئے۔
ناشتے کے دوران سب کے بلانے پر بھی وہ باہر نہ نکلی، زاویار جانتا تھا کہ وہ اس کی موجودگی کی وجہ سے نہیں آ رہی، ناشتے سے فارغ ہو کر سب کو سلام کرتا وہ آفس کے لئے نکل گیا، اسے کام کے سلسلے میں ارجنٹ اسلام آباد جانا پڑا، اس نے آفس سے ہی گھر اطلاع دے دی تھی اور ڈرائیور کے ہاتھ کچھ ضروری سامان منگوا لیا تھا، جلدی جلدی میں بھی کام نپٹاتے اسے وہاں دو ہفتے لگ گئے، اس دوران اس نے ایمان کو کئی کالز کیں لیکن اس کا فون مسلسل آف جا رہا تھا، گھر کے نمبر پر فون کرتا تو سب سے بات ہو جاتی لیکن وہ ستمگر بات نہ کرتی، دو ہفتے کے دوران وہ ایمان کے رویے کو سوچتا بہت مضطرب ہو چکا تھا جانے وہ کیوں ایسا کر رہی تھی۔

☆☆☆

''بعض اوقات خود سے کیے گئے قیاس، غلط فہمیوں کو جنم دیتے ہیں اور غلط فہمیاں نا صرف رشتوں کی خوبصورتی کو بگاڑتی ہیں بلکہ انسان کو بے سکون اور بے چین بھی کر دیتی ہیں۔''
رات کا جانے کون سا پہر تھا لیکن نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی، اس نے ایک نظر بیڈ پر اپنے برابر میں دیکھا جہاں جگہ خالی تھی، ایسے ہی اسے اس ستمگر کے بنا یہ کمرہ اور اپنا آپ خالی لگ رہا تھا، گھٹن محسوس کرتی وہ اٹھ کر باہر نکل آئی، چپل سے پاؤں آزاد کر کے وہ ننگے پاؤں ٹھنڈی ٹھنڈی گھاس پر چلنے لگی، اس کے اندر کی بے چینی ختم ہونے میں نہ آ رہی تھی، سوچتے

سوچتے اس کا دماغ پھٹنے لگتا لیکن دماغ میں اودھم مچاتا سوال اسے پاگل کرنے کو کافی تھا۔

''زاویار کی زندگی میں آخر تمہاری اہمیت کیا ہے ایمان؟'' وہ خود سے سوال کرتی لیکن جواب نہ پا کر مضطرب ہو جاتی، کبھی قربت کے لمحوں میں بخشی اس کی عنایتوں کو سوچتی تو دل چاہتا کہ سب بھول بھال کے اس کے سنگ جیوں لیکن...... وہ تو مہک کو پسند کرتا تھا پھر اس نے یہ رشتہ کیسے قبول کیا؟ کیا وہ میری ذات کو زبردستی قبول کرنے پر مجبور ہوا ہے؟ خود سے سوال در سوال کرتی وہ بھول چکی کہ جس رب رحیم نے ان کا نصیب جوڑا تھا اس کے لئے دلوں میں جگہ پیدا کرنا کیا مشکل تھا؟

یہ ہمارے ایمان کی کمزوری اور یقین کی کمی ہے جو ہمیں وسوسوں کا شکار کر دیتی ہے۔

☆☆☆

آمنہ وقار کی کوکنگ شاندار تھی، نعمان پشاور سے ایک دو دن کے لئے آئے تھے پہلے تو افشاں تھی تو دل لگا رہتا تھا لیکن اب بیچارے اکیلے تھے کیونکہ افشاں نے لاہور ہی میں رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔

زاویار صبح صبح اسلام آباد سے واپس آیا تھا اور آتے ہی فریش ہو کر بستر پر جا گرا تھا اور اب دوپہر ہونے کو تھی لیکن وہ بے سدھ سو رہا تھا، سب کے کہنے پر ایمان دو تین دفعہ کمرے کا چکر لگا آئی تھی لیکن اسے سوتا دیکھ کر واپس آ گئی تھی، ڈھیلی ڈھالی ٹی شرٹ اور ٹراؤزرز میں کشادہ پیشانی پر بکھرے بالوں کے ہمراہ سرہانے کو بازوؤں میں لئے وہ بے خبر سو رہا تھا، اس کا محبوب، اس کا شوہر، اس کا محرم اس کے پاس تھا پھر وہ کیوں خدشات کو لئے پھر رہی تھی، اس نادان لڑکی کی بے وقوفی تھی لیکن وہ بھی کیا کرتی اس کی زبان کے دیئے گھاؤ اسے بھولتے نہ تھے، اس کا دھتکارنا، اس کی نظروں سے جاتا نہ تھا، آنسو بے بس ہو کر چھلک پڑے، تب ہی اسے قریب سے زاویار کی آواز سنائی دی تو وہ گھبرا گی، مندی مندی آنکھیں کھولے وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''مسز! آپ کے ہسبینڈ تو آپ کے پاس موجود ہیں پھر رو کس خوشی میں رہی ہیں۔''

''وہ میری آنکھ میں کچھ چلا گیا تھا، میں رو تو نہیں رہی۔'' وہ تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ارے کہاں جا رہی ہو؟ اتنی ظالم ہو اپنی آواز سے بھی محروم رکھا، اب تھوڑی دیر تو پاس بیٹھ جاؤ۔''

''سب کھانے پر آپ کا انتظار کر رہے ہیں جلدی سے نیچے آ جائیں۔'' اس کی بات کو اگنور کرتی وہ تیزی سے کہتی باہر نکل گئی، زاویار کے چہرے کی مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی، وہ اس لڑکی کا رویہ سمجھنے سے قاصر تھا، آمنہ نے آج لنچ خود تیار کیا تھا، سندھی بریانی، کوفتے، کباب اور میٹھے میں گاجر کا حلوہ، وقار ہاؤس کتنا مکمل اور خوشیوں سے بھرپور تھا، کھانا بڑے ہی خوشگوار ماحول میں کھایا گیا، افشاں کو اس پل اپنے گھر کا سکون دیکھ کر اپنے ساس سسر کا فیصلہ درست لگا، کھانے کے بعد سب وقار الحسن کے کمرے میں جمع ہو گئے، نعمان کے آنے پر یوں ہی محفل جمتی تھی، چائے بنانے کی غرض سے ایمان باہر تھی۔

''برخوردار! اب تو بس ایک ہی خواہش باقی ہے۔'' وقار الحسن نے اپنے ساتھ بیٹھے زاویار کی کمر کو تھپکتے ہوئے کہا، وہ حیران سا انہیں دیکھنے لگا۔

''مائی ڈیئر سن! حیران کیوں ہو رہے ہو، ابو جی کا اشارہ بچوں کی طرف ہے۔'' بات سمجھ کر زاویار ہنس دیا۔

''یار میرا دل کرتا ہے گھر میں خوب رونق ہو، ویسے ایک دو بچوں والا کنسیپٹ غلط ہے، اب ہمیں دیکھو کیسے اکیلے زندگی گزار دی ایک بیٹا وہ بھی دور بیٹھا ہے، بس کیا کریں ہماری بیگم نے ہماری سنی ہی نا۔'' وقار الحسن بڑے موڈ میں تھے، جبھی چھیڑنے والے انداز میں بولے تو آمنہ بیگم تو مسکرا بھی نہ سکیں بلکہ گھور کر رہ گئیں۔

''وقار! کچھ تو لحاظ کریں۔'' خفگی سے انہیں گھورتی انہوں نے کہا تو سب مسکرا دیے، اسی پل ایمان ٹرے تھامے اندر آ گئی، وہ بھی اپنے نانا جان کی بات سن چکی تھی۔

''ابو جی ٹھیک کہہ رہے ہیں، ہماری بیگم بھی ایک بچہ پالیسی پر کار بند تھیں جبکہ یہ پالیسی چینیوں پر نافذ تھی، اب پچھتاتی ہیں۔''

ہمیشہ چپ اور سیریس رہنے والے ماموں زیادہ ہی خوش نظر آ رہے تھے جو دل کے زخم دکھانے لگے تھے، ان کی بات سن کر جہاں بے ساختہ سب کے قہقہے چھوٹے وہیں افشاں مامی شرم سے لال پیلی ہو گئیں تھیں۔

''بیٹا! اب تم نے ہماری عملی مثالوں سے سبق سیکھنا ہے اور چائنیز پالیسی تو اپنانے کا سوچنا بھی مت۔'' زاویار کے کندھے پر اپنا بازو پھیلاتے نعمان نے کہا تو سب کی ہنسی ایک بار پھر چھوٹ گئی البتہ اس بار لال پیلی ہونے کی باری ایمان کی تھی، زاویار کی گرم گرم نظریں اس کے شرماتے لبھاتے وجود پر جم گئیں تھیں جو لال بھبھو کا چہرہ لئے باہر نکل گئی تھی۔

☆☆☆

بعض اوقات وقت انسان پر مہربان نہیں ہوتا، خدشات دل سے نکالتی وہ بہت ہلکی پھلکی ہو گئی تھی، اسٹڈی روم کی صفائی کرواتے اس کی نظر ریک میں پڑے فوٹو البم پر پڑی تو اس نے نکال لیا، وہ ساری تصویریں Lums میں پڑھائی کے دوران کی تھیں، اتنے خوبصورت پوز تھے ان دونوں کے، جگہ جگہ ایک ساتھ ہنستے مسکراتے وہ ایک دوسرے کے لئے ہی لگ رہے تھے، ایک تصویر کے پیچھے جو مہک کا کلوز اپ تھی لکھا تھا۔

''مائی بیوٹی۔'' وہ یقیناً زاویار کی رائٹنگ تھی، اس کے ساتھ ہی مہک کا لکھا جواب بھی موجود تھا ''Its all your,s'' ایمان نے فوٹو البم واپس اپنی جگہ پر رکھ دیا، اسے اپنے اندر کچھ ٹوٹا محسوس ہوا، ان دونوں کی محبت میں اسے اپنا آپ بہت مس فٹ لگا، میں کیسے بھول گئی کہ زاویار کی پسند تو مہک ہے، میں نہیں، اس نے بے شک یہ رشتہ قبول کر لیا ہے لیکن دل سے ہرگز نہیں کیا ہوگا، کسی کی پسند کیا اتنی جلدی بدل جاتی ہے، لیکن اس کی گرم لو دیتی نظریں یاد آتیں تو وہ پزل ہو جاتی۔

''یقیناً اس شخص نے سب کو دکھانے کے لئے کہ وہ خوش ہے، ماسک چڑھایا ہے۔''

''زاویار! کاش تم جیسے تھے ویسے رہتے لیکن جذبات میں منافقت ہرگز نہ کرتے، میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' روتے ہوئے وہ کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی اسے اپنا سر چکراتا ہوا محسوس ہوا۔

☆☆☆

زاویار آفس سے آیا اور سیدھا کمرے میں چلا آیا، واش روم سے پانی چلنے کی آواز آ رہی تھی، جوتے اتار کر وہ کپڑے لینے کی غرض سے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھا لیکن ادھ کھلے واش روم کے دروازے سے نظر آتا منظر دیکھ کر ٹھٹک گیا، سنک پر جھکی ایمان دہری ہوئی جا رہی تھی، وہ تیزی سے آگے بڑھا، اسے تھام کر اس نے صوفے پر بٹھایا اور اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔

''آر یو اوکے۔'' اس کے لہجے میں پریشانی تھی۔
''جی ٹھیک ہوں۔'' وہ اٹھنے لگی کی زاویار نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔
''ایمان!'' اس کا چہرہ اونچا کرتے اس نے دھیمے سے اسے پکارا، ایمان ہنوز نگاہیں جھکائے بیٹھی رہی۔
''کوئی پرابلم ہے تو شیئر کرو، کیوں ہر وقت اداس رہتی ہو۔'' اس کا ہاتھ تھامے وہ نرمی سے کہہ رہا تھا، اس کا رویہ وہ کافی دن سے بہت الجھا الجھا محسوس کر رہا تھا۔
''مجھے کوئی پرابلم نہیں۔'' اپنا ہاتھ چھڑاتی وہ کمرے سے نکل گئی، اسی لمحے زاویار کا فون بجنے لگا، اسکرین پر ''مہک کالنگ'' جگمگا رہا تھا، مہک واپس آ گئی تھی انگلینڈ سے شادی کے بعد وہ انگلینڈ چلی گئی لیکن اب پھر آ گئی تھی۔
''تم نکلو میں بس پانچ منٹ تک آتا ہوں۔''
تھوڑی دیر بعد تیار ہو کر زاویار گاڑی لے کر نکل گیا، اس رات ہی ایمان کو What,s app پر کسی انجان نمبر سے کچھ میسج (تصویریں) ملے، تصویریں دیکھنے پر اس کے پاؤں تلے زمین نکل گئی، وہ کسی ریسٹورنٹ میں بیٹھے زاویار اور مہک کی تصویریں تھیں کئی جگہ زاویار کا ہاتھ مہک کے ہاتھ پر تھا، غصے کا بے اختیار ریلا اس کے اندر اٹھا۔
''جہاں اتنا کچھ کر لیا وہاں یہ بھی سہی۔''
اس کے الفاظ اس پر کوڑوں کی صورت برسنے لگے، اس شخص نے صرف دوسروں کی خوشی اور اپنی جسمانی اور نفسیاتی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اسے استعمال کیا تھا، کئی مواقع پر ایمان سوچتی کہ شاید وہ فضول سوچ رہی ہو، ہو سکتا ہے زاویار کو اس سے محبت ہو گئی ہو، ایک بار پھر احساس کمتری اور اپنی نسوانیت کو روندنے کا دکھ اسے پاگل کرنے لگا۔

☆☆☆

اس کی حالت دن بدن عجیب ہو رہی تھی، اسے اپنے اندر کی تبدیلیوں کا ادراک تھا جبھی بے انتہا اذیت ہو رہی تھی، کمرے میں آئی تو بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھا زاویار لیپ ٹاپ پر کام میں مصروف تھا، زور سے آتی ابکائی کو روکتی وہ واش روم کی طرف بھاگی۔
اس کی حالت دیکھ کر زاویار کو پریشانی ہونے لگی، نہ کچھ بولتی تھی، نہ ہنستی بولتی تھی جانے اسے کون سا دکھ اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا۔
''چلو ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں؟'' اس کا ہاتھ تھام کر اسے اٹھاتے اس نے کہا تو ایمان چیخ پڑی۔
''کچھ نہیں ہوا مجھے، کہا نا کہ نہیں جانا مجھے کہیں۔'' وہ اٹھی ہی تھی کہ چکرا کر گئی تھی، اپنے بازوؤں میں جھولتی ایمان کو بے ہوش ہوتا دیکھ کر زاویار گھبرا گیا اور اگلے ہی لمحے اسے بیڈ پر لٹا کر نمبر ملانے لگا، تھوڑی دیر ہی ڈاکٹر آ گیا، چیک اپ کے بعد اس نے جو خبر دی اسے سن کر سب کے پریشان چہروں پر خوشی کے رنگ بکھر گئے، خوش تو زاویار بھی بہت تھا لیکن ایک چبھن باقی تھی، ایمان خود ڈاکٹر تھی، وہ اپنی حالت سے بے خبر نہ ہو گی پھر اس نے چھپایا کیوں، وہ کیوں پریشان تھی، ان تمام سوالوں کے جواب ایمان کے پاس تھے لیکن کچھ بولتی ہی نہ تھی، ایک پل کو تو ایمان کا دل چاہا کہ اس ستم گر سے پوچھے کہ وہ کیوں ایسا کر رہا ہے کہ ملتا کسی سے تھا اور یہاں بھی اس کے سامنے اس کا خیر خواہ بنا رہتا، لیکن چپ رہ جاتی صرف یہ سوچ کر کہ شاید وہ بھرم رکھ

رہا ہے رشتے کا، اگر اس کے پوچھنے پر اس نے کہہ دیا کہ وہ صرف یہ رشتہ نبھا تا رہا ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں، تو وہ مر جائے گی، اسے یہ بھرم قائم رکھنا تھا۔

☆☆☆

ان دنوں زاویار بہت ڈسٹرب تھا، ایک طرف تو وہ ایمان کی طرف سے پریشان تھا اور دوسری طرف ایمان کا رویہ، وہ خود سے بہت لاپرواہ ہوگئی تھی نا کھانے پینے کا خیال رکھتی اور نہ ہی میڈیسن وقت پر لیتی، باقی گھر والوں کے ساتھ اس کا رویہ بہتر تھا، لیکن اس کی طرف دیکھنا وہ پسند نہ کرتی، اس کے لاسٹ منتھ (مہینے) چل رہے تھے اور وہ بہت ویک ہوگئی تھی، ایک دن تنگ آکر اس نے اسے کہہ ہی دیا۔

''ایمان میں نہیں جانتا کہ تم یہ سب کیوں کر رہی ہو لیکن اتنا ضرور جان گیا ہوں کہ تم مجھ سے محبت نہیں کرتی، ایک بات بتاؤں، مجھے ہمیشہ لگتا تھا کہ تم مجھے پسند کرتی ہو تمہاری آنکھیں مجھے دیکھ کر چمکنے لگتی تھیں لیکن اب مجھے احساس ہوا کہ وہ سب فریب تھا۔''

''بعض اوقات ہم جسے محبت سمجھتے ہیں وہ نظروں کا دھوکہ ہوتا ہے۔''

''اور میں نے زندگی میں یہی سیکھا ہے، افسوس تو مجھے اس بات کا ہے کہ تمہاری زندگی دادا دادی کے ایک غلط فیصلے کی نظر ہوگئی، افسوس کہ میری محبت اور توجہ بھی تمہیں میرا نہ بنا سکی۔'' کتنے دکھ سے اس نے کہا تھا، ایمان کو اپنے دل کے ٹکڑے ہوتے محسوس ہوئے، اس کی آنکھوں کی سچائی سے وہ مضطرب ہوگئی، اس کی محبت اس کی وجہ سے تکلیف میں تھی، وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

اس کا آخری جملہ اس پر کوڑے برسانے لگا، کہاں غلطی تھی، کہاں اور کیسے ان کے درمیان غلط فہمی پیدا ہوئی وہ سوچتی گئی۔

☆☆☆

گھر میں مکمل خاموشی تھی، سب اپنے اپنے کمروں میں تھے، کافی دیر تک لان میں واک کرنے کے بعد وہ اندر آ گیا، اوپر جانے کے لئے اس نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا ہی تھا کہ ایمان کے کمرے کا بند دروازہ دیکھ کر اسے کچھ یاد آ گیا، کچھ دن پہلے کی بات ہے کہ رات کو اس کی آنکھ کھلی تو اپنے برابر میں خالی جگہ دیکھ کر تھوڑا حیران ہوا لیکن یہ سوچ کر لیٹا رہا کہ شاید واش روم میں ہو، کافی دیر تک جب وہ نہ آئی تو پریشان سا اٹھ گیا، کمرے میں وہ کہیں نہ تھی، سیڑھیاں اترتے اس نے ایمان کے کمرے کی جلتی لائٹ دیکھ لی تھی، کھڑکی سے اندر کا منظر وہ دیکھ سکتا تھا، بیڈ پر بیٹھی ڈائری گود میں رکھے وہ کچھ لکھتی جاتی اور ساتھ ساتھ روئے جا رہی تھی، وہ جیسے دبے پاؤں گیا تھا ویسے ہی واپس آ گیا، اس لمحے وہ واقعہ اس کی نظروں کے سامنے سے گھوم گیا، وہ اس کے روم میں آیا، اس نے ہر جگہ دیکھ لیا لیکن اسے وہ ڈائری کہیں نظر نہ آئی، اچانک کچھ سوچ کر اس نے بیڈ کا گدا اٹھایا تو بلیک کور والی وہ ڈائری اسے نظر آ گئی، وہ ڈائری کو لے کر وہیں بیٹھ گیا، کھولتے ہی اسے دھچکا لگا، اس کی تصویر پہلے صفحے پر اٹیچ تھی اور نیچے لکھا تھا۔

''زاویار حسن! میری محبت، میرا عشق، میری زندگی۔'' جوں جوں وہ پڑھتا گیا اس پر حقیقت کھلتی گئی، شادی کی رات والی باتوں کا ذکر بھی کیا تھا۔

''جب میں سوچتی ہوں کہ زاویار نے کسی جذبے کے تحت نہیں رسم نبھانے کو اپنی قربت کا شرف مجھے دیا تو میرا دل کرتا ہے کہ میں خود کو مار

لوں، اس نے میری روح کو گھائل کیا ہے۔'' ہر ہر بات وہاں درج تھی، سٹڈی میں دیکھی گئی البم کا ذکر اور پھر What,s app پر موصول ہونے والی فوٹو۔

یہاں وہ ٹھٹکا، کون سی تصویریں تھیں وہ جس نے ایمان کو یقین دلانے پر مجبور کر دیا کہ میں اسے دھوکا دے رہا ہوں، وہ سوچ میں پڑ گیا اور جو آخری بات اس ڈائری میں درج تھی وہ اس رات کی تھی جس دن زاویار نے بڑے افسوس سے اس سے بہت کچھ کہا تھا۔

''وہ کہتا ہے کہ اسے اب لگتا ہے کہ مجھے اس سے محبت نہیں، ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ میں کیسے یقین دلاؤں کہ میں اسے کتنا چاہتی ہوں۔'' ڈائری لئے وہ کمرے سے نکل گیا۔

کمرے کا دروازہ بند کر کے اس نے ڈائری کو سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور ایمان کا موبائل اٹھا لیا جس پر کوڈ لگا تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ کیا پاس ورڈ ہو گا، اس نے کی پیڈ پر اپنا نام ٹائپ کیا تو لاک کھل گیا، تصویریں دیکھنے پر اسے جھٹکا لگا اور آہستہ آہستہ ساری الجھی گتھیاں سلجھتی گئیں۔

☆☆☆

شادی کے بعد آفس جاب کرنے پر اسے معلوم ہوا کہ مہک آفس چھوڑ چکی ہے اور وہیں اسے دوسرا دھچکا ایک اور خبر سن کر لگا، اسے کولیگ نے اسے بتایا تھا کہ اسے اب جاب کرنے کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ اس نے فرم کے مالک کے بیٹے سے شادی کر لی ہے، ایک دفعہ تو اسے یقین نہ آیا لیکن اپنے کانوں سے سننے پر اسے یقین آ گیا، وہ مہک کی طرف اس سے پوچھنے گیا تھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا، دراصل شروع میں اس کا یہی ارادہ تھا کہ وہ ہر صورت ایمان کو طلاق دے دے گا، اسے مہک کو ہر صورت پانا تھا چاہے اس کے لئے اسے اپنے گھر والوں کو ہی چھوڑنا پڑتا لیکن اس کی باتیں سن کر وہ سن رہ گیا۔

''ماما! دیکھا آپ نے کہ آپ کی بیٹی نے کیسے ایک ہی تیر سے دو شکار کر ڈالے ولید (اس کا شوہر) جیسے امیر کبیر شخص کو بھی حاصل کر لیا اور زاویار کو بھی بڑی آسانی سے رستے سے ہٹا دیا، وہ ساری عمر اسی بات کا غم مناتے گزار دے گا کہ ایمان کی وجہ سے وہ مجھے حاصل نہ کر سکا جبکہ مجھے اب اس میں کوئی دلچسپی نہیں رہی۔'' بڑے فخریہ انداز میں کہتی وہ اپنے کارنامے بیان کر رہی تھی۔

''اور وہ ایمان!'' اس کے لہجے سے ہی ایمان کے لئے نفرت کی بو آ رہی تھی۔

''بیچاری ساری عمر زاویار کی محبت کے لئے ترستی رہے گی۔'' زاویار انہی قدموں پر واپس چلا گیا، وہ سوچتا تو اس کا دماغ پھٹنے لگتا، اسے یقین نہ آیا کہ محبت فریب بھی ہو سکتی ہے، آہستہ آہستہ اسے ایمان سے کی گئیں اپنی زیادتیاں یاد آتی گئیں، وہ معصوم اور سادہ سی لڑکی آج تک اس کے ہر ظلم اور زیادتی کو صبر سے سہہ رہی تھی، وہ رات گئے گھر جاتا تو اسے اپنے انتظار میں پاتا، اس کا ہر کام اور ہر ضرورت وہ بن کہے پوری کر دیتی تھی لیکن اس نے اس کے ساتھ کیا کیا، اس کے خوابوں کو روند ڈالا، اس پر شک کیا اور ہر لمحہ اسے احساس دلایا کہ وہ میری ذات پر بوجھ ہے، مجھے اس سے کس قدر نفرت ہے، اپنا رویہ یاد کر کے اسے شرمندگی ہوئی، اس نے سب کچھ ٹھیک کرنے کی ٹھانی، وہ کسی غرض کی تحت نہیں بلکہ سچے جذبات سے اس کی طرف بڑھا تھا مگر تب شاید وقت اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا اور ہاں اس دن جو اسے مہک کی کال آئی تھی وہ اس دن آخری بار اسے اپنا فیصلہ سنانے گیا تھا، مہک کی ولید سے لڑائی ہو گئی تھی کیونکہ ولید ٹائم پاس

کرنے والا بگڑا ہوا لڑکا تھا اس طرح ان دونوں کی علیحدگی ہوگئی، مہک ایک بار پھر زاویار کی طرف بڑھی تھی لیکن وہ اب سچائی سے واقف تھا، اس دن بھی اس نے مہک کو بتا دیا کہ وہ اس کی حقیقت جان چکا ہے، تب مہک روتے ہوئے اسے معافی مانگنے لگی تھی، اسے اس پر ترس آ گیا تھا اور اسے تسلی دینے لگا۔

☆☆☆

ایمان دم سادھے بیٹھی اس کے منہ سے ساری حقیقت سن رہی تھی۔

"یا اللہ! میں نے زاویار کو کتنا غلط سمجھا۔" وہ سوچ کر رہ گئی۔

"ایمان! میں جانتا ہوں کہ شروع میں غلطی میری تھی مگر میں جب تمہاری طرف بڑھا تو دل کی رضا اور سچائی کے ساتھ بڑھا تھا، کتنا عرصہ ہم دونوں نے ایک غلط فہمی کی نظر کر دیا، کاش تم ایک بار مجھ سے کھل کر بات تو کرتی، ہاں یہ بات ٹھیک ہے کہ مجھے مہک پسند تھی، پسند تو بہت سی چیزیں ہوتی ہیں اور پسند تو بدلتی رہتی ہے، لیکن محبت کسی ایک سے ہوتی ہے کسی خاص سے، تم میری بیوی تھی اور مجھے تم سے کیسے محبت ہوگئی یہ میں نہیں جانتا لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ جس رب العزت نے ہمارے نصیب جوڑے تھے اس نے ہی محبت مجھ پر الہام کر دی۔" وہ سب کہہ کر رکا نہیں اور باہر نکل گیا، پیچھے ساکت بیٹھی ایمان ہچکیوں سے رو دی۔

روتے روتے وہ کب سوگئی اسے پتا نہ چلا، اپنے پہلو میں اٹھتی ٹیسوں کی تکلیف سے اس کی آنکھ کھل گئی، زاویار اس سے کچھ فاصلے پر ہی بیڈ پر دراز تھا، جب درد حد سے زیادہ ہونے لگی تو اس نے زاویار کا کندھا ہلایا، وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور اسے درد سے دہرا ہوتے روتے دیکھ کر جلدی سے آگے بڑھا۔

☆☆☆

فجر کی اذانوں کے وقت زاویار حسن کے ہاں صحت مند بیٹے کی پیدائش ہوئی، خوش خبری سنتے ہی وہ ہاسپٹل سے نکل گیا، اسے رب کے حضور سجدہ شکر بھی تو بجا لانا تھا، ایمان نے جس چہرے کو تلاشنا چاہا وہ وہاں نہ تھا، تبھی دروازہ کھلا اور وہ ستم گر اندر داخل ہوا، اسے آتا دیکھ کر نعمان اور افشاں باہر نکل گئے، وقار الحسن عقیقے کے انتظامات کرنے گئے تھے، جبکہ آمنہ وقار شکرانے کے نفل ادا کر رہی تھی، کمرے میں اس وقت صرف وہ دونوں تھے، زاویار نے آگے بڑھ کر اسے دیکھا جو بہت ہی کمزور دکھ رہی تھی، رنگت ایسے لگ رہی تھی جیسے کسی نے جسم سے سارا خون نچوڑ لیا ہو، چہرے پر تھکاوٹ کے آثار واضح دکھائی دے رہے تھے، زاویار نے اس کے چہرے کے گرد بکھرے بالوں کو سمیٹا اور اس کا ماتھا چوم لیا۔

"تھینک یو ایمان!" اس کا ہاتھ تھامے اس نے بڑے جذب سے کہا۔

"کس لیے؟"

"ہماری محبت کی اس خوبصورت نشانی کا تحفہ دینے پر۔" اس کے ساتھ لیٹے کمبل میں لپٹے اپنے بیٹے کو اٹھاتے اس نے کہا تو وہ مسکرا دی، جسے وہ ستم گر سمجھتی رہی وہ تو خدا کی رحمت کا انعام تھا جو زاویار حسن کی صورت میں اس پر برسائی گئی تھی، زاویار بچے کو سینے سے لگائے محبت پاش نظروں سے ایمان کو دیکھ رہا تھا، دونوں کے دل اور آنکھیں مسکرا رہی تھیں اور زندگی تو اب ہنستے مسکراتے محبتیں سمیٹتے گزرنی تھی۔

☆☆☆

ساغر
عرشیہ راجپوت

اے عشق ہمیں اتنا تو بتا انجام ہمارا کیا ہوگا
تقدیر بتا اب اس سے برا انجام ہمارا کیا ہوگا
نادان چمن میں کلیوں نے لب کھول کئے ہنسنے کے لئے
وہ پوچھ رہی ہیں شبنم سے انجام ہمارا کیا ہوگا

حسب معمول کالج سے آنے کے بعد اس نے کپڑے تبدیل کیے اور ہاتھ منہ دھو کر کمرے میں آ گئی، پانچ منٹ بعد بنا کھانے کی ٹرے اس کے سامنے رکھ کر خود بھی وہیں بیٹھ گئی، اس کے ہونٹوں پر پھیلی خوبصورت مسکراہٹ اور اس کا بار بار انگلیوں کو چٹخانا عانیہ کو مشکوک کر گیا، اس کی یہ کیفیت اسی وقت ہوتی تھی جب وہ کوئی بہت خاص بات اسے بتانے کو بے تاب ہو، مگر اس وقت عانیہ کو زبردست بھوک لگی تھی اس لئے اس نے فی الفور ٹرے نزدیک کی اور کھانا شروع کر دیا، کالج شہر میں تھا اور واپس گاؤں آتے ہوئے اسے ایک گھنٹہ لگ جاتا تھا، کیری باکس میں وہ پھنس پھنسا کر سفر کا ایک گھنٹہ اسے گھر پہنچنے تک نڈھال کر دیتا تھا، گھر پہنچنے پر اس کی سب سے پہلی ترجیح کھانا ہوتا تھی، جو وہ مکمل سکون کے ساتھ کھانا چاہتی تھی، مگر آج تانیہ کے لئے بھی صبر کرنا جیسے انتہائی مشکل تھا، اسی لئے کھانا ختم ہونے کا انتظار کیے بغیر وہ شروع ہو گئی۔

''آج نازنین خالہ آئی تھیں؟'' اس کی نظریں عانیہ پر تھیں اور عانیہ کی ٹرے پر۔

''ہاں تو ٹھیک ہے، پہلے بھی آتی ہیں، اس میں نئی بات کیا ہے؟'' اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔

''وہ ہم دونوں کے لئے رشتہ لے کر آئی تھیں۔'' لاپروائی پل میں اوڑنچھو ہوئی، لقمہ حلق سے بمشکل سے نیچے اتار کر وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی، جس کے ہونٹوں سے اب مسکراہٹ مکمل معدوم ہو چکی تھی۔

''ابا نے ایک رشتہ قبول کیا ہے، تراب کے لئے میرا۔'' اس نے سامنے دیوار کو دیکھتے ہوئے بات مکمل کی، عانیہ کی دھڑکن مدھم ہونے لگی، دل بوجھل سا ہو گیا تھا۔

''اور میرے بارے میں کیا کہا ابا نے؟'' اپنی کانپتی آواز اس نے خود بھی باآسانی محسوس کی تھی۔

''ابا نے بولا کہ پہلے میری اور تراب کی شادی ہو جائے پھر بعد میں وہ کوئی فیصلہ کریں گے۔'' بمشکل وہ اس سے ابا کا اصل فیصلہ چھپا سکی تھی، پتا نہیں کیوں مگر اس وقت وہ اس سے جھوٹ بول گئی تھی۔

''تم فکر مت کرو عانیہ میری شادی ہو جائے تم دیکھنا میں خود ابا کو منا لوں گی مجھے اور تراب کو ہنسی خوشی دیکھ کر وہ تمہارا اور جذلان کا رشتہ جوڑنے میں ہرگز دیر نہیں کریں گے۔'' عانیہ بمشکل مسکرائی مگر اس کے دل کو مسلسل کوئی مٹھی میں بھینچ رہا تھا۔

☆☆☆

تم مقدر میں کہیں لکھے ہو
اسی امید پر تو زندہ ہوں

''تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہو عانیہ، سب ٹھیک ہو جائے گا، خالو جان مان جائیں گے۔'' فون پر اسے تسلی دیتا وہ خود کو بے بس سا محسوس کر رہا تھا، عانیہ پریشان تھی اور بے انتہا تھی۔

''پتا نہیں جذلان! مگر مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ اس وقت ابا کے انکار کی وجہ کیا ہے، تم لوگوں کے مطابق کہ وہ بعد میں مان جائیں گے تو اب کیوں نہیں مان جاتے، بعد میں بھی تو وہ تم ہی ہو گے نا جس کے لئے مانیں گے۔'' اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی طرح ابا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

کا جواب مثبت کروا دے۔

''کیا بات ہے عانیہ میڈم بڑی جلدی ہو رہی ہے میرے پاس آنے کی۔'' وہ شوخ ہوا تو وہ بگڑ کر بولی۔

''شٹ اپ بکواس مت کرنا میرے ساتھ۔'' جذلان ہلکا سا ہنسا اور پھر کچھ دیر بعد اس نے فون بند کر دیا، اس کے ہونٹ سکڑ گئے تھے اور چہرے پر قدرے اضطراب نمایاں تھا، وہ خود بھی کم پریشان نہیں تھا مگر اپنی پریشانی ظاہر کر کے وہ عانیہ کو وسوسوں میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا تھا، نازنین کے رشتے لے کر جانے تک وہ خود بھی بہت خوش تھا، مگر واپسی پر اس کی ساری خوشی غائب ہو گئی تھی، تراب کی بھی وہی تسلیاں تھیں جو عانیہ کے لئے تانیہ کی تھیں، مگر نازنین مکمل خاموش تھیں، وہ اپنے بہنوئی کے اٹل انداز کو بخوبی جانتی تھیں، ان کے فیصلے نے انہیں بھی تشویش میں مبتلا کر دیا تھا، ان کے مطابق اگر وہ اپنی ایک بیٹی کا رشتہ ننھیال میں کریں گے تو دوسری کا ددھیال میں اور اس وقت انہیں یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے کس بیٹے کی محبت کو بچائیں اور کس کی محبت کو سولی پر چڑھا دیں اور پھر فیصلہ تانیہ اور تراب کے حق میں ہوا تھا کہ وہ دونوں بڑے تھے۔

عانیہ اور جذلان کے لئے فی الحال بس تسلیاں تھیں جن سے وقتی طور پر جذلان تو بہل گیا تھا مگر عانیہ کی چھٹی حس مسلسل اسے اذیت میں مبتلا کیے ہوئے تھی۔

☆☆☆

کبھی ویران راستوں پر
کوئی ان جانی سی دستک
اگر تم کو سنائی دے
صدا کی شکل میں آ کر کہے
محبت نام ہے میرا
پلٹ کر دیکھنا مت تم کہ اس راہ محبت میں
فقط
اذیت ہی اذیت ہے!!!

شام کا وقت تھا فضا میں سورج ڈوبنے کی سوگواریت سی پھیلی تھی، کیکر کے درختوں کے پیچھے سرخی مائل آسمان اس کے دل کو مزید بوجھل کر رہا تھا، پرندوں کے غول کے غول واپس اپنے آشیانوں کی طرف پلٹ رہے تھے، گھروں میں مٹی کے چولہے جل گئے تھے اور اب دھواں فضا میں پھیلتا جا رہا تھا، منڈیر پر دونوں کہنیاں ٹکائے وہ آگے کو جھک کر کھڑی سامنے تا حد نگاہ پھیلی زمینوں پر نظریں گاڑھے ہوئے تھی مگر سوچوں کے پنچھی تو کسی اور ہی جہاں کی اڑانوں میں مست تھے، تانیہ کب اس کے پاس آ کر کھڑی ہوئی اسے معلوم ہی نہ ہوا۔

''عانیہ!'' تانیہ منڈیر کے ساتھ کمر ٹکا کر کھڑی ہوئی عانیہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں بس ایسے ہی کھڑی ہوں۔''

''میں نے یہاں کھڑے ہونے کا نہیں پوچھا، تمہارے چہرے پر پھیلے افسردگی کے تاثرات کے بارے میں پوچھ رہی ہوں؟'' عانیہ نے محض نفی میں سر کو جنبش دی اور منڈیر کے پاس سے ہٹ گئی۔

''تم میری خوشی میں خوش نہیں ہو؟'' تانیہ کو ہلکا سا دکھ ہوا تھا اس کے رویہ سے۔

''پاگل میں کیوں ناخوش ہونے لگی، بدتمیز تم مجھے کتنا خود غرض سمجھتی ہو۔'' وہ بگڑ کر بولی، تانیہ آہستہ سے مسکرائی پھر اس کے ساتھ ہم قدم ہو کر چلنے لگی، کافی دیر ان دونوں کے درمیان خاموشی قائم رہی، پھر عانیہ کی مدھم سی آواز گونجی۔

''پتا ہے تانیہ میرے اندر مسلسل ایک خیال گردش کر رہا ہے۔''

''اگر ابا نہ مانے تو۔''

''یہ ایک ایسی بات ہے جس سے آگے میری سانس رکنے لگتی ہے، میرا اندر خالی ہونے لگتا ہے، یہ سوچ میرے لئے اتنی دردناک ہے تانیہ میں اس سوچ سے بھی کوسوں دور بھاگنا چاہتی ہوں۔'' اداسی میں ڈوبی اس کی آواز تانیہ کو اپنی جگہ منجمد کر گئی تھی، اس کے منہ سے ایک لفظ تک نہ نکل سکا، ابا چاہے اپنے قول میں کتنے بھی پکے سہی مگر ممکن تھا عانیہ کے لئے مان جاتے، مگر عانیہ کے لہجے سے مترشح ہوتی شدت، اس کا دل ڈوب کر ابھرا، اب وہ جذلان کو خوش نصیب کہے یا عانیہ کو بدنصیب۔

☆☆☆

تانیہ اور تراب کی شادی کی ڈیٹ طے ہوئی، تو دونوں گھروں کے ساتھ ساتھ پورے خاندان میں ہلچل سی مچ گئی، عانیہ بھی ہر بات بھلائے شادی کے ہنگاموں میں الجھی ہوئی تھی، لاہور سے سجاد بھائی اور فائقہ بھابھی بھی آ گئے تھے دن کم اور کام زیادہ تھے، عانیہ سہی معنوں میں گھن چکر بن کر رہ گئی تھی، اب بھی وہ بھابھی اور امی کے ساتھ صبح سے بازار میں خوار ہو کر کچھ دیر پہلے ہی لوٹی تھی، ابھی وہ فریش ہو کر تھوڑی دیر آرام کرنے کی نیت سے کمرے میں داخل ہی ہوئی تھی جب اسے باہر سے زینی پھپھو کی آواز سنائی دی تھی۔

کوئی اور وقت ہوتا تو وہ ان کی آمد پر خوش ہوتی مگر اس وقت وہ اندر تک کوفت میں مبتلا ہوئی تھی اب ظاہری بات تھی کچن کا سارا کام اسے ہی دیکھنا تھا، تانیہ بی بی مایوں بیٹھ چکی تھیں، بھابھی تھکی ہاری بازار سے لوٹی تھیں، امی کا اب اگلی صبح تک چارپائی سے ہلنا بھی ناممکن تھا سو پیچھے بچیں عانیہ بی بی، دوپٹہ اچھی طرح سر پر جما کر وہ واپس صحن کی طرف پلٹی، پھپھو سب کے ساتھ صحن میں بیٹھیں تھیں، اسے دیکھ کر خوش دلی سے مسکرائیں ان سے مل کر وہ سیدھی کچن کی طرف بڑھ گئی اور ٹرے اچھی طرح سے لوازمات سے سجا کر ان کے سامنے رکھ کر وہ اب وہاں سے جانے کے لئے پر تولنے لگی تھی، جب پھپھو نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔

''بیٹھو عانیہ مجھے تمہیں کچھ دکھانا ہے۔''

اپنے بائیں طرف پڑا پیک اٹھا کر کھولا تو اس میں ایک خوبصورت اور نفیس فینسی فراک پیک تھا، انہوں نے وہ پیک عانیہ کی طرف بڑھایا، عانیہ قدرے ہچکچا گئی۔

''لو عانیہ یہ تمہارے لئے ہے، شادی کی شاپنگ کے دوران میری نظر اس پر پڑی تو مجھے ایک دم سے تمہارا خیال آیا، یہ سوٹ تم پر بہت جچے گا، میں چاہتی ہوں یہ فراک تم بارات والے دن پہنو۔'' ان کے انداز میں ایک مخصوص محبت اور گرماہٹ تھی، جسے عانیہ نے محسوس کیا ہو یا نہیں وہاں پر موجود باقی سب افراد نے بڑی شدت اور خوش کن انداز میں اس رویہ کو محسوس کیا اور اپنایا تھا۔

☆☆☆

میرے قاتل ذرا سنبھل کر
دل یار ابھی کمزور بہت ہے

پھپھو کی اپنائیت اور محبت عانیہ کے لئے بڑھتی جا رہی تھی اور ایک دم سے ایسا کیوں ہوا؟ یہ سوچنے کی فرصت ابھی عانیہ کے پاس نہیں تھی، اتنے دنوں کی بھاگ دوڑ مہندی کے دن پر آ کر رک گئی تھی، یا پھر عانیہ نے خود کو اس بھاگ دوڑ سے الگ کر لیا تھا، اب عانیہ تھی اور عانیہ کی

تیاریاں تھیں اور اس سے کچھ دور پڑے بیڈ پر بیٹھی نازش کی گھوریاں، التجائیں اور کچھ کچھ وقفے کے بعد ابھرتی لعن طعن تھی جس کا اس وقت عانیہ پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

''تم ایسا کیوں نہیں کرتی اس آئینے کو ڈریسنگ سے اکھاڑ دو اور اپنے ساتھ چپکا لو آج کی رات تمہارا اس کے بغیر گزارہ ناممکن محسوس ہو رہا ہے عانیہ بی بی۔'' اس کے منہ سے چبا چبا کر ادا کیے گئے فقرات پر عانیہ نے بے نیازی سی مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی اور دوبارہ سے اپنی سج دھج کی طرف متوجہ ہو گئی، تانیہ مسلسل مسکرائے جا رہی تھی۔

پھولوں کے زیورات آنا باقی تھے جن نے تانیہ کی تیاری کو مکمل کرنا تھا اور اس کی تاخیر کا پورا پورا فائدہ عانیہ اٹھانے پر بضد تھی، تبھی ہلکی سی دستک کے بعد دروازہ کھلا اور جذلان کمرے میں داخل ہوا، عانیہ کا ہاتھ ہوا میں ہی معلق رہ گیا اور جذلان کے آگے بڑھتے قدم رک گئے، وہ ٹھہر گیا، آنکھیں مکمل وا ہو گئیں اور پلکیں منجمد، عانیہ اسماعیل تیار تھی قیامت ڈھانے کے لئے، لاشیں گرانے کے لئے، بمشکل اس کے وجود سے نظریں چراتا وہ تانیہ کی طرف بڑھا، پھولوں کا سامان اس کے ہاتھ میں تھماتا وہ تیزی سے باہر نکلا، سینے میں اودھم مچاتے دل کو بمشکل سنبھالتے اس نے موبائل نکالا اور عانیہ کا نمبر پش کیا اور اندر کمرے میں گجرا اپنی کلائی پر باندھتی عانیہ کا ہاتھ تھم گیا، اس نے نظر بچا کر نازش کی طرف دیکھا مگر وہ ہنوز تانیہ میں بزی تھی، آہستہ سے کال ریسیو کر کے اس نے فون کان سے لگایا۔

''عانیہ ایک بات مانو گی؟'' اس کا لہجہ التجا سے پر تھا۔

''بولو۔'' عانیہ کی آواز سرگوشی سے زیادہ اونچی نہیں تھی۔

''عانیہ تم جب اس کمرے سے باہر نکلو گی تو مکمل سادہ انداز میں نکلو گی۔'' یہ نہ التجا تھی نہ حکم تھا بلکہ بے بس انداز میں کی گئی معنی خیز سی خواہش تھی، عانیہ فریز ہو گئی، مکمل حق دق، اس کی گھنٹوں کی محنت کی یہ تعریف، کیوں؟

''تمہارے اس روپ پر صرف میرا حق ہے عانیہ اور میں نہیں چاہتا کوئی دوسرا تمہارے اس روپ کو دیکھے، ٹھٹکے اور بس پھر دیکھتا ہی جائے، عانیہ اسماعیل کے وجود کی ہر سج دھج کا حقدار صرف جذلان سالار ہے اور ویسے بھی عانیہ میرا دل ابھی اتنا مضبوط نہیں ہے کہ تمہاری اس جھلک کو آرام سے ہی سہہ جائے۔''

عانیہ کے ہونٹوں پر خوبصورت سی مسکراہٹ پھیلی، وہ موبائل آف کر کے باتھ روم کی طرف بڑھ گئی، دو منٹ کے بعد جب عانیہ مکمل دھلے چہرے کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی تو نازش اور تانیہ کی آنکھیں مکمل وا ہو گئیں، عانیہ نے کندھے اچکائے اور دوپٹہ کو اچھی طرح سیٹ کرنے کے لئے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو گئی، اس نے جس سے تعریف وصول کرنی تھی کر چکی تھی، باقیوں کے لئے عانیہ اسماعیل مکمل سادگی میں ہی ٹھیک تھی۔

☆☆☆

مجھے حیرت ہے میرے پاس کچھ نہیں بچتا
میں اپنی ذات سے جب بھی تمہیں تفریق کرتا ہوں

شادی ختم ہوئی تو زندگی دوبارہ روٹین پر آ گئی، وہی معمول وہی شب و روز، شادی کے محض ایک ماہ بعد تراب واپس دوبئی چلا گیا، پھپھو کی آمد میں اضافہ ہونے لگا تو پہلی دفعہ عانیہ ٹھٹک گئی، مگر ہاتھ پھر بھی کچھ نہیں لگا کہ اس کے سامنے سب معمول کی باتیں، معمول کے رویے تھے، مگر

پھر بھی اندر ہی اندر کچھ گڑبڑ کچھ الجھن تھی، بھائی اور بھابھی بھی دوبارہ لاہور چلے گئے تھے کہ وہ بھابھی سے ہی کچھ معلوم کر لیتی اب کس سے پوچھتی گھر میں تھا ہی کون ابا امی شہریار اور وہ خود، اب امی سے کیا پوچھتی اور کیا کہتی کہ امی میرے اندر وسوسے بڑھنے لگے ہیں، وحشتیں حد سے تجاوز کرنے لگی ہیں اور جب میری محبت باغی ہونے لگی ہے تو مجھے سکون نہیں لینے دیتی، میرے اندر بین ہوتے ہیں امی اور یہ نوحے آدھی راتوں کو بستر سے اٹھا کر مجھے مصلے پر کھڑا کر دیتے ہیں، میں روتی بھی نہیں ہوں اور امی میں سوتی بھی نہیں ہوں اور انہی دنوں جب اس کی محبت کے نوحے بے قابو ہونے لگے تھے، جذلان کی وحشتیں تانیہ اور نازنین کو پریشان کیے ہوئے تھیں، بالکل انہی دنوں وہ ہو گیا تھا جو ان دونوں کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا، عانیہ کو سعدان علی کے ساتھ باندھ دیا گیا تھا، سعدان علی زیبی پھپھو کا بیٹا..... سعدان علی عانیہ کی محبت کا قاتل۔

☆☆☆

کشتی نہ رہی ساحل نہ رہا
ساحل کی تمنا بھی نہ رہی
اے پوچھنے والے ظاہر ہے
انجام ہمارا کیا ہوگا

ابا نے بغیر کسی سے مشورہ کیے بغیر کوئی رائے مانگے شادی کی تاریخ ٹھیک ایک مہینے بعد کی طے کر دی، اک درد مسلسل تھا، اک کرب مسلسل تھا، وہ کون نہیں تھا جس نے ابا کی منت نہیں کی تھی، اولاد کی محبت نہیں یاد کروائی تھی مگر ابا کی ایک ناں ہاں میں نہیں بدلی تھی، بدل بھی نہیں سکتی تھی، یہ کوئی اکیلے عانیہ کا معاملہ تھوڑی تھا یہ خاندان کا معاملہ تھا۔

ابا نے تاریخ جلدی کی اسی لئے رکھی کہیں اولاد کی محبت جوش نہ مار دے اور ابا کا خاندان بکھر کر رہ جائے، اگر بیٹی کی محبت بچاتے تو بہن کو کھو دیتے نہ صرف بہن کو پورے خاندان کو اور اپنے خاندان سے کٹ کر تو کوئی بھی نہیں رہ سکتا، زندگی کے ہر موڑ پر رشتوں کی ضرورت آگے رہتی ہے اور یہ جوانی کی محبت ہے بھی کیا محض پانی پہ اک بلبلا، ابھی پھونک مارو ابھی ختم، ابا کو کبھی کوئی سوچ مضطرب بھی کرتی تو وہ سر جھٹک دیتے۔

ایک مہینہ ایسے گزرا جیسے مہینہ نہ ہو ایک دن ہو، ابھی دن نکلا اور ابھی غروب، مگر یہ کوئی عانیہ اور جذلان سے پوچھتا دن کیسے گزرے اور رات کیسے کٹتی ہے، عانیہ جب ہر طرف سے مایوس ہو گئی تو اس کے پاس بس ایک راستہ رہ گیا، وہ سعدان کو سب بتا دے، اب وہی تھا جو کچھ کر سکتا تھا، رات کا پہلا پہر شروع ہو چکا تھا، جب عانیہ نے اسے فون کیا تھا۔

''ہیلو سعدان میں عانیہ بات کر رہی ہوں۔''

''پہچان لیا ہے عانیہ، کیا بات ہے خیریت؟'' وہ حد درجہ حیران تھا۔

''مجھے تم سے بات کرنی تھی۔'' عانیہ نے فون تو کر دیا تھا مگر اب ہچکچا رہی تھی، وہ دونوں کزنز تھے، مگر ایک دوسرے سے انتہا کے لاپرواہ، یا پھر یہ بے نیازی اور لاپروائی صرف عانیہ کی طرف سے تھی، وہ بچپن سے اپنے ننھیال سے زیادہ نزدیک رہی تھی، ددھیال سے بے تکلفی بس برائے نام ہی تھی اور سعدان سے تو وہ بھی نہیں تھی، سعدان کے اندر تجسس سا پھیلا۔

''ہاں بولو کیا بات ہے؟''

''سعدان مجھے تم سے شادی نہیں کرنی، پلیز سعدان ایک تم ہی ہو جو یہ شادی ہونے سے رکوا سکتے ہو۔'' سعدان کے لب آپس میں سختی سے

پیوست ہو گئے، جبڑے بھینچ گئے اور اب کی بار جب وہ بولا تو اس کی آواز انتہا کی سرد تھی۔

''ایسا ہے عانیہ اسماعیل شادی میں بھی تم سے نہیں کرنا چاہتا، پروپوزل میں نے تانیہ کے لئے بھجوانا چاہتا تھا مگر مانگ امی نے تمہیں لیا، بلکہ یہ سمجھ لو تمہیں مجھ پر تھوپ دیا گیا، یہ رشتہ میرے لئے بھی مجبوری کا سودا ہی ہے، انکار میں نہیں کر سکتا کیونکہ یہ رشتہ میری مرضی سے ہوا ہی نہیں ہے، تم شادی نہیں کرنا چاہتی تو خود ہمت کرو اور انکار کرو۔'' قدرے سپاٹ لہجے میں بات کر کے اس نے فون بند کر دیا، عانیہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے موبائل فون کو دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

سب تو ڈھڈا روگ پیار والا
رب کسے نوں نا لاوے
اس تو پیرا روگ جدائی
سکھ دا ساہ نہ آوے

کمرے کے وسط میں فرش پر وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بالوں میں پھنسائے کہنیاں گھٹنوں پر رکھے بیٹھی تھی، آنسو پت جھڑ کی جھڑی کی طرح اس کی آنکھوں سے بغیر رکے گالوں پر گرتے جا رہے تھے، آج رات اس کی مہندی تھی اور کل بارات، کل وہ باضابطہ طور پر سعدان علی کی بنا دی جاتی، اس کی سسرال سے مہندی کے کپڑے اور پھولوں کے زیورات آ چکے تھے جو اس کے بیڈ پر بالکل اسی حالت میں پڑے تھے جس حالت میں انہیں رکھا گیا تھا، رو رو کر اس کی حالت ابتر تھی مگر آنسو تو جیسے اس کی آنکھوں میں گھر کیے بیٹھے تھے، اپنے دھیان میں اندر آتی تانیہ اس کی اس اجڑی بکھری حالت پر دھک سے رہ گئی، وہ کس کی حالت سنوارتی اس کی جو گھر میں بیٹھا اپنی بربادی پر نوحہ کناں تھا یا اس کی جو پوری دنیا سے بے خبر ماتم زدہ تھی، وہ لپک کر اس کے پاس آئی تھی۔

''عانیہ یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے اپنی، سنبھالو خود کو عانیہ، مہمان آنا شروع ہو گئے ہیں، کوئی دیکھے گا تو کیا سوچے گا۔'' تانیہ نے اسے دونوں کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑا، عانیہ نے ایک جھٹکے سے اس سے اپنا آپ چھڑایا۔

''کیوں آئی ہو تم، ہاں کیوں آئی ہو، اب کیوں مجھے یہ بتا رہی ہو یہ کیا سوچے گا وہ کیا سوچے گا، نہیں ہے مجھے کوئی پرواہ کون کیا سوچے گا، کیوں سوچے گا؟ اجاڑ کر رکھ دیا مجھے تمہاری خود غرضی نے، مار دیا تم نے مجھے، سنا تم نے مار دیا تم نے مجھے۔'' ہزیانی انداز میں چیخ چیخ کر روتی وہ اسے ششدر کر گئی۔

''کیوں کیا تم نے میرے ساتھ ایسا تانیہ، تم جانتی تھی وہ اندر بستا ہے میرے، میں نہیں ہوں ''جو ہے وہ ہے'' کیوں تانیہ، کیوں؟ مجھے اجاڑ کر رکھ دیا، مجھ سے جذلان کو چھین لیا، وہی تو جو ہے باقی تو سب ثانوی ہے، میری ذات وہ ہے، میرا سکون اس میں ہے، میں کیا کروں میں کیا کروں تانیہ؟'' بلک بلک کر روتی فرش پر ایڑھیاں رگڑتی وہ اس وقت اتنی بے بس لگ رہی تھی اتنی تہی داماں کے تانیہ ہچکیوں سے رونے لگی، خود میں اسے بھینچے وہ اس کے ساتھ زار و قطار رو رہی تھی اور ان دونوں کے ساتھ کمرے کے اک کونے میں سر نہیواڑے بیٹھی محبت آہ و فغاں تھی اور کمرے سے باہر دروازے کے بالکل سامنے منجمد کھڑا شہریار ایسے تھا جیسے بے جان لاشہ، وہ لفظ بہ لفظ عانیہ کی ہر بات سن چکا تھا، اگلے دن تک وہ ابا کی جتنی منتیں کر سکتا تھا اس نے کی تھیں، مگر ابا تو ایسے بے حس ہو گئے تھے جن پر کوئی منت کوئی آنسو اثر نہیں کر رہا تھا۔

☆☆☆

اس تو ڈھڈا دکھ نہ کوئی
پیار نہ دو بچھڑے
کسی دا یار نہ وچھڑے

عانیہ نے رو رو کر اپنا حشر اتنا بگاڑ لیا تھا کہ بیوٹیشن کو چار دفعہ اس کا میک اپ کرنا پڑا تھا، آنسو تھے کہ بے قابو تھے، رو رو کر اب وہ بالکل نڈھال ہو گئی تھی، مگر درد تھا کہ بڑھتا جا رہا تھا، اسے مکمل تیار کر کے بیوٹیشن کمرے سے نکل گئی تو وہ کمرے میں بالکل اکیلی تھی۔

''میں تیار ہوں آ جاؤ۔'' جذلان کو میسج کر کے وہ کرسی کی بیک سے ٹیک لگا کر اس نے آنکھیں موند لیں، یہ جذلان کی خواہش تھی کہ وہ جب بھی دلہن بنے سب سے پہلے جذلان اسے دیکھے گا اور یہ تو طے تھا جذلان کی خواہش عانیہ کے لئے ہر چیز سے بالاتر تھی، دروازہ کھلنے کی ہلکی سی آواز پر عانیہ آنکھیں کھولے کھڑی ہو گئی تھی، اس کے بالکل سامنے وہ بکھرے بالوں اور بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ کھڑا تھا، عانیہ کے آنسو ایک دفعہ پھر آنکھوں میں مچلنے لگے تھے، کافی دیر وہ یک ٹک کھڑا اسے دیکھتا رہا یہاں تک کہ اس کی آنکھوں کے زیریں کنارے سرخ ہونے لگے، آنکھوں میں نمی ابھرنے لگی، بمشکل ضبط کیے وہ ایک آخری نگاہ اس کے سجے سنورے وجود پر ڈالے کمرے سے باہر نکل گیا، عانیہ بے دم ہو کر کرسی پر گر گئی، جذلان وہاں مزید ایک پل کے لئے بھی نہیں رکا تھا اور نہ کسی میں ہمت تھی کہ اسے روکتا، اسے دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ کسی بھی لمحے وہ سسک سسک کر رو پڑے گا۔

''عانیہ تم اپنا موبائل گھر ہی چھوڑ کر جانا۔'' تانیہ نے چپکے سے باہر سے جاتے ہوئے عانیہ کے کان میں سرگوشی کی، عانیہ نے شکوے بھری زخمی نگاہوں سے اسے دیکھا تو تانیہ نظر چرا کر گئی، وہ نہیں چاہتی تھی عانیہ سعدان یا پھپھو کے سامنے کوئی بھی بچکانہ حرکت کر کے کوئی نقصان اٹھائے، اب جو کچھ بھی تھا عانیہ کے لئے سعدان ہی تھا، وقت کے ساتھ عانیہ سنبھل جائے گی، اس کا اپنا ذاتی خیال تھا، مگر کوئی عانیہ سے بھی پوچھتا جس کا دل اس وقت کسی اجڑے دیار سے کم ہرگز نہیں تھا۔

☆☆☆

رخصتی ہوئی اور عانیہ اس چھوٹے سے گاؤں سے رخصت ہو کر دینہ شہر کے اس خوبصورت سے بنے دو منزلہ مکان میں آ گئی، مختلف رسموں کے بعد جب اسے کمرے میں لایا گیا تو وہ بالکل نڈھال ہو چکی تھی، بمشکل خود کو بھاری لہنگے اور زیورات سے آزاد کروا کر وہ سادہ حلیے میں بیڈ پر سونے کی نیت سے دراز ہی ہوئی تھی جب سعدان کمرے میں داخل ہوا، اسے بالکل سادہ حلیے میں دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ پھیل گئی، آہستہ روی سے چند قدم چل کر وہ اس کے بالکل سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔

''صبر عانیہ بی بی، اتنی بھی کیا جلدی ہے؟''

''جلدی ہو یا دیر تم یہ پوچھنے کا کوئی حق نہیں رکھتے سعدان علی، سر پر مسلط کی گئی چیزوں کی اتنی پرواہ اچھی نہیں ہوتی۔'' اس کے دوبدو جواب پر وہ محظوظ کن انداز میں مسکرایا۔

''ہاں ٹھیک کہا تم نے، مگر کیا ہے ناں عانیہ بی بی مجھے حرام سے نفرت ہے میری ترجیحات میں حلال کام سرفہرست ہوتا ہے اس لئے یہ تو ناممکن ہے کہ میں اپنے ولیمے کو حرام ہونے دوں۔''

اسے ڈھیروں اذیت میں مبتلا کر کے وہ خود باتھ روم میں بند ہو گیا، عانیہ نے ڈھیروں آنسوؤں کو اپنے حلق سے نیچے اتارا، اس کا دل کر رہا تھا کہ وہ

دھاڑیں مار مار کر روئے۔

اور اس سے بہت دور اسی گاؤں کے ایک نیم تاریک کمرے جذلان دھاڑیں مار مار کر ہی رو رہا تھا، آج کی ظالم رات اسے اتنی بے دردی سے مار رہی تھی کہ وہ نازنین کی گود میں سر رکھے بلک بلک کر رو رہا تھا، اپنی محبت سے وہ اچھی طرح آگاہ تھا مگر اپنی شدتوں سے آگاہی اسے بچھڑنے کے بعد ہوئی تھی، ان دونوں کے لئے محبت پانی پر بلبلا ثابت نہیں ہوئی تھی، ان دونوں کے لئے محبت وہ کند چھری ثابت ہوئی تھی جو آہستہ آہستہ مگر تڑپا تڑپا کر مارتی ہے۔

☆☆☆

وہ تو کہتا تھا اسے ساری دعائیں یاد ہیں
کیا بچھڑ کر پھر سے ملنے کی دعا کوئی نہیں

شادی کے بعد ایک ہفتے تک عانیہ واپس گاؤں نہیں گئی تھی، گھر والوں کا اصرار تھا کہ وہ ولیمے کے بعد ان کے ساتھ چلے مگر اس نے انکار کر دیا تو پھر کسی نے زور نہیں دیا، یہ نہیں تھا کہ وہ کسی سے ناراض تھی یا کوئی شکوہ تھا اسے، اس نے مان لیا تھا کہ جذلان اس کی قسمت میں نہیں تھا، مگر بہت مشکل تھا دوبارہ ان راہوں کی ہم سفر بننا جو جذلان کی ذات تک جاتے ہوں، وہ آج بھی اس میں تھا اسے کل بھی اس میں ہی رہنا تھا، مگر عانیہ اسے دیکھنا نہیں چاہتی تھی کہ بڑی مشکل سے اس نے اپنی آنکھوں کو خشک کیا تھا ہاں یہ اور بات ہے کہ دل کا رونا اول روز جیسا تھا۔

عانیہ نے کھانا پینا بالکل چھوڑ دیا تھا اس کے دن رات چائے کے بڑے بڑے کپوں پر گزر رہے تھے، سارا دن وہ اپنے کمرے میں بند رہتی اور رات کو ٹھنڈے فرش پر پہروں ننگے پاؤں چلتی، اس کے اندر جو آگ روشن تھی اس نے تا زندگی اسی طرح روشن رہنا تھا، سعدان اسے دیکھ دیکھ کر کڑھتا رہتا، وہ صبح و شام اس کی امی کو فون کر کے اس کے کھانا نہ کھانے کی شکایت کرتا، اسے بہلانے کی ہر ممکن کوشش کرتا، اس کے فیورٹ چپس کے پیکٹس اس کے سرہانے پڑے رہتے، عانیہ انہیں ہاتھ بھی نہ لگاتی۔

سعدان نے اس کے رویے سے تھک ہار کر ثانیہ سے رابطہ کیا تو وہ پہلی فرصت میں اس کے پاس حاضر تھی۔

''تم یہ کیا کر رہی ہو عانیہ، اپنا نہیں تو کم از کم ہمارا ہی خیال کر لو، آخر کیا ثابت کرنا چاہتی ہو تم، جان کیوں نہیں لیتی کہ وہ نہیں تھا تمہاری قسمت۔'' ثانیہ کے انداز میں حد درجہ بے چارگی تھی۔

"مان چکی ہوں تانیہ کہ وہ نہیں تھا قسمت میں، مان چکی ہوں کہ میری قسمت میں ہی بے رحم نکلی، مگر تانیہ یہ مت کہنا کہ اسے بھول جاؤں، سعدان کے ساتھ خوش رہوں وغیرہ وغیرہ، کیونکہ اسے بھولنا اور خوش رہنا یہ میرے اختیار میں ہی نہیں ہے، میں تو اسی دن مر گئی تھی، جس دن وہ مجھ سے بچھڑا تھا یہ تو بس خالی خولی سانسیں چل رہی ہیں اس لئے مجھ سے اب تم لوگ کوئی امید نہ رکھو اور نہ ہی توقع رکھو کہ مرے ہوئے انسانوں سے کسی قسم کی کوئی توقعات رکھنا نری بے وقوفی ہے۔" طنزیہ مسکراہٹ ہونٹوں پر لئے وہ تانیہ کو منجمد کر گئی تھی، اس کے بے رحم انداز نے تانیہ کو اندر تک ہلا کر رکھ دیا تھا، تو یہ طے تھا جذلان اور عانیہ نے ساری زندگی ایک ہی مدار کے گرد گھومنا تھا، یہ دونوں ایک دوسرے کی ذاتوں میں مدفون تھے، بھلا روحوں کے حصے بھی بچھڑتے ہیں۔

☆☆☆

رات کے پچھلے پہر
بیڈروم میں پھیلی
زرد بلب کی مدھم روشنی میں
جب اس کی آنکھ کھلتی ہے
میری جگہ بستر پر، خالی سلوٹیں پا کر
پھر وہ یکدم اٹھتا ہے
اس کے قدم خود بہ خود
چھت کی طرف بڑھتے ہیں
پھر دبے قدموں سے
میرے پیچھے آ کر وہ
دھیرے سے میرے شانوں پر
ہاتھ رکھ کر کہتا ہے
"کیا چاند کا شاعرانہ حسن
تمہیں اس قدر بھاتا ہے
کہ تم راتوں کے اٹھ اٹھ کر
پہروں اس کو دیکھتی ہو"
"کچھ یہی سمجھ لو تم"
اتنا کہہ کر میں اس کو ٹال دیتی ہوں
پھر اس کی سنگت میں سیڑھیاں اترتے وقت
دل کے نہاں خانے سے اک آواز آتی ہے
کس طرح بتاؤں میں
کیا تمہیں سمجھاؤں میں
مجھ سے دور کہیں کوئی گرمیوں کی راتوں میں
لائٹ کے جانے پر
حبس زدہ کمرے کی
جب کھڑکی کھولتا ہوگا
چاند کو دیکھتا ہوگا!!!

اور آج چھ سال بعد عانیہ دو پیارے پیارے بچوں کی ماں تھی، سعدان کی محبت اس کے لئے بے مثال تھی، مگر آج بھی عانیہ سعدان کی قربت میں سسک سسک کر روتی تھی، آج بھی اس کی آنکھیں ساون بھادوں کی طرح بہتی تھیں، آج بھی اس کی محبت اس کے دل میں بنی محبت کی قبر پر مرگ محبت پر دھاڑیں مار مار کر روتی تھی اور آج بھی وہ آدھی راتوں کو اٹھ کر ٹھنڈے فرش پر پہروں ننگے پاؤں بیٹھی تھی کہ۔

آج بھی وہ جانتی تھی جذلان سالار ایک بچے کا باپ بن کر بھی پہروں عانیہ اسماعیل کے لئے روتا ہے، کہ آج بھی ان دونوں کی محبت کو اس لمحہ کا انتظار تھا جب اوپر دور آسمانوں میں ان کی روحوں کا ملاپ ہوگا، کہ دنیا کی یہ عارضی جدائی برداشت کر کے وہ اللہ سے ایک دوسرے کو مستقل زندگی کے لئے مانگیں گے، ایک ایسی زندگی جسے موت نہیں اور جو ہمیشہ رہنے والی ہے کہ اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور انہیں محبوب رکھتا ہے۔

☆☆☆

قسمیں وہی خبر نہ ہو
قرۃ العین خرم ہاشمی

''بہت اچھا کھانا بنایا آج ثمرین نے، کوفتے اتنے نرم اور ذائقہ دار، سچ مزا آ گیا کھانے کا۔'' عصمت باجی نے گرین ٹی کا سپ لیتے ہوئے کہا تو ٹی وی میں مکمل طور پہ گم شرجیل صرف ہوں کہہ کر رہ گیا۔

''کیا ہے شرجیل! اتنے دنوں بعد آج ہم بہن بھائی مل کر بیٹھے ہیں پلیز اس ٹی وی کی جان تو چھوڑ دو، سہیل کا بھی گھر آتے یہ ہی کام ہے، بس ٹی وی اور ٹی وی، بیوی بچے جائیں بھاڑ میں۔'' عصمت باجی نے شرجیل کے ہاتھ سے ریموٹ لیتے ہوئے غصے بھرے لہجے میں کہا تھا، ساتھ ہی اپنے شوہر کو بھی گھسیٹ لیا تھا، جو بیوی کی بات پر کھسیانی ہنسی ہنس رہے تھے۔

''سہیل بھائی تو بہت تابعدار سے شوہر ہیں، مجھے پتا ہے جو آپ کہتی ہیں ہوتا وہی ہی ہے، کیوں سہیل بھائی۔'' شرجیل نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا تو سہیل اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔

''بالکل بجا فرمایا تم نے، ارے بھائی اگر روز ان کے بنائے بدمزہ اور پھیکے کھانوں کی بھی تعریف نہ کروں تو یہ وہ بھی دینا بند کر دیں، یہ میں جانتا ہوں یا میرا معدہ، کیسے کیسے ظلم ڈھائے ہیں اس پہ تمہاری ہمشیرہ نے، مختلف تجربات کر کر کے۔''

حسب توقع سہیل بھائی شروع ہو چکے تھے، عصمت باجی کی تیوریاں چڑھ گئی تھیں، شرجیل ایسے ہی کرتا تھا، تیلی لگا کر تماشا دیکھنے والا، ابھی بھی وہ صوفے کی بیک پہ ایک ہاتھ پھیلائے اطمینان سے دونوں کی نوک جھونک سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

''ہاں تو اس میں میرا کیا قصور تھا، پھپھو امی نے ایف اے کے فوراً بعد ہی مجھے رخصت کر دیا تھا، کھانا پکانا مجھے نہیں آتا تھا، جو سیکھا شادی کے بعد ہی سیکھا، اب تو سب کچھ بنا لیتی ہوں۔'' عصمت باجی نے ہمیشہ کی طرح پہلے وضاحت دی تھی، دراصل ماں باپ کے آگے پیچھے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ساری ذمہ داری بیوہ پھپھو پہ آ گئی تھی، جن کے اپنے بچے تو نہیں تھے مگر انہوں نے عصمت اور شرجیل کو اپنے بچوں کی طرح ہی سمجھا تھا، اس لیے عصمت کی شادی بہت چھوٹی عمر میں کر دی گئی تھی۔

اور شرجیل جو عصمت سے دو سال چھوٹا تھا اس کی تربیت میں وقت گزارنے لگیں، مگر بدقسمتی سے جب تک شرجیل کسی قابل ہوا، پھپھو امی بھی قضائے الٰہی سے وفات پا گئیں اور اس کی شادی کی ذمہ داری عصمت باجی کے سر آ پڑی، جسے ان نے بہ خوبی نبھایا تھا، ثمرین پڑھی لکھی، من موہنی صورت اور طبیعت کی مالک لڑکی تھی اور شرجیل کی زندگی میں آ کر اسے بھی سجا دیا تھا، (یہ عصمت باجی کا خیال تھا جس سے شرجیل متفق نہیں تھا)۔

''کھانا بنا لیتی ہو بس گھر میں مگر ثمرین جیسا نہیں، ماشاءاللہ بہت سلیقہ طریقہ ہے بچی میں۔'' سہیل بھائی نے شفقت بھرے لہجے میں کہا تھا، وہ اسی طرح ثمرین کو سراہتے تھے ہمیشہ۔

''خیر سہیل بھائی! اب ایسی بھی کوئی خاص بات نہیں ہے محترمہ کی کوکنگ میں، دراصل دور کے ڈھول سہانے ہی لگتے ہیں، یہ تو جس پہ گزر رہی ہو وہ ہی بتا سکتا ہے۔'' شرجیل نے منہ بناتے ہوئے کہا تھا، اسی وقت کسی کام سے وہاں سے گزرتی ثمرین کے کانوں میں یہ الفاظ پڑے تھے اور وہ فق چہرہ لیے فوراً واپس مڑ گئی تھی، مگر عصمت باجی دیکھ چکیں تھیں۔

''شرم کرو شرجیل! بے چاری اتنی گرمی میں تمہارے مہمانوں کی خاطر مدارت میں لگی ہوئی

ہے اور ایک تم ہو کہ سراہنے یا تعریف کرنے کے بجائے ہمیشہ اس میں نقص نکالتے رہتے ہو چار سال ہو گئے ہیں تمہاری شادی کو مگر تم نہیں بدلے آج بھی۔" عصمت باجی حسب معمول اس پر برس پڑیں تھیں، جو لاپروائی سے سنتا اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

"اچھا چھوڑیں، آپ کیوں اپنا موڈ آف کرتی ہیں، ایسا کرتے ہیں اگلے ویک اینڈ پہ سب مل کر پکنک پہ چلتے ہیں، آپ کے دونوں شہزادے بھی فارغ ہوں گے، جن کو سوائے پڑھائی کے علاوہ کچھ نہیں سوجتا ہے۔" شرجیل نے بہن کا دھیان بٹانے کے لئے کہا تھا، عصمت کے دو بیٹے تھے، جو بالترتیب 9th نویں اور دسویں کلاس کے طالب علم تھے اور آج کل پڑھائی کی وجہ سے بہت مصروف، اس لئے ماموں کے گھر نہیں آئے تھے۔

"پھپھو! یہ دیکھیں میری ڈول کتنی پیاری ہے اس کے بال کتنے لمبے ہیں۔" تین سالہ حریم نے پاس آتے ہوئے کہا تو عصمت نے اسے اٹھا کر چوم لیا، اس سے ایک سال چھوٹا معاذ سو رہا تھا، حریم کے آنے سے ماحول ایک دم ہی بہت ہلکا پھلکا اور خوشگوار سا ہو گیا تھا، اسی وقت ثمرین بھی مسکراتی ہوئی وہاں آ بیٹھی، وہ شرجیل کے رویئے کی عادی تھی، اس لئے خود کو جلد سنبھال لیتی تھی، ابھی بھی وہ عصمت کے ساتھ ایسے باتیں کر رہی تھی جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔

عصمت اسے سمجھداری جبکہ شرجیل چالاکی کہتا تھا، اس کے لئے ثمرین صرف بیوی تھی جس پہ اعتراض کرنا اور نقص نکالنا وہ اپنا فرض سمجھتا تھا، ہر عام مرد اور تنگ نظر شوہر کی طرح۔

☆☆☆

اس کی ذات پرسکون جھیل کی طرح تھی، اندر گہرائی میں کتنے ہی تلاطم ہوں مگر اوپر سے پرسکون نظر آتی تھی چہرے پہ دھیمی سی مسکراہٹ سجائے وہ اپنے کاموں میں مگن رہتی تھی۔

اظفر نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے دھواں ہوا میں چھوڑا تھا، وہ دونوں اس وقت اپنے آفس کی پارکنگ ایریا میں کھڑے سگریٹ پی رہے تھے، آفس میں سگریٹ پینا ممنوع تھا، اسی لئے لنچ کرتے ہی وہ یہاں کا رخ کرتے تھے، حسب معمول اظفر اپنے ماضی کا دہرانے لگا اور شرجیل کسی کا نہ سننے والا، بہت خاموشی اور اشتیاق سے اسے سنتا تھا۔

اظفر اور شرجیل کی دوستی کو ڈیڑھ سال ہوا تھا، سادہ مزاج اور مخلص اظفر بہت جلد اس کے قریبی دوستوں میں شامل ہو گیا تھا۔

اور سب کے درمیان کم بولنے والا اظفر تنہائی ملتے ہی اس سے باتیں کرنے لگتا اور اس کی باتوں کا 99 فیصد حصہ، اس کی اماں کی خالہ زاد کی کھوئی ہوئی بیٹی مینا ہوتی جو خوش قسمتی سے یونیورسٹی میں اس کی کلاس فیلو بھی رہی تھی، اظفر کی فیملی کراچی میں تھی مگر اس نے تعلیم لاہور سے حاصل کی تھی۔

بقول اظفر کے کہ وہ پہلی نظر میں محبت کا شکار نہیں ہوا تھا بلکہ اس کی ذات کی خوبیوں اور شخصیت کے رکھ رکھاؤ نے اسے آہستہ آہستہ کر کے اپنا گرویدہ بنایا تھا کہ اتنے سال گزر جانے کے باوجود وہ اسے آج بھی نہیں بھول پایا تھا اور ہر لڑکی میں اسی کی خوبیاں تلاش کرتا تھا، اسی لئے آج تک کنوارا تھا۔

اور شرجیل جو پہلے اسے غیر توجہی سے سنتا تھا، آہستہ آہستہ سلو پوائزن کی طرح اس کی باتوں، اس کی مینا کا عادی ہوتا گیا، اظفر کی باتیں سن سن کر ایک خیالی پیکر اس کے ذہن میں بنتا جا

رہا تھا اور وہ بھی مینا کو ویسے ہی جانتا تھا جیسے کہ اظفر اور وہ بھی مینا سے ایسے ہی محبت کرنے لگا تھا جیسے کہ اظفر۔

''ہاں بن دیکھے، بن ملے، صرف سن سن کر اس کی مینا کی محبت کی زنجیروں میں جکڑتا چلا گیا، اس بات اور اس کی حالت سے بے خبر اظفر اپنی ہی رو میں مینا مینا کرتا جاتا تھا اور اندر ہی اندر اس کی باتیں حفظ کرتا، مینا کو جاننے کے سفر پہ نکل چکا تھا۔''

یہ کیسی شراکت تھی، جس کے دعوے دار دونوں ہی نہیں تھے مگر پھر بھی اپنی اپنی ملکیت ضرور سمجھتے تھے، اظفر کی مینا، کب اس کی بھی مینا بن گئی اسے پتا ہی نہیں چلا تھا، مگر دن بہ دن اسے دیکھنے اور جاننے کا اشتیاق بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا اور جس سے اظفر قطعی لاعلم اپنی رو میں بولتا ہی چلا جاتا تھا اور شرجیل سنتا ہی چلا جاتا تھا۔

☆☆☆

''کہاں رہ گئی تھی تم! حریم کب سے رو رہی ہے۔'' شرجیل نے ثمرین کو آتے دیکھ کر کوفت بھرے لہجے میں کہا تھا، ثمرین، حریم کو شرجیل کے پاس کار میں چھوڑ کر کچھ ضروری چیزیں لینے ڈیپارٹمنٹل سٹور میں گئی تھی، شرجیل پہلے ہی آفس سے تھکا ہارا واپس آیا تھا اس لئے وہ حریم کو لے کر کار میں ہی بیٹھا رہا اور ثمرین، معاذ کو اٹھا کر اپنا بیگ سنبھالے اندر کی طرف چلی گئی تھی، باپ کے ساتھ مگن سی کھیلتی حریم کچھ دیر بعد منہ بسورنے لگ گئی تھی۔

''کاؤنٹر پہ رش بہت تھا، بل پے کرنے میں وقت لگا۔'' اس کے ساتھ آئے ملازم لڑکے نے دو بڑے بڑے شاپنگ بیگز پچھلی سیٹ پہ رکھے، ثمرین نے اسے پچاس کا نوٹ دیا تو وہ جھک کر سلام کرتا چلا گیا۔

''تم نے تو کہا تھا کہ کچھ چیزیں لینی ہیں اور یہ سب۔'' شرجیل نے بلاوجہ ہی چڑتے ہوئے پیچھے پڑے تھیلوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''سب لسٹ کے مطابق ہی ہے، آپ ٹینشن مت لیں۔'' ثمرین نے نرمی سے کہا تھا، حریم پچھلی سیٹ پہ بیٹھی چاکلیٹ کھا رہی تھی، جبکہ دو سالہ معاذ ثمرین کی گود میں تھا، ثمرین کی سانس بھی پھولی ہوئی تھی اور ماتھے پہ پسینے کے قطرے چمک رہے تھے، شرجیل سے زیادہ خراب حالت اس کی ہو رہی تھی جبکہ شرجیل اے سی والی گاڑی میں بیٹھا بھی آگ بگولہ ہو رہا تھا، اسے اسی طرح ثمرین کی ہر بات پہ غصہ آتا تھا، اعتراض ہوتا تھا، وہ ان مردوں میں سے تھا جو بیوی کو بات بات پہ بے عزت کرنا اور انہیں نیچا دیکھانا اپنا فرض سمجھتے ہیں، بیوی کو سراہنا یا اس کی تعریف کرنا، اسے سر چڑھانے کے مترادف تھا، اسی لئے شروع سے ہی شرجیل کا رویہ ثمرین کے ساتھ ایسا ہی تھا۔

ثمرین کو جسے پہلے شرجیل کے رویئے سے تکلیف ہوئی تھی، اب کافی حد تک عادی ہو چکی تھی یا سمجھدار بیوی کی طرح اپنے گھر کا سکون قائم رکھنے کے لئے خاموش ہو جاتی تھی۔

''شرجیل پلیز! دس منٹ کے لئے گاڑی یہاں روکنا، مجھے کچھ کتابیں لینی ہیں، کافی عرصے سے سوچ رہی ہوں مگر بچوں کے ساتھ نکلنا ممکن ہی نہیں ہوتا۔'' ثمرین نے بک شاپ کے سامنے کار روکنے کا کہا تو شرجیل تپ گیا۔

''جاہل عورت ہو، جسے یہ تمیز نہیں ہے کہ شوہر سارے دن کا تھکا ہارا پہلے ہی تمہارے ساتھ بازاروں کی خاک چھان رہا ہے اب فضول شوق کے لئے اسے خوار کر رہی ہو، کیا دیتی ہیں یہ کتابیں، صرف افسانوی باتیں اور خواب۔'' شرجیل نے غصے سے کہتے ہوئے ایکسلیٹر

پاؤں رکھ دیا اور زن سے گاڑی وہاں سے گزار کر گھر کی طرف جانے والی سڑک پہ موڑ دی، شمرین نے یکدم آنکھوں میں اُمڈ آنے والے آنسوؤں کو چھپانے کے لئے رخ موڑ لیا اور کار کے شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔

زندگی کے ہر نا کام قدم پہ صبر اور برداشت کے گھونٹ پینا آسان نہیں ہوتا ہے، انسان جو جذبات اور احساسات سے گندھا، مجسم ہوا ہے اس کے لئے فطرت سے انحراف کرنا بہت مشکل ہوتا ہے اور اسی لئے صبر کرنے والوں کے لئے بہت انعام رکھا گیا ہے اور ایک ماں کے لئے اس کے بچوں کے سکون اور اچھی ذہنی تربیت سے بڑا انعام کیا ہوتا ہے۔

اسی لئے شمرین بہت سی جگہوں پہ صبر کے گھونٹ پیتی، خاموش ہو جاتی تھی، مگر دل کو کرلانے سے، دکھی ہونے سے روک بھی نہیں پائی تھی۔

☆☆☆

بیوی کے شوق کو فضول کہنے والا خود پچھلے کئی گھنٹوں سے اظفر کے ساتھ لاہور ایکسپو سینٹر میں لگے، کتاب میلہ میں پھر رہا تھا، اظفر نے شاعری کی کئی کتابیں خرید لیں تھیں، شرجیل کو کبھی شاعری شغف نہیں رہا تھا اس لئے وہ صرف دیکھنے پہ اکتفا کر رہا تھا۔

مگر مختلف کتابوں کو دیکھتے، انہیں چھوتے ان کی صاف جلد پہ ہاتھ پھیرتے بے داغ صفحے پلٹتے شرجیل نے پہلی بار محسوس کیا تھا کہ کتابیں اپنے اندر کتنی کشش رکھتی ہیں، ان کہی داستانوں کی طرف اشارہ کرتی خود میں گم ہونے کی دعوت دیتی ہیں اس لئے ایک بار ان کے سحر میں ڈوبنے والے، تا حیات اس سے باہر نہیں آتے ہیں۔

''تم جانتے ہو؟ یونیورسٹی میں لگنے والے تین روزہ کتاب میلہ مینا کی کمزوری تھا، ہر اسٹائل پہ رک کر، مختلف کتابوں کو کھنگالتے رہنا، صفحے پلٹ پلٹ کر دیکھتا وہ ارد گرد سے یکسر بے نیاز نظر آتی تھی۔''

مگر اس وقت اس کے چہرے پہ پھیلی خوشی اور اطمینان دیکھنے کے قابل ہوتا تھا۔

اظفر نے کتابوں کا ڈھیر کار کی پچھلی سیٹ پہ رکھتے ہوئے کہا تھا، اس نے گہری سانس لی تھی، جیسے پچھلے چند گھنٹوں کی خواری کا صلہ مل گیا ہو۔

''شاید یہ سب انسانوں کے ساتھ ہوتا ہو کہ جب ہم کسی بھی حالت، یا کیفیت میں اپنے آپ سے ہم کلام ہوتے ہوں تو ہمارے اندر کا اچھا اور برا عکس بہت واضح ہو کر ہمارے چہروں پہ ثبت ہونے لگتا ہے، نیک اور اچھی روح، پاکیزگی اور معصومیت کا تاثر دے گی اور بری اور بدسوچ رکھنے والے تختی اور مکاری کا تاثر دیتے ہیں۔'' اظفر نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے فلسفہ جھاڑا تھا، مگر حیرت کی بات ہے کہ وہ بور نہیں ہو رہا تھا۔

''بالکل اسی طرح مینا بھی کتابوں کے درمیان کھوئی، اپنے آپ سے ہم کلام ہوتی، بہت سادہ اور معصوم لگتی تھی اور میں مختلف بہانوں اور کن اکھیوں سے اسے چوری چوری دیکھتا رہتا تھا۔'' اظفر کے ہونٹوں پہ اداس مسکراہٹ تھی۔

''کیا تم کبھی ان کے گھر نہیں گئے تھے؟ تمہاری تو رشتہ داری تھی۔'' شرجیل نے دل میں آیا سوال پوچھ ہی لیا۔

''ہاں میری امی کی منہ بولی بہن تھیں غزالہ آنٹی، مگر ان کی شادی جہاں ہوئی وہ کافی سخت مزاج اور روکھے لوگ تھے، غزالہ آنٹی کے شوہر تو اپنے سسرالیوں سے ملنا جلنا بھی خاندان میں کہیں

بھی آنا جانا پسند نہیں کرتے تھے، ان کی وفات کے وقت مینا یونیورسٹی کے فائنل ائر میں تھی، تب میں ایک دو بار ان کے گھر ضرور گیا تھا، جہاں وہ اپنے تایا کے ساتھ رہتی تھیں، اس لئے بار بار جانا مناسب نہیں لگا تھا، اس کے امتحانوں سے فارغ ہوتے ہی اس کے تایا نے مینا کا رشتہ طے کر دیا تھا، میں جو اچھی جاب کے انتظار میں تھا، منہ دیکھتا ہی رہ گیا، مینا کی شادی پہ ہمارے یہاں سے کوئی نہیں شریک ہوا تھا، امی ابو ان دنوں عمرے پہ گئے ہوئے تھے اور میری ہمت نہیں پڑی اسے کسی اور کا دیکھنے کی۔'' اظفر نے اداسی سے بتایا تھا۔

''تم اب شادی کیوں نہیں کر لیتے، تمہارے سب بہن بھائیوں کی شادیاں ہو گئیں ہیں تم اب کس انتظار میں ہو؟'' شرجیل نے ریسٹورنٹ کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے کہا تھا۔

''انتظار تو خیر اب کس کا کرنا تھا بس ویسے ہی اچھی جاب ملنے اور سیٹ ہونے میں اتنا وقت نکل گیا، مگر بہت جلد تمہیں اچھی خبر دوں گا، آج کل امی اور بہنیں اسی مہم پہ ہیں۔'' اظفر نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا تھا تو مسکراتے ہوئے سرہلا کر رہ گیا۔

☆☆☆

شرجیل دبے پاؤں ٹیرس پہ پہنچا تو ثمرین چائے ہاتھ میں پکڑے ٹھنڈی ہوا کے مزے لیتے ہوئے زیر لب مسکرا رہی تھی، آج موسم بہت اچھا تھا، دونوں بچے سو رہے تھے، شرجیل شام کی چائے پیتے ہوئے کوئی فلم دیکھ رہا تھا، ثمرین کا دل موسم کی خوبصورتی اور بارش کی کن من میں اٹکا ہوا تھا، وہ خاموشی سے اپنا مگ اٹھائے ٹیرس پہ چلی آئی، کچھ دیر بعد مووی ختم ہوئی تو شرجیل، ثمرین کو ڈھونڈتا اس کے پیچھے چلا آیا تھا۔

اس کی آمد سے بے خبر ثمرین کسی لمحے کے زیر اثر کھوئی اپنی ٹھہری اور خوبصورت آواز و لب و لہجے میں کچھ مصرعے دہرا رہی تھی جب اچانک ہی اس کی نظر شرجیل پہ پڑی اور وہ چونک کر واپس حال میں پلٹی، جہاں اس کا خود پسند اور تنک چڑھا شوہر کھڑا اسے گھور رہا تھا۔

''خود سے باتیں کرنا پاگلوں کا کام ہے۔'' شرجیل نے استہزائیہ لہجے میں کہا تھا۔

''آپ کو کچھ چاہیے تھا؟'' ثمرین نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے سنجیدگی سے سوال کیا تھا اور شرجیل کی خاموشی پہ اس کے پاس سے گزرتی اندر چلی گئی، شرجیل نے سر جھٹکتے ہوئے آسمان پہ نظر دوڑائی۔ اس کی ذہنی رو خود بخود اس ان دیکھی لڑکی کی طرف چلی گئی تھی جسے صرف اظفر کی باتوں میں ہی سنا اور جانا تھا۔

''کتنا خوش نصیب ہوگا وہ شخص جسے اتنی اچھی اور قابل لڑکی ملی ہوگی۔'' شرجیل نے گہری سانس لیتے ہوئے سوچا تھا، آج کل اس کا ذہن اسی خیالی پیکر کے ارد گرد گھومتا رہتا تھا۔

☆☆☆

''واؤ گریٹ افتخار عارف! ایک منٹ یار۔'' اظفر نے پاس بیٹھے شرجیل کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور والیوم اونچا کر دیا، شرجیل بھی سامنے دیوار پہ لگی بڑی سی سکرین کی طرف متوجہ ہو گیا، جہاں کوئی مشاعرہ لگا ہوا تھا۔

میری زندگی میں
بس ایک کتاب ہے
اک چراغ ہے
ایک خواب ہے اور تم ہو
یہ کتاب و خواب کے درمیان جو منزلیں ہیں
میں چاہتا تھا
تمہارے ساتھ بسر کروں

یہی کل اثاثہ زندگی ہے
اسی کو زادِ سفر کروں
کسی اور سمت نظر کروں
تو مری دعا میں اثر نہ ہو
میرے دل کے جادہ خوش خبر پہ، بجز تمہارے
کبھی کسی کا گزر نہ ہو
مگر اس طرح کہ تمہیں بھی اس کی خبر نہ ہو

''یہ نظم اس کی پسندیدہ تھی، جب بھی اس سے فرمائش کی جاتی یا کسی بھی موقع پہ وہ اس نظم کو اتنے جذب اور خوبصورت لب و لہجے میں پڑھتی تھی کہ سننے والا سحر زدہ ہو جاتا تھا۔''

اظفر نے نظم ختم ہو جانے کے بعد آواز بند کرتے ہوئے کہا تھا، اب شرجیل سمجھ آئی تھی کہ اظفر نے اسے خاموش رہنے کا کیوں کہا تھا، اسے افسوس ہوا کہ اس نے توجہ سے وہ نظم کیوں نہیں سنی۔

''اچھا یار! بھول جا اب اسے، اگلے ہفتے تیری شادی ہے، اپنے ماضی کو کہیں دفن کر دے اور آگے کی طرف دیکھ۔'' شرجیل نے بظاہر اسے سمجھاتے ہوئے کہا تھا، مگر وہ دل سے یہ چاہتا تھا کہ اظفر اسی طرح بینا کی باتیں کرتا رہے اور وہ سنتا رہے۔

''وہ بہت عام سی دکھنے والی لڑکی تھی مگر مجھے وہ ہمیشہ سب سے خاص لگتی تھی، ایک بات سچ کہوں گا، میں اس سے انسپائر زیادہ تھا، محبت تو بہت بعد میں ہوئی جا کر، اس کی ذات کی خوبیاں اور مضبوط شخصیت ہر ایک کو اپنے حصار میں لے لیتی تھی اور میری ہمیشہ سے یہ خواہش رہی ہے کہ اگر قسمت میں وہ نہیں لکھی تھی تو کوئی اس جیسی یا اس کے جیسی خوبیاں رکھنے والی میری ہم سفر بنے۔'' اظفر نے چائے کے سپ لیتے ہوئے کہا تھا، شرجیل نے اثبات میں سر ہلا کر چائے کا کپ پکڑا تھا۔

''خیر چھوڑو ان سب باتوں کو، تم نے اپنی فیملی سمیت شادی میں ضرور شرکت کرنی ہے اور میں کوئی بہانہ نہیں سنوں گا کہ شادی کراچی میں ہو رہی ہے وغیرہ وغیرہ۔'' اظفر نے دوبارہ سے یاد دہانی کروائی تھی، تو شرجیل نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''یار پوری کوشش کروں گا، مگر تم جانتے ہی ہو آفس سے چھٹی ملنا آسان نہیں، شادی پہ نہ سہی اچھی سے گرینڈ دعوت پہ ہم ضرور ملیں گے انشاء اللہ۔'' شرجیل کے کہنے پہ اظفر ہنس پڑا تھا۔

☆☆☆

''کدھر ہو یار! نظر ہی نہیں آتے ہو؟ تمہاری شادی کیا ہوئی تم تو دنیا سے لاتعلق ہو کر رہ گئے ہو۔'' شرجیل نے اظفر کے پاس آتے ہوئے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا تھا، اظفر جو فائل اٹھائے ہوئے باس کے کمرے سے نکلا تھا چونک کر رہ گیا۔

''آں نہیں یار! بس زندگی ایک دم ہی بدل کر رہ گئی ہے، پھر روز بروز بڑھتا کام کچھ اور سوچنے ہی نہیں دیتا۔'' اظفر نے شرجیل کے ساتھ چلتے ہوئے اپنے کیبن کی طرف قدم بڑھائے تھے، اس کی شادی کو دو مہینے گزر چکے تھے اور شادی کے بعد وہ بہت مشکل سے ہی فارغ ملتا تھا، آفس میں بھی فائلوں میں سر کھپائے رہتا اور چھٹی ہوتے ہی فوراً گھر کی طرف بھاگتا، شرجیل سمیت سب کولیگز ہنستے تھے کہ نئی نئی شادی ہے، شروع میں سب کا حال ایسا ہی ہوتا ہے۔

''میں اور تمہاری بھابھی کب سے تمہیں دعوت دے رہے ہیں مگر تم ہر بار ہی ٹال جاتے ہو، اگر فارغ ہو تو اس اتوار کا دن رکھ لیں۔'' شرجیل نے مسکراتے ہوئے کہا تھا، تو اظفر سر ہلا

کر رہ گیا۔

''اچھا میں گھر جا کر نوشین سے بات کروں گا اگر ہم لوگ کہیں اور انوائیٹڈ نہ ہوئے تو ضرور آئیں گے۔'' اظفر نے جلدی سے کہا تھا جیسے فی الحال ٹالنا چاہ رہا ہو۔

''یار یقین کرو میں نے گھر میں تمہارا ذکر اتنی بار کیا ہے کہ عصمت آپا اور ثمرین کو بہت شوق ہے تم سے ملنے کا، تمہاری شادی کراچی میں ہوئی، اس لئے آنا ممکن نہ ہوا مگر اب تم بھابھی کو لے کر کسی دن ہمارے گھر ضرور آؤ، بہت اچھا لگے گا تمہیں ثمرین اور بچوں سے مل کر۔'' شرجیل نے مسکراتے ہوئے اسے دوبارہ دعوت دی تھی۔

''آں ہاں ضرور میں ثمرین بھابھی سے ملوں گا۔'' اظفر نے ماتھے پہ چمکتا پسینہ صاف کرتے ہوئے آخری الفاظ پہ ہکلا کر بولا تھا۔

''اچھا میں نے تمہیں کچھ دن پہلے ہمارے پسندیدہ ریسورنٹ میں دیکھا تھا مگر تم بہت جلدی میں لگ رہے تھے، میں نے آواز بھی دینا چاہی مگر تم نے سنی ہی نہیں، سب خیریت تھی ناں۔'' شرجیل نے اس شام کا حوالہ دیتے ہوئے کہا جب اظفر کی شادی کو زیادہ دن نہیں گزرے تھے، اظفر کا رویہ شرجیل کو کافی عجیب سا لگا تھا اس نے کئی بار اس سے بات کرنی چاہی اس بارے میں مگر اظفر اتنا بزی ہو گیا تھا کہ بمشکل سلام دعا ہی کر پاتا تھا اور یہ ہی چیز شرجیل کو سوچ میں ڈالنے لگی تھی۔

''نہیں ایسا تو کچھ بھی نہیں ہوا، مجھے یاد نہیں ہے، بہت بہت شکریہ تمہاری دعوت کا، میں مطلع کر دوں گا۔'' اظفر نے لاپرواہی سے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

شرجیل نے گھر آ کر ثمرین کو دعوت کی تیاری رکھنے کو کہا، اسے یقین تھا کہ اب کی بار ویسا ہی ہوگا جیسا وہ سوچ رہا ہے اور دو دن بعد اسے آفس جا کر پتا چلا کہ اظفر کو کراچی ہیڈ آفس میں ٹرانسفر کر دیا گیا ہے۔

''کیا؟ اظفر نے کراچی آفس میں ٹرانسفر کروالی۔'' شرجیل نے اس خبر پہ حیران ہو کر اپنے کولیگ اظہر سے پوچھا تھا۔

''ارے یار تمہیں نہیں پتا وہ تو کافی عرصے سے اس کوشش میں لگا ہوا تھا، بالآخر پچھلے تین مہینے کی تگ و دو سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو ہی گیا۔'' اظہر نے تفصیل سے بتایا تو شرجیل خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

''تم جانتے ہو یار مجھے لاہور شہر سے عشق ہے کیونکہ یہ اس کا شہر ہے، میری خواہش ہے کہ میری ساری زندگی اسی شہر کی فضاؤں میں گزرے جہاں وہ سانس لیتی ہے، ہنستی ہے، بستی ہے۔'' ایک بار اظفر نے بہت جذب کے عالم میں شرجیل سے کہا تھا۔

اور اب وہ خود ہی لاہور شہر سے دور بھاگ گیا تھا، جتنا شرجیل اظفر کو جانتا تھا وہ ایک سچا اور باوفا انسان تھا، مینا کے لئے اس کے جذبات عام نہیں تھے مگر پھر۔

ہر منظر، ایک پس منظر ضرور رکھتا ہے اور وہ ہی اصل بنیاد، اصل احساس ہوئی ہے اور اس منظر کے پس منظر سے شرجیل بہت اچھی طرح سے واقف تھا، مگر کیسے؟

☆☆☆

یہ اسی شام کی بات ہے جب ہم ڈنر کرنے مشہور ریسٹورنٹ میں گئے اور وہاں ہی اظفر کا سامنا اپنی ماضی کی مینا اور حال کی ثمرین شرجیل سے ہوا، ایک لمحے کے لئے وہ اسے اپنے سامنے دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا، میں جو کار پارکنگ میں کھڑی کر کے ان کی طرف ہی آ رہا تھا، اظفر کے

منہ سے مینا سن کر بری طرح چونک گیا اور سائیڈ پہ ان کی نظروں سے چھپ کر کھڑا ہو گیا، جہاں مجھ تک ان کی آوازیں بہ آسانی پہنچ رہی تھیں۔

''مینا! تم یہاں؟'' اظفر نے خوشی اور حیرانی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ کہا تھا۔

''اور اظفر بھائی، کیسے ہیں آپ، اماں کے انتقال کے بعد تو آپ سب نے مجھے ایسے بھلا دیا جیسے میں تھی ہی نہیں، اچھا بتائیں آپ کیسے ہیں اور گھر کے باقی لوگ اور یہ آپ کی......'' ثمرین اتنے عرصے بعد کسی اپنے کو دیکھ کر خوشی سے بے قابو ہوتی ہوئی بولی تھی، مگر اس کے ساتھ ایک لڑکی کو دیکھ کر چپ کر گئی۔

''یہ میری مسز نوشین ہیں اور یہ ثمرین عرف مینا ہیں۔'' اظفر نے دونوں کا تعارف کروایا اور پھر بولا تھا۔

''کوشش تو بہت کی مگر تمہاری شادی کراچی سے لاہور ہو گئی تھی، پھر کوئی خبر ہی نہیں ملی تمہاری، لگتا ہے بہت خوش ہو اور بچے بہت پیارے ہیں ماشاء اللہ، کیا کرتے ہیں تمہارے میاں۔'' اظفر نے جھک کر دونوں بچوں کو پیار کیا اور ڈیسنٹ ڈریسنگ میں ملبوس تر و تازہ چہرے والی ثمرین کو دیکھا تھا۔

''شرجیل ایک مشہور ملٹی نیشنل کمپنی میں فنانس ڈیپارٹمنٹ میں ہیں اور......'' ثمرین کے منہ سے نکلے الفاظ اور کمپنی کے نام نے اظفر کو بری طرح چونکا دیا تھا، اس نے حیرانی سے زیر لب کمپنی کا نام دہرایا تھا، اس کا رنگ فق ہو گیا تھا، اس کی بیوی ایکسیوزمی کہہ کر موبائل کان سے لگائے چلتے ہوئے دور چلی گئی۔

''وہ دیکھیں، شرجیل آ رہے ہیں۔'' ثمرین نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو اظفر نے فوراً اس طرف دیکھا اور اس کا چہرہ یک دم پیلا پڑ گیا تھا اور میں بے نیازی سے چلتا ایسے شو کر رہا تھا جیسے میں اظفر کی آمد سے بے خبر ہوں اور میرے اندازے کے مطابق میرے ان تک پہنچنے سے پہلے ہی اظفر ''ابھی آیا'' کہہ کر غائب ہو گیا تھا۔

''کیا ہوا؟ یہاں کیوں کھڑی ہو؟'' میں نے پاس آ کر سرسری سے لہجے میں پوچھا تھا۔

''وہ اماں کے منہ بولی بہن کا بیٹا مل گیا تھا وہ میرے ساتھ یونیورسٹی میں ہی پڑھتے تھے، پھر میری شادی اور اماں کے انتقال کے بعد کسی سے رابطہ نہیں رہا، آج اچانک ہی ملاقات ہو گئی میں ابھی آپ سے بھی ملواتی ہوں، آپ مل کر بہت خوش ہوں گے۔'' ثمرین خوشی سے تمتماتے چہرے کے ساتھ بول رہی تھی، مگر کچھ دیر کھڑے ہونے کے بعد ہم اندر کی طرف چل پڑے، ثمرین بہت امید سے ہر چہرے کو دیکھتی پھر نفی میں سر ہلا دیتی۔

''پتا نہیں کہاں چلے گئے؟ میں ان کا فون نمبر ہی لے لیتی۔'' ثمرین نے افسردگی سے کہا تھا۔

''تم کھانا دھیان سے کھاؤ، اتفاقاً ملنے والے لوگ اسی طرح کھو ہی جاتے ہیں۔'' شرجیل نے نرمی سے کہا تو ثمرین نے بے دلی سے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

☆☆☆

اس بات کو تین سال گزر چکے ہیں، اظفر نے سچ جان کر وہ ہی کیا جو اس جیسے کسی بھی سچے اور شریف آدمی کو کرنا چاہیے تھا، اظفر اور ثمرین یہ نہیں جانتے ہیں کہ میں ان دونوں کے تعلق داری کے بارے میں جان چکا ہوں۔

اظفر جس نے اپنا دل، اپنی محبت کھول کر میرے آگے رکھ دی تھی وہ یہ سچ جاننے کے بعد کہہ

اس کی مینا ہی میری بیوی ثمرین ہے، وہ مجھ سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہا تھا، اسی لئے اس نے یہ شہر چھوڑ جانا ہی بہتر سمجھا۔

اور میں جو اس کی باتیں سن سن کر خیالی مینا سے محبت کر بیٹھا تھا اور اس شخص کے رشک کرتا تھا جس کو اتنی سمجھدار اور قابل لڑکی بطور شریک سفر ملی ہے۔

اور وقت نے کیسا سچ کا تھپڑ میرے منہ پہ مارا تھا میں جو اپنی بیوی کو کم عقل، بے وقوف، جاہل سمجھتا اور کہتا تھا، اس کے کسی عمل یا خوبی نے مجھے کبھی متاثر نہیں کیا تھا بلکہ مجھے ہمیشہ اس پہ اعتراض ہی رہا تھا، یہ وہ منظر تھا جو میری آنکھیں دیکھ رہی تھیں یا دیکھنا چاہتی تھیں۔

مگر اصل میں وہ کتنی خوبیوں اور صلاحیتوں کی مالک تھی، جس کی اپنی الگ منفرد پہچان اور شخصیت بھی ہے، آج میں نے تعصب کی عینک اتار کر دیکھا تو سچ میں خود کو خوش نصیب پایا جسے ثمرین جیسی بیوی ملی۔

اور یہ صرف ایک گھر کی کہانی نہیں ہے اور نہ ہی ایک ثمرین کی ہے۔

اس جیسی کتنی ہی لائق، قابل، سمجھدار، سلیقہ مند لڑکیاں، سسرال میں جا کر جاہل اور گنوار کہلانے لگتی ہیں، گھر سے باہر چاہے عورت کتنی قابل اور لائق ہو مگر گھر میں اس کی عزت اور اہمیت کام والی سے زیادہ نہیں ہوتی ہے۔

سسرال، شوہر، بچے، گھر داری میں پستی عورت کی عزت اور اہمیت سے ہمارے معاشرے میں بہت کم گھرانے واقف ہیں اور یہ ہی ہمارے معاشرے میں بگاڑ اور نا مطابقت کی وجہ بنتی ہے اور اسلام کے مطابق سیدھی سادی زندگی کی بنیاد میں میاں بیوی عزت اور حقوق و فرائض میں ایک دوسرے سے پیچھے نہیں ہیں اور اس کی پرواہ نہ کرنے کی وجہ سے ہی ہمارا معاشرہ بہت سے المیوں کا شکار بن چکا ہے۔

☆☆☆

''ثمرین! آج اپنی پسندیدہ نظم تو سناؤ، کافی دن ہو گئے ہیں تمہارے لہجے کے اتار چڑھاؤ میں ڈوبے ہوئے۔''

رات کے آخری پہر نیند میں ڈوبی سوئی جاگی سی ثمرین سے شرجیل نے اچانک ہی فرمائش کر دی تھی، پچھلے گزرے کچھ سالوں میں شرجیل کا رویہ ثمرین کے ساتھ بہت اچھا ہو گیا تھا، ثمرین جو پہلے اس کے بدلاؤ پہ حیران ہوتی تھی اب خوشی اور تشکر پہ سے اپنے رب کے سامنے سربسجود ہو جاتی تھی، جس نے پتھر کو موم بنا دیا تھا شرجیل ثمرین سے شاعری ضرور سنتا تھا، چاہے اسے سمجھ آئے یا نہ آئے مگر اس کے خوبصورت لب و لہجے میں ڈوبنا اور ابھرنا اسے بہت پسند تھا۔

ثمرین نے بمشکل آنکھیں کھول کر شرجیل کی طرف دیکھا اور دھیرے سے کچھ مصرعے پڑھنے لگی، آخری مصرعے کے آنے تک وہ سو چکی تھی گہری اور پرسکون نیند۔

''ہاں سچ! تمہیں بھی اس کی خبر نہ ہو۔''

شرجیل نے مسکراتے ہوئے زیر لب دہرایا تھا، اس کی کایا کیسے پلٹی تھی ثمرین کا اس سے بے خبر رہنا ہی بہتر تھا۔

شرجیل بالآخر ایک مرد ہی تھا اور ایک مرد کے لئے اپنی ہار تسلیم کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، جب قدرت نے اسے بن مانگے ہر چیز سے نواز دیا تھا تو اسے کیا ضرورت تھی ماضی کی راکھ کریدنے کی۔

شرجیل نے سائیڈ لیمپ کو آف کیا اور ثمرین کے لب و لہجے میں جاوداں ہوتے لفظوں کو دہراتا نیند کی وادی میں اتر گیا۔

☆☆☆

حاصل مطالعہ

تحریم محمود

حدیث نبوی ﷺ

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ کا خیال رکھ وہ تیری حفاظت کرے گا، جب تجھ کو مانگنا ہو تو اللہ تعالیٰ سے مانگ اور یقین کرلے کہ اگر تمام گروہ اس بات پر متفق ہو جائیں کہ تجھ کو کسی بات کا نفع پہنچا دیں ہر گز تم کو نفع نہیں پہنچا سکتے، بجز ایسی چیز کے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دی ہے، اگر وہ سب اس پر متفق ہو جائیں کہ تجھ کو کسی بات سے ضرر پہنچا دیں تو تجھ کو ہر گز ضرر نہیں پہنچا سکتے بجز ایسی چیز کے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دی ہے۔'' (ترمذی شریف)

سعدیہ جبار، ملتان

کام کی باتیں

- زندگی میں وہ راہیں اپناؤ جہاں سے کچھ حاصل کرسکو۔
- بیل کی طرح سہارا مت ڈھونڈو بلکہ درخت کی طرح سہارا بنو۔
- دوست ہزار بھی کم ہیں دشمن ایک بھی زیادہ ہے۔
- اگر روٹی سے عقل حاصل ہوتی تو دنیا کے بے وقوف بھوکے مرجاتے۔
- چھوٹے چھوٹے اخراجات کا خیال رکھو کیونکہ معمولی سوراخ پورے جہاز کو ڈبو دیتا ہے۔
- اس خوشی سے دور رہو جو کل غم بن کر دکھ دے۔
- محبت کرنا اور محبت کو کھو دینا محبت نہ کرنے سے بہتر ہے۔
- عقلمند کہتا ہے میں کچھ نہیں جانتا مگر بے وقوف کہتا ہے میں سب کچھ جانتا ہوں۔
- کسی کو اتنا بھی نہ چاہو کہ بھلانا چاہو تو بھلا نہ سکو۔
- جو اپنے محسن کا ناشکرا ہے وہ اپنے اللہ کا ناشکرا ہے۔

آنسہ ممتاز، رحیم یار خان

طلبا کی نفسیات

☆ ایسے طلباء جو لیکچر کے دوران پین کو عموماً بند رکھتے ہیں وہ عام طور پر مغرور ہوتے ہیں مگر تنہائی پسند ہوتے ہیں۔

☆ ایسے طلباء جو لیکچر کے دوران پین کو کھولتے اور بند کرتے رہتے ہیں وہ عموماً نالائق ہوتے ہیں مگر گھریلو مسائل بڑی خوبصورتی سے حل کر لیتے ہیں۔

☆ ایسے طلباء جو لیکچر کے دوران پین کھول کر رکھتے ہیں مگر لکھتے کم ہیں وہ عموماً ذہین ہوتے ہیں مگر وہ دوسروں کو اچھا مشورہ نہیں دیتے۔

☆ ایسے طلباء جو لیکچر کے دوران پین کی نب جان بوجھ کر دوسروں کو چبھوتے ہیں وہ عموماً حاضر جواب ہوتے ہیں مگر انہیں زندگی میں

کامیابی بڑی دیر بعد ملتی ہے۔

☆ ایسے طلباء جو لیکچر کے دوران پین کو خواہ مخواہ استعمال کرتے رہتے ہیں اور الٹی سیدھی لکیریں کھینچتے رہتے ہیں، وہ عموماً حاضر جواب ہوتے ہیں مگر ان کی پڑھائی میں دلچسپی کم ہوتی ہے۔

☆ ایسے طلباء جو لیکچر کے دوران پین کو بار بار منہ میں رکھتے ہیں وہ عموماً ہوشیار ہوتے ہیں مگر کسی کی چیز کو حفاظت سے نہیں رکھتے۔

☆ ایسے طلباء جو لیکچر کے دوران پین کا ڈھکنا دوسرے ہاتھ میں رکھتے ہیں وہ عموماً لیکچر کو سمجھ لیتے ہیں، مگر ان کے جذبات سرد ہوتے ہیں۔

☆ ایسے طلباء جو کسی مسئلے کو حل کرتے وقت پین کو بار بار کتاب پر مارتے ہیں وہ ریاضی میں کمزور ہوتے ہیں مگر بہترین وکیل ثابت ہو سکتے ہیں۔

☆ ایسے طلباء جو لیکچر کے دوران صرف خاص خاص باتیں نوٹ کرتے ہیں وہ عموماً امتحان میں اچھے نمبر حاصل کر سکتے ہیں مگر وہ کسی کے صحیح دوست نہیں ہوتے۔

☆ ایسے طلباء جو لیکچر کے دوران پنسل کو دانتوں میں دباتے رہتے ہیں وہ عموماً آرٹ میں ماہر ہوتے ہیں مگر وہ جذباتی حوالے سے بڑے حساس ہوتے ہیں۔

فریال امین، ٹوبہ ٹیک سنگھ

قابل غور

۱۔ گر جانا بزدلی کی بات نہیں بلکہ گر کر نہ اٹھنا بزدلی ہے۔

۲۔ کسی شہنشاہ کے تاج سے زیادہ قیمتی موتیوں سے زیادہ چمکدار اور چاندنی رات سے زیادہ پرکشش کوئی چیز ہے تو وہ 'وفا' ہے۔

۳۔ شاعر وہ سپیرا ہے جس کی پٹاری میں سانپوں کی بجائے انسانوں کے دل بند ہوتے ہیں۔

نازیہ کمال، حیدرآباد

بڑی باتیں

O سخاوت بہشت کا ایک درخت ہے جس کی شاخیں زمین پر جھکی ہوئی ہیں، جس نے اس کی شاخ کو تھام لیا وہ اسے جنت میں لے جائے گی۔ (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

O تعجب ہے اس شخص پر جو خدا تعالیٰ کو جانتا ہے اور پھر غیروں کا ذکر کرتا ہے اور ان پر بھروسہ بھی کرتا ہے۔ (حضرت عثمان غنیؓ)

O زبان کو شکوہ سے روک، خوشی کی زندگی عطا کی جائے گی۔ (حضرت ابوبکر صدیقؓ)

O جو شخص اپنی قدر آپ نہیں کرتا اس کی قدر کوئی دوسرا نہیں کرتا۔ (حضرت علیؓ)

O سب سے زیادہ عقلمند شخص وہ ہے جو اپنی بات کو اچھی طرح ثابت کر سکے۔ (حضرت عمر فاروقؓ)

مریم رباب، خانیوال

سوچنے کی باتیں

☆ سورج کی طرح اپنی شخصیت بناؤ جو ہمیشہ روشنی بکھیرتا ہے۔

☆ اپنا زخم اس کو مت دکھاؤ جس کے پاس مرہم نہ ہو۔

☆ ہمت ایک ایسا ہتھیار ہے جو بزدل کو بھی بہادر بنا دیتا ہے۔

☆ بوڑھے آدمی کا مشورہ جوان کی قوت بازو سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔

☆ جو نام دل کی ڈائری پر نقش ہوا سے کاغذوں کی ڈائری پر تحریر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

☆ کسی کا دل نہ دکھاؤ ہوسکتا ہے اس کے آنسو تمہارے لئے سزا بن جائیں۔

☆ زندگی خدا کی نعمت ہے اسے دوسروں کے وقف کردو۔

☆ ایسا پھول مت بن جو خوش نما ہو مگر اس میں خوشبو نہ ہو۔

ام خدیجہ، شاہدرہ لاہور

بے چارہ سماج

اگر اسی طرح ہر بات میں غریب سماج کو قصووار ٹھہرایا گیا تو وہ دن دور نہیں جب کسی کو بخار چڑھے گا تو وہ منہ بسور کر کہے گا کہ یہ سماج کا قصور ہے کوئی کمزور ہوا تو کہے گا کہ یہ سماج کی برائی ہے اور اگر کوئی بہت موٹا ہو گیا تو بھی سماج کو ہی کوسا جائے، نالائق طالب علم امتحان میں فیل ہونے کی وجہ سماج کی کھوکھلی بنیادوں کو قرار دیں گے، یہاں تک کہ گالیاں بھی یوں دی جائیں۔

خدا کرے تجھ پر سماج کا ظلم ٹوٹے، یا اللہ اسے سماج کے پنجے میں کر، یہ ماتما نے چاہا تو سماج سر پر چڑھ کر بولے گا اور دعائیں بھی اس قسم کی ہوں گی، پیسہ دیتا جا بابا، خدا تجھے سماج سے بچائے، یا میرے اللہ مجھے سماج کی ظالم ہوا سے بچائیو، وغیرہ۔

ثناء حیدر، سرگودھا

اللہ کی رسی

سورۃ آل عمران کی آیت 103 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

''اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور فرقوں میں نہ بٹ جاؤ۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو نصیحت فرمائی ہے کہ اس رسی کو مضبوطی سے تھام لو جو اللہ نے قرآن حکیم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں عطا فرمائی ہے، اس رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان انفرادی اور اجتماعی سطح پر خدا کے وحدہ لاشریک ہونے پہ دل کی پوری صداقت سے ایمان لائیں اور اس ایمان پر راسخ رہیں غیر اللہ کو وہ مال و دولت ہو کہ اقتدار اہل وعیال کی محبت ہو کہ جابر حکومت کا خوف، خود پر غالب نہ آے دیں ہر چیز ان کے ایمان باللہ کے تابع رہے گی، وہ اللہ ہی کی عبادت کریں گے صرف اس کی امداد واستعانت پر بھروسہ کریں گے راہ حق میں ہر سختی، ہر آزمائش کو صبر اور استقامت سے برداشت کریں گے سابقہ امتوں کی طرح فردعات میں الجھ کر فرقوں میں بٹ کر نہ رہ جائیں گے۔

رابعہ زرقا، میاں چنوں

اقوال زریں

O محبت جب وفا میں ڈھلتی ہے تو امر ہو جاتی ہے۔

O خاموشی سے وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔

O خوش رہنا چاہتے ہو تو دوسروں کو خوش رکھو۔

O محبت وہ سلطنت ہے جہاں کوئی حکمران نہیں ہوتا۔

O مقصد کے بغیر زندگی ایسی ڈولتی کشتی ہے جسے اپنے ساحل کا پتہ نہ ہو۔

O جھوٹا سب سے پہلے اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔

آسیہ وحید، لاہور

☆☆☆

مسرت مصباح: کی ڈائری سے ایک نظم
''دستخط''

جب سے میرے
دل کے کورے کاغذ پر
تو نے دستخط کیے ہیں
تب سے
میں نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ
یہ میری نفرت کی ربڑ سے
مٹ جائیں، ختم ہو جائیں
لیکن میں ناکام ہو چکی
نہ یہ مٹتا ہے اور
نہ کسی اور کا نام اس پر لکھا جاتا ہے

سعدیہ جبار: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

میں اپنی ذات
انا اور خودداری کے سپرد کیے
منزل بہ منزل چلتی جا رہی تھی
یہ سوچے بنا کہ
کبھی کبھی ذات کی حفاظت کے لئے
انا اور خودداری بھی قربان کرنا پڑتی ہے
کبھی اک لمحہ کی خوشی کی خاطر
ہزار لمحوں کی غموں کی مسافت
کبھی طے کرنا پڑتی ہے

آنسہ ممتاز: کی ڈائری سے ایک غزل

تم بن لیتے ہو ریشمی خواب
دھاگے کچے بھی ہوا کرتے ہیں
کہتے ہیں ناں چند لوگ محبت کو دغا
جذبے سچے بھی ہوا کرتے ہیں
اک جھوٹ قائم نہیں دنیا ساری
لوگ سچے کبھی ہوا کرتے ہیں
مانا کہ ٹوٹا کرتے ہیں وعدے پیار کے
بندھن پکے بھی ہوا کرتے ہیں
بدنام تو زمانے نے کیا انہیں آنسہ
دل والے اچھے بھی ہوا کرتے ہیں

فریال امین: کی ڈائری سے خوبصورت نظم
''مشورہ''

اپنی سب خواہشوں کا گلا گھونٹ کر
جسم و جاں کو نئی زندگی بخش دے
وقت یونہی نہ رو رو کے ناشاد کر
یوں نہ اپنی جوانی کو برباد کر
بیتے لمحوں کو ہر پل نہ اب یاد کر
خدا کی یاد سے دل کو آباد کر
مجھ سے بہتر ملے گا تجھے ہمسفر
اے میری جان جاں!
گر نہ ہوتیں مرے پاؤں میں بیڑیاں
بنا کے دلہن تجھے لاتا میں اپنے گھر
اے مری دلربا اب نہ آنسو بہا
بیتے لمحوں کو جان وفا بھول جا
بیتے لمحوں کو جان وفا بھول جا
یوں سمجھنا کہ ماضی اک خواب تھا
اک حسین خواب تھا

نازیہ کمال: کی ڈائری سے ایک نظم

تم سے اچھا تو یہ چاند ہے
جو نظر نہ آتا ہے
تم سے اچھے تو یہ ستارے ہیں

جو دل کی بات تو سنتے ہیں
تم سے اچھے تو یہ آنسو ہیں
جو سدا آنکھوں میں رہتے ہیں
تم سے اچھی تو تمہاری یاد ہے
جو بھولتی ہی نہیں
مگر پھر بھی دل کہتا ہے
کہ تمہارے جیسا کوئی بھی نہیں
اس جہاں میں تمہیں بھی نہیں

مریم رباب: کی ڈائری سے وصی شاہ کی غزل
اپنے احساس سے چھو کر مجھے صندل کر دو
میں کہ صدیوں سے ادھورا ہوں مکمل کر دو
نہ تمہیں ہوش رہے اور نہ مجھے ہوش رہے
اس قدر ٹوٹ کے چاہو مجھے پاگل کر دو
تم ہتھیلی کو مرے پیار کی مہندی سے رنگو
اپنی آنکھوں میں مرے نام کا کاجل کر دو
اس کے سائے میں مرے خواب دہک اٹھیں گے
مرے چہرے پہ مہکتا ہوا آنچل کر دو
دھوپ ہی دھوپ ہوں میں ٹوٹ کے برسو مجھ پر
اس قدر ہر سو میری روح میں جل تھل کر دو

اُم خدیجہ: کی ڈائری سے ایک غزل
باندھ لیں ہاتھ پہ سینے پہ سجا لیں تم کو
جی میں آتا ہے تعویذ بنائیں تم کو
پھر تمہیں روز سنواریں بڑھتا دیکھیں
کیوں نہ آنگن میں چنبیلی سا لگا لیں تم کو
کیا عجب خواہش اٹھتی ہیں ہمارے دل میں
کر کے منا سا ہاتھوں میں اچھالیں تم کو
کبھی خوابوں کی طرح آنکھ کے پردے میں رہو
کبھی خواہش کی طرح دل میں بلائیں تم کو
اس قدر ٹوٹ کے تم پہ ہمیں پیار آتا ہے
اپنی بانہوں میں بھرے مار ہی ڈالیں تم کو

ثناء حیدر: کی ڈائری سے ایک خوبصورت نظم
سوچ نگر کے باسیو
مت میرا دل پریشان کرو
وہ لوٹ نہیں آئے گا
مت دل میں چراغ جلایا کرو
وہ آیا بھی تو
دہلیز سے لوٹ جائے گا
جب بھی مرے نگر آئے گا
مرا دل بھی اب تو ہے
قید و بند پنجرے میں
وقت کی فصیل کا
لگا ہے تالا سا
وہ لوٹ نہیں آئے گا
مت چراغ امید جلایا کرو

دُرِ ثمن: کی ڈائری سے ایک نظم
اسے اپنے قرار کی فکر تھی
وہ جو میرا واقف حال تھا
وہ جو اس کی صبح عروج تھی
وہ ہی میرا وقت زوال تھا
میری بات کیسے وہ مانتا
میرا حال کیسے وہ جانتا
وہ تو خود منزل کے سفر میں تھا
اسے روکنا بھی محال تھا
کہاں جاؤ گے مجھے چھوڑ کر
میں پوچھ پوچھ کر تھک گئی
وہ جواب مجھے نہ دے سکا
وہ تو خود سراپا سوال تھا
کیا اس کا ہیبت حسن تھا
کیا اس کا رنگ جمال تھا
وہ ستارہ کہاں کھو گیا
جو اپنی مثال آپ تھا
وہ ملا تو صدیوں بعد بھی
میرے لب پہ کوئی گلہ نہ تھا
میری چپ نے اسے رلا دیا

جسے گفتگو میں کمال تھا

جویریہ ناصر: کی ڈائری سے ایک غزل

عکس خوشبو ہوں بکھرنے سے روکے کوئی
اور بکھر جاؤں تو مجھ کو نہ سمیٹے کوئی
کانپ اٹھتی ہوں میں یہ سوچ کر تنہائی میں
میرے چہرے پہ تیرا نام نہ پڑھ لے کوئی
جس طرح خواب میرے ہو گئے ریزہ ریزہ
اس طرح سے نہ کبھی ٹوٹ کے بکھرے کوئی
میں تو اس دن سے ہراساں ہوں کہ جب حکم ملے
خشک پھولوں کو کتابوں میں نہ رکھے کوئی
اب تو اس راہ سے وہ شخص گزرتا بھی نہیں
اب کس امید پہ دروازے سے جھانکے کوئی
کوئی آہٹ کوئی آواز کوئی چاپ نہیں
دل کی گلیاں بڑی سنسان ہیں آئے کوئی

اُم ایمن: کی ڈائری سے ایک نظم

کبھی ایسا ہو
تجھ سے ملن کی
کوئی صورت نہ ہو
مایوسی آ کر آخری حد ہو
جب دعائیں بے اثر لگیں
آنکھیں ویران ہوں
وجود ریگزار ہو ایسے
میں اچانک مجھے تیری طرف سے
I miss you
کا کارڈ ملے اور سارا وجود
تیرے جذبوں کی خوشبو سے
مہک اٹھے

عابدہ سعید: کی ڈائری سے ایک خوبصورت نظم

جو میری آنکھوں سے خواب دیکھو
تو ایک بھی شب نہ سو سکو گے
کہ لاکھ چاہو نہ ہنس سکو گے
ہزار چاہو تو رو سکو گے
کہ خواب کیا ہیں عذاب ہیں یہ
مری دکھوں کی کتاب میں یہ
رفاقتیں ان میں چھوٹتی ہیں
محبتیں ان میں روٹھتی ہیں
پنپتی ہیں ان میں وحشتیں سی
اذیتیں ان میں پھوٹتی ہیں
انہی کے ڈر سے خزاں میں جذبے
انہی سے شاخیں سی ٹوٹتی ہیں
غموں کی بندش میں ہیں خواب میرے
دکھوں کی بارش ہیں خواب میرے
ابل رہا ہے دکھوں کا لاوا
رہن آتش ہیں خواب میرے
خیال سارے جھل گئے ہیں
سلگتی خواہش ہیں خواب میرے
اکھڑتی سانسیں ہیں زندگی کی
لہو کی سازش ہیں خواب میرے
جو میری آنکھوں سے خواب دیکھو
تو ایک بھی شب نہ سو سکو گے

فرح عامر: کی ڈائری سے ایک نظم

''اک سپنا''

خیالوں کی بستیوں میں دور نکل جائیں
خوابوں کے تتلیوں سے من کو بہلائیں
آنکھوں میں سپنے لے کر تم بھی جب
میرے راستے سے گزرو تو میرے
ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر پگڈنڈی پر
مل کر چلیں اور اس زمانے سے
دور بہت دور اک ایسے
دیس میں نکل جائیں جہاں
یہ زمانہ یہ سماج یہ دستور
میرے اور تیرے قریب نہ آئیں
جہاں جنگلی پھولوں کا کنج ہو

☆☆☆

حنا کی محفل

عین شین

راحیلہ سمیع ---- ملتان
س: حنا کی محفل میں شرکت چاہتی ہوں پلیز اجازت دیجیے؟
ج: اجازت ہے۔
س: حصول رزق حلال عبادت ہے آج کل کیسے سمجھایا جائے؟
ج: نوٹ دے کر۔
س: جو لوگ حسد کی بھٹی میں جلتے ہیں ان کا علاج بتائیں؟
ج: ان کو جلنے دو جب جل جائیں گے تو خود ہی ٹھیک ہو جائیں گے۔
س: آپ کے پاس سے جلنے کی بو کیوں آ رہی ہے سچ سچ بتاؤ کون ہے وہ؟
ج: تم ہی تو ہو جو جل رہی ہو۔
س: میں نے سنا ہے آپ کی عینک بہت موٹی ہے، ویسے کیا نمبر ہے؟
ج: کیا تم اپنی عینک گھر بھول آئی ہو جو میری لگانا چاہتی ہو۔

آنسہ ساجد ---- رحیم یار خان
س: سکون بھی خواب ہوا نیند بھی ہے کم کم، کیوں؟
ج: بدہضمی کی وجہ سے ہے۔
س: کیوں جان پر بن آئی ہے بچھڑا ہے اگر وہ؟
ج: اس سے بھی پوچھو کہ تم سے بچھڑ کر وہ کتنا خوش ہے۔
س: شعر کا جواب دیں۔
سب کو فکر ہے مگر اپنے آپ کی
مجھے فکر ہے تو صرف اس کی
ج: جواب حاضر ہے۔
یہ راہ محبت کہتے ہیں پر خار بھی ہے اور دور بھی ہے
لیکن دل مضطرب کیا کیجیے مشتاق بھی ہے مجبور ہے

فریال امین ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ
س: کبھی لمحے صدیوں جتنے ہو جاتے ہیں
کبھی سال یہ لمحوں میں کٹ جاتے ہیں
ج: دنیا بے ثبات میں ہر شے ہے تیز گام
ہر دن کے ساتھ رات ہے اور صبح کی ہے شام
س: کبھی آنسوؤں سے ہتھیلیوں پر پڑے چھالے
کبھی کوئی بے بسی سے انہیں چھپالے
ج: نازک خیال بھی ہیں موجود اے فلک
خالی رہا نہیں کبھی دریا حباب سے

نازیہ کمال ---- جھنگ
س: انسانیت کی معراج کیا ہے؟
ج: انسان بننا۔
س: دنیا کا مشکل مرحلہ کیا ہے؟
ج: آدمی کا انسان بننا۔
س: تدبیر اور تعبیر میں کتنا فاصلہ ہے؟
ج: بہت تھوڑا۔

مریم رباب ---- خانیوال
س: یہ چلتے چلتے رک کیوں گئے؟
ج: تم نے آواز جو دی۔
س: سوچ لو پھر نہ کہنا؟
ج: سوچ بھی لیا کچھ نہیں کہوں گا۔

ام خدیجہ ---- شاہدرہ لاہور
س: یہ دنیا والے بڑے بے وفا ہوتے ہیں؟

ج: مجھے تو دنیا والوں میں شامل نہ کرو۔
س: کل میں نے اسے ڈانٹا تو بہانے بنانے لگا؟
ج: چھوٹا بھائی ہے پیار سے بھی بات کریں اس بیچارے سے۔
س: میں جب بھی اس کی طرف دیکھتی ہوں تو نظریں جھکا لیتا ہے؟
ج: ابتدائے عشق جو ہے نا۔
س: میرا دل زور زور سے ہنسنے کو چاہتا ہے؟
ج: بڑی خطرناک علامت ہے۔

ثناء حیدر ---- سرگودھا

س: چپ چاپ میری بات سنو؟
ج: شکر ہے کچھ سنانے کا خیال تو آیا۔
س: یہ روگ مجھے اس جوگی سے لگا ہے؟
ج: سانپ کی چال نہ چلیں کیونکہ جوگی پڑ لیتے ہیں۔
س: یہ زندگی افسانہ ہے ناول ہے یا ناولٹ؟
ج: سچی کہانی بھی ہو سکتی ہے۔

رابعہ زرقا ---- میاں چنوں

س: میں کیا کروں مجھ سے کچھ نہیں ہو پاتا؟
ج: سارا دن لیٹے رہنا یہی حال ہو گا۔
س: میں نے سنا ہے کہ وہ؟
ج: کیا سنا ہے اس کے بارے میں۔
س: میں بھی کتنی نادان ہوں؟
ج: چلو اب پتہ چل گیا۔

آسیہ وحید ---- لاہور

س: لوگ آسمان سے کیا چاہتے ہیں؟
ج: گرمیوں میں بارش اور سردیوں میں دھوپ۔
س: یہ دنیا والے محبت تو کہتے ہیں لیکن محبت کرنے والوں کے دشمن ہوتے ہیں؟
ج: اسے فعل اور قول میں فرق کہتے ہیں۔
س: اب میرے پاس پوچھنے کے لئے کچھ بھی نہیں؟
ج: لیکن میرے پاس جواب دینے کو بہت کچھ ہے۔

جویریہ ناصر ---- گلبرگ لاہور

س: یہ بزرگ لوگ ہر وقت اپنے جوانی کے قصے کیوں سناتے ہیں؟
ج: اس کے سوا ان کے پاس اور ہوتا ہی کیا ہے۔
س: وہ پہلے سے آیا کچھ نہ کہا اور چلا گیا؟
ج: اس نے کسی کے آنے کی آہٹ سن لی ہو گی۔
س: میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتی ہوں کروں یا نہ کروں چلو نہیں کرتے آپ بھی کیا یاد کریں گے کسی رئیس سے پالا پڑا تھا؟
ج: اپنے منہ میاں مٹھو بننے کی کوشش نہ کرو۔
س: عین غین جی تم آخر ہو کیا شے؟
ج: بس عین غین ہوں جو سمجھنا ہے سمجھ لو۔

ام ایمن ---- گوجرانوالہ

س: میں اب تک یہ سمجھ نہیں سکی کہ آپ سوالوں کے جواب کیا دیتے ہیں؟
ج: جواب سمجھنے کے لئے بھی عقل کی ضرورت ہوتی ہے۔
س: چلو جی مان لیتے ہیں کہ آپ بڑے عقلمند ہیں لیکن ہم بھی کسی سے کم نہیں؟
ج: یہ میں نے کب کہا ہے آپ کسی سے کم نہیں میں تو میں ہی ہوں۔
س: سنو سنو اے دنیا والوں عین غین کی امر کہانی؟
ج: آپس کی باتیں دوسروں کو نہیں بتاتے۔

☆☆☆

نکتہ چیں

ایک شخص کو بیوی کے کاموں میں نکتہ چینیاں کرنے کی عادت تھی، ایک روز وہ دفتر سے لوٹا تو اس کی بیوی نے انڈہ ابال کر دیا جس پر اس نے کہا۔

"آج تو میں نے آملیٹ کھانا تھا؟"

دوسرے روز بیوی نے آملیٹ بنا دیا تو وہ بولا۔

"میں نے تو ابلا ہوا انڈہ کھانا تھا۔"

تیسرے روز بیوی نے سمجھداری سے کام لیتے ہوئے ایک ساتھ آملیٹ اور ابلا ہوا انڈہ پیش کیا جس پر شوہر ناراض ہونے لگا۔

"کر دیا ناں ستیاناس جس انڈے کا آملیٹ بنانا تھا اسے ابال دیا اور جسے ابالنا تھا اس کا آملیٹ بنا دیا۔"

جویریہ ناصر، گلبرگ لاہور

فکر

لیکچر روم میں پروفیسر صاحب لیکچر دے رہے تھے کہ ایک بات پر بحث شروع ہو گئی کہ انسان کے مرنے کے بعد روحیں نہیں مرتیں، بلکہ زندہ رہتی ہیں۔

کچھ شاگردوں کا نظریہ تھا کہ روحیں مرنے کے بعد کسی دوسرے جسم میں داخل ہو جاتی ہیں، اسی دوران ایک لڑکے نے اٹھ کر سوال کیا کہ۔

"اگر میرے مرنے کے بعد میری روح کسی گدھے کے جسم میں چلی گئی تو پھر کیا ہوگا؟"

پروفیسر صاحب اطمینان سے بولے۔

"تم فکر مت کرو روحیں کبھی اپنے پرانے جسم میں واپس نہیں جاتیں۔"

اُم ایمن، گوجرانوالہ

شجرہ نسب

ابن انشاء اپنے شجرہ نسب پر روشنی ڈالتے ڈالتے ایک پتے کی بات کر جاتے ہیں کہ آدمی کے لئے کیا ایک ہی حوالہ کافی نہیں کہ وہ ابن آدم ہے وہ لکھتے ہیں۔

"پروفیسر محمد ایوب قادری ایک محقق آدمی ہیں، شجرہ نسب مانگ رہے تھے ہمارے ہاں کہاں سے آتا۔"

ہم نے کہا کہ "بزرگوں میں ہمیں اپنے والد کا نام دیا ہے ایک اور مورث اعلیٰ کا کہ اپنے زمانے کے مشہور پیغمبر تھے، بولے کون؟"

ہم نے حضرت آدم کا نام بتایا تو عقیدت سے ادھ موئے ہو گئے۔ (ابن انشاء کی تصنیف "خمار گندم" سے)

عابدہ سعید، گجرات

گھاٹا

کرتے کرتے وہ یہ بات بھی کر گیا
مری محبت میں اسے گھاٹا پڑ گیا
پچھلے سال تھا جیب میں لاکھ روپیہ
سال کے بعد جیب میں سناٹا پڑ گیا
پچھلے سال چلتا تھا سپر اسٹور
اب کے سال ٹھیلہ فٹ پاتھ پر پڑ گیا

کل تک کھاتا تھا میں برگر فائیو اسٹار کے
آج مجھ کھانا لنگر سے پڑ گیا
مری کوٹ پتلون سب گئی ہیں بک
فقط مرے پاس کرتا رہ پجامہ گیا
گھر کر دیا جب سے میں نے تیرے نام
سونا مجھے جب سے سڑک پر پڑ گیا
فرح عامر، جہلم

ماہر امراض نسواں

ڈاکٹر صاحب ایک مریض کو دیکھتے ہی بولے۔
''آپ کو تو عینک کی بہت عرصے سے ضرورت ہے لیکن آپ آج نظر چیک کرانے آئی ہیں۔''
مریض نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔
''کمال ہے، آپ کو یہ بات میرا معائنہ کرنے سے پہلے ہی معلوم ہوگئی، آپ تو یقیناً تجربہ کار ڈاکٹر ہیں۔''
ڈاکٹر صاحب نے کہا۔
''تجربے کی تو اس میں کوئی بات نہیں ورنہ آپ بورڈ پڑھ لیتے، میں ماہر امراض نسواں ہوں۔''

فائزہ قاسم، سکھر

مناسب موقع

اسٹیج ڈرامے کے دوران ایک کارندہ ہانپتا ہوا دوڑا دوڑا پروڈیوسر کے پاس پہنچا، پروڈیوسر اس وقت ڈریسنگ روم میں ہیروئن کے ساتھ کولڈ ڈرنک پی رہا تھا۔
''کیا بات ہے اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟''
''سر وہ ہیرو نے ولن کو گولی ماردی ہے لیکن ولن نے چپکے سے ہاتھ بڑھا کر مجھے یہ چٹ تھما دی ہے۔''
کارندے نے ایک چٹ پروڈیوسر کو دے دی، اس پر لکھا تھا۔
''میرے بقایا جات پچھلے پردے کے نیچے سے دے جاؤ ورنہ میں گولی کھانے کے باوجود نہیں مروں گا۔''

نعیم امین، کراچی

نشے باز

ایک شرابی نشے کی حالت میں ایک عورت سے ٹکرا گیا، عورت غصے کی ذرا تیز تھی، گالیوں کے ساتھ ساتھ اس نے شرابی کے دو ہاتھ بھی جڑ دیئے، شرابی کو بھی جواباً غصہ آ گیا اور وہ جل کر گویا ہوا۔
''میں نے پوری زندگی میں تمہارے جیسی بدصورت عورت نہیں دیکھی۔'' عورت شرابی کے اس جملے پر بولی۔
''میں نے بھی اپنی پوری زندگی میں تمہارے جیسا گھٹیا نشے باز نہیں دیکھا۔''
''میرا نشہ۔'' شرابی ذومعنی انداز میں مسکرایا۔
''میرا نشہ تو صبح تک اتر جائے گا۔''

ہما رائے، کراچی

ریسرچ

''تم دو سال کہاں غائب تھے؟''
محبوبہ نے طویل جدائی کے بعد ملاقات ہونے پر اشتیاق سے سوال کیا۔
''کیا تم دوبئی چلے گئے تھے؟''
''نہیں۔''
عاشق نے جواباً قہقہہ لگایا۔
''میں گزشتہ دو سال سے نیورو تھراپی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ فار برین ڈس آرڈر میں مصروف تھا۔''

''مائی گاڈ''

محبوبہ حیرت زدہ رہ گئی۔

''تمہارے پاس تو میڈیکل نہیں تھی پھر دماغی امراض کے اسپتال میں تم کیا کام کرتے رہے؟''

''میں وہاں عشق کرتا رہا۔''

عاشق ہسٹریائی انداز میں قہقہہ لگایا۔

''دماغی ماہرین مجھ پر ریسرچ کررہے تھے۔''

نبیہ آصف، قصور

قریب ترین راستہ

ایک دوست مند آدمی کو مچھلی شکار کا بہت شوق تھا، ایک روز وہ کچھ تو انتظار کی کوفت سے بچنے کے لئے اور کچھ سردی سے خود کو بچانے کے خاطر تھوڑی تھوڑی دیر بعد شراب پیتا رہا، شام کو جب اس نے اپنا سامان سمیٹ کر کار میں رکھا تو وہ بالکل ہوش سے بے گانہ ہورہا تھا۔

کار چلانے کے کچھ سیکنڈ بعد ہی جب پانی اس کے پیروں کو چھونے لگا تو اس نے سوچا۔

''اف یہ تو بارش آگئی ہے، میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ آج پانی برسنے لگے گا، خیر اب مجھے جلد سے جلد اپنے گھر تک پہنچنا چاہیے۔''

اتنے میں اس کی نظر ایک کسان پر پڑی جو اپنے گھر جارہا تھا، رہنمائی کے لئے اس نے کسان سے پوچھا۔

''بھئی شہر تک پہنچنے کا قریب ترین راستہ کون سا ہے؟''

کسان نے جواب دیا۔

''میری رائے میں سڑک کا راستہ ٹھیک رہے گا، ندی میں کار چلاتے ہوئے جائیں گے تو شہر بہت دیر میں پہنچیں گے۔''

ثمینہ رفیق، کورنگی کراچی

زور گفتار

سجاد گل صاحب نے ایک دن موڈ میں آکر فرمایا۔

''میری بیوی اتنی پڑھی لکھی ہے کہ وہ کسی بھی موضوع پر گھنٹہ بھر بات چیت کرسکتی ہے۔''

جواب میں اقبال میمن نے فرمایا۔

''اس میں حیرت کی کیا بات ہے یہی کام ان پڑھ عورت بھی کرلیتی ہے اور اس کے لئے موضوع کی شرط نہیں ہوتی۔''

رمشہ ظفر، بہاول پور

حقیقت

ایک ماہر نفسیات بہت زور و شور سے اپنی خوبیاں بیان کررہے تھے۔

''میں کسی بھی شخص پر صرف ایک نظر ڈال کر یہ بتا سکتا ہوں کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچ رہا ہے۔''

''لیکن یہ جان لینے کے بعد تو آپ کو کوئی شرمندگی ہوتی ہوگی۔''

ایک آدمی انہیں ٹوکتے ہوئے بولا۔

عاصمہ سرور، وہاڑی

پرستار

ایک سیاست دان جلسے میں تقریر کررہا تھا تھوڑی دیر بعد ان کی پارٹی کا ایک کارکن ایک ٹین کا ڈبہ زور زور سے پیٹنے لگتا، تنگ آکر تقریر کرنے والے نے اسے ڈانٹ پلائی۔

''بدتمیز یہ کیا حرکت ہے؟''

کارکن بولا۔

''آپ شاید غور سے نہیں دیکھ رہے سارا مجمع سو رہا ہے میں انہیں مسلسل جگائے رکھنے کی کوشش کررہا ہوں۔''

رابعہ ارشد، فیصل آباد

☆☆☆

بیاض

تسنیم طاہر

فائزہ قاسم ---- سکھر

اگر ہوں پھول پردیسی تو مت چھو بیوفا ہوں گے
وطن کے ہوں اگر کانٹے تو بھر لے اپنے دامن میں

....

تیز بارش کا مزہ لوٹتے والوں پہ نہ جا
وہ تیری خستہ مکانی کو سمجھتے کب ہیں

....

وقت کے سامنے تصویر بنے بیٹھے ہیں
آئینہ گردش دوراں کو دکھانے والے

نعیم امین ---- کراچی

اب میں یہ کہہ سکتا ہوں
ہجر کے صدمے سہہ سکتا ہوں
تو بچھڑا تو میں نے جانا
میں تنہا خوش رہ سکتا ہوں

....

احباب کو رہی میری عیوب کی جستجو
میں پرخلوص ان کے ہنر تولتا رہا

....

چاہ کر تم کو ہر خوشی گنوا دی ہم نے
زندگی تم کو سمجھا تو زندگی لٹا دی ہم نے
خواب تیرا سجایا پلکوں میں جب
پتلیوں سے آنکھ کی روشنی گنوا دی ہم نے

ہمارباب ---- کراچی

لمحہ موجود کے اندر بھی لمحہ امکان رہتا ہے
مجھے اکثر خود سے بھی بڑھ کر اس کا دھیان ہے
جو سرشاریاں عطا کرتا ہے ذہنوں کو
میرے پاس آ کر وہ کیوں بے جان رہتا ہے

....

یاد آتا ہے اس سے متعارف ہونا
خوشبو کا ہوا سے تعارف ہونا
دکھ کے آنسو کیوں بہتے ہیں غزل
ارماں تھا دل کا محبت سے واقف ہونا

....

ویران ہے تیرے بغیر یہ گھر
آ جاؤ کہ زندگی ہے مختصر
لوٹ کے پھر کب آیا ہے انجم
وقت گیا ہے جو اک بار گزر

نبیہ آصف ---- قصور

تو جو مل جائے تو زندگی سنور جائے
نہ کرو ستم اتنے کہ کوئی مر جائے

....

تیرا ملنا اک خواب جیسا
اور جینا ہے عذاب جیسا

....

اس طرف سمندر کے خوفناک تیور ہیں
اور ہم گھروندوں میں سیپیاں سجاتے ہیں
وحشتوں کے صحرا میں کون یہ بتائے گا
کس کو یاد رکھتے ہیں کس کو بھول جاتے ہیں

ثمینہ رفیق ---- کورنگی کراچی

میں نے پوچھا زندگی کیا ہے
ہنس پڑے پھول رو پڑی شبنم

....

نہ دنیا سے نہ دولت سے نہ گھر آباد کرنے سے
تسلی دل کو ہوتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

یہ سوچ میں ڈوبا ہوا ٹھہرا ہوا انداز
جیسے کبھی آپس میں تعلق نہ رہا ہو
مجھ سے تو نہیں رکتے یہ بہتے ہوئے آنسو
کیا بات ہے کیا ہو گیا کیوں مجھ سے خفا ہو
رمشہ ظفر ---- بہاولپور

تنہائی سے باتیں کرتے شام گزاری ہے
لمحہ لمحہ جیتے مرتے شام گزاری ہے
وہ جانے کس گھر آنگن کی رونق بن بیٹھا
جس کی یاد میں آہیں بھرتے شام گزاری ہے

....

اے میری جان برسات کے موسم میں روٹھا نہ کر
موسم اور بھی بہت ہیں روٹھنے کے لئے

....

اگر آؤ تو عجب سا پتہ ہے میرا
دل سے لینا اجازت اور چل پڑنا
عاصمہ سرور ---- وہاڑی

تنہائی کا زہر پینا ہے مجھے
تجھے ماں یاد کر کے رونا ہے مجھے
دنیا کی باتیں جو میرے دل پہ گہرا زخم ہیں
کہ اس زخم کو بھی پینا ہے تجھے

....

تو جو رہتا نہ تھا کہ اک پل بھی میرے بغیر
مدت ہو گئی ہے اب تجھ سے ملے ہوئے

....

آنکھوں میں آنسو مٹتے نہیں
لوگ زخم لگانے سے باز آتے ہیں
رابعہ ارشد ---- فیصل آباد

ہوا مت مری گلیوں میں آیا کرو
آؤ تو اس کی خوشبو بھی لایا کرو
مت اتنا شور کر مت اتنا تیز چلو
اسے تو محسوس ہونے دیا کرو

....

تیرے حسن کے شعلوں سے جلتی ہوں مدتوں
پھر بھی تیرے قرب کی تلاش میں رہتی ہوں

....

اوراق پریشاں کے شعلوں کے دہکنے سے
چڑیوں کے چہکنے سے پھولوں کے مہکنے سے
ذہن کے گلستاں میں یہ بات ہے آئی
شاید کہ بادصبا نے لی ہے انگڑائی
مسرت مصباح ---- لاڑکانہ

تمام عمر تعلق سے منحرف رہے
تمام عمر اسی کو مگر بچایا ہے
ہر اعتراض پہ گہری خاموشی
یہی تو وصف مرے ہمسفر بچایا ہے

....

لہجہ تھکا تھکا ترا پلکیں جھکی جھکی تری
اتنی خفیف سی خوشی کتنی صعوبتوں کے بعد
خوشبو چراغ شاعری یہ ہدیہ تیرے نام ہوں
تو بھی نہ آ سکا اتنی نشانیوں کے بعد

....

ہم تو یوں اپنی زندگی سے ملے
اجنبی جیسے اجنبی سے ملے
ہر وفا ایک جرم ہو گویا
دوست کچھ ایسی بے رخی سے ملے
سعدیہ جبار ---- ملتان

تمام شب جہاں جلتا ہے ایک اداس دیا
ہوا کی راہ میں اک ایسا گھر بھی آتا ہے
وفا کی کون سی منزل پہ اس نے چھوڑا تھا
کہ وہ تو یاد ہمیں بھول کر بھی آتا ہے

....

تم نے پھر بھی زمانے کے چلن سیکھ لئے
میں تو کچھ بھی نہیں کر پایا محبت کے سوا

....

کب تک بنے گا ذہن میں لفظوں کے دائرے
میں مسئلہ نہیں ہوں تو سوچا نہ کر مجھے
آنسہ ممتاز ---- رحیم یار خان
عشرت غم نے پھیر لیں آنکھیں
اب تیری یاد آ کے بہلائے

....

عطا میں یوں بھی گیا اپنی عمر سے آگے
کہ میرے ساتھ میری حسرتوں کا لشکر تھا

....

عشق گم گشتہ تو شاید ہی ملے تم کو صبا
جینا چاہو تو جیو دوسری صورت لے کر
فریال امین ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ
عمر بھر ذہن میں چمکا نہ کوئی فکر کا چاند
چاندنی اب ترے شعلوں میں جلایا جاؤں

....

اب ڈوب گئی ہیں وہ صدائیں
لوگوں سے کہو کہ لوٹ جائیں

....

اگر گرا تھا کوئی پرندہ لہو میں تر
تصویر اپنی چھوڑ گیا ہے چٹان پر
نازیہ کمال ---- حیدر آباد
اور دنیا سے بھلائی کا صلہ کیا ملتا
آئینہ میں نے دکھایا تھا کہ پتھر برسے

....

اب انہیں پرسش حالات گزراں گزرے گی
بدگمانی ہے تو ہر بات گراں گزرے گی

....

افق پہ دیکھتا تھا میں قطار قازوں کی
مرا رفیق کہیں دور جانے والا تھا
مریم رباب ---- خانیوال
ایک اجنبی کے ساتھ میں کہاں نکل آیا
یہ تو میری بستی کا راستہ نہیں لگتا

....

بہت یہی تیز تھی یارو غم حیات کی دھوپ
ملا جو زلف کا سایہ تو سو گئے ہم بھی

....

برا نہ مانئے لوگوں کی عیب جوئی کا
انہیں تو دن کا بھی سایہ دکھائی دیتا ہے
اُم خدیجہ ---- شاہدرہ لاہور
بے وفا ہے ہو زمانے بھر کا
پھر بھی اچھا ہے زمانے بھر سے

....

فکر اک عمر میں احساس میں حل ہوتی ہے
بڑی مشکل سے طاقوں میں دیئے جلتے ہیں

....

فرصت شوق بن گئی دیوار
اب کہیں بھاگنے کا رستہ نہیں
ثناء حیدر ---- سرگودھا
فلک نے سر پہ کڑے وقت ہاتھ کب رکھا
جو خیر کی ہو توقع جہاں شر سے مجھے

....

فرصت ملے تو اپنی سماعت کر
میرے غموں کی لے بھی تیر قہقہوں میں ہے

....

گھٹی دلوں کی محبت تو شہر بڑھنے لگا
مٹے جو گھر تو ہویدا ہوئے مکاں کیا کیا
دُرِ ثمن ---- میاں چنوں
گئے دنوں کا بھی مجھ سے یہی سلوک رہا
یہ رنگ دیدہ و دل میں نے کب نہیں دیکھے

....

گنبد کا کیا قصور اسے کیوں کہوں برا
آیا جدھر سے تیز ادھر ہی پلٹ گیا

☆☆☆

افراح طارق

کھیر پنیر

اشیاء

دودھ	تین لیٹر
لیموں	ایک عدد
شکر	ایک پیالی
پسی الائچی	ایک چمچہ چائے کا

ترکیب

ڈیڑھ لیٹر دودھ پکالیں، لیموں کا رس نکال کر اس میں ڈال دیں، جب دودھ پھٹنے لگے تو آگ سے ہٹا دیں، ایک نرم کپڑے کی تھیلی میں یہ دودھ ڈال دیں اور اس تھیلی کو ایسے لٹکا دیں کہ دودھ سے تمام پانی نکل جائے، جب دیکھیں کہ سارا پانی نکل گیا تو تھیلی کو اتار کر چھلنی میں رکھ کر اس کے اوپر وزنی چیز رکھیں تاکہ پانی بالکل ہی نکل جائے اور اس کے چوکور ٹکڑے کاٹے جا سکیں۔

بچا ہوا ڈیڑھ لیٹر دودھ علیحدہ سے ابال لیں اور اس کو اتنا پکائیں کہ وہ آدھا رہ جائے، وقتاً فوقتاً چمچہ چلاتی رہیں، جب دودھ آدھا ہو جائے تو آگ سے ہٹا کر ٹھنڈا کرلیں، پھر اس میں شکر بھی ملا لیں، پنیر کے چوکور ٹکڑے کاٹ کر دودھ میں ڈال دیں اور دودھ کو پھر سے ابال لیں، ابال آتے ہی آگ سے ہٹا لیں نہیں تو پنیر سخت ہو جائے گا۔

اس آمیزے کو ٹھنڈا ہونے دیں، پھر اس میں الائچی کا پاؤڈر اور کیوڑہ ڈال دیں، پیالے میں نکال کر ریفریجریٹر میں آٹھ گھنٹے تک ٹھنڈا کر لیں، پھر استعمال کریں۔

کیلے کا میٹھا، پھل کے سوس میں

اشیاء

جلاٹین	دو چمچے چائے کے
پانی	ایک چمچہ کھانے کا
کیلا	دو عدد بڑے
لیموں کا رس	ایک چمچہ کھانے کا
مکھن	ایک چمچہ کھانے کا
آئسنگ شکر	ڈیڑھ چمچہ کھانے کا
تازہ کریم	دو تہائی پیالی
انڈے کی سفیدی	دو عدد
اسٹرابری/آڑو	دو عدد

ترکیب

چار الگ الگ پیالوں میں ہلکا سا مکھن لگا لیں، ایک چھوٹے پیالے میں جلاٹین کو ایک چمچہ پانی میں چھڑک لیں اور یہ پیالہ گرم پانی میں رکھ کر جلاٹین کو پانی سے نکال کر ٹھنڈا کریں۔

مکھن پگھلا لیں، کیلوں کو باریک پیس لیں، اب پسے ہوئے کیلے، پگھلا مکھن، لیموں کا رس اور ایک چمچہ شکر کو اچھی طرح ملا لیں، یہ پیسٹ کی طرح بن جائے گا تو اس میں جلاٹین ملا لیں اور ان کو ایک بڑے پیالے میں انڈیل لیں۔

کریم کو پھینٹ کر گاڑھا کر لیں اور اس کو کیلے کے آمیزے میں تہہ کرنے کی طرح لگا لیں، انڈے کی سفیدی کو الگ سے اتنا پھینٹیں کہ سخت جھاگ سی بن جائے، ان کو بھی کیلے کے آمیزے میں احتیاط سے شامل کر لیں۔

اس کے بعد یہ تیار آمیزہ پیالوں میں انڈیل لیں، پیالوں کو ڈھانپ کر ریفریجریٹر میں رکھ دیں، جب یہ فریز ہو جائے تو یہ میٹھا استعمال کے لئے تیار ہے، بہتر ہو گا کہ اسے رات بھر ریفریجریٹر میں رکھا جائے۔

پھلوں کی پلیٹ

اشیاء

خربوزہ سفید	ایک عدد
تربوز	دو پیالی
خوبانی	دس عدد
خربوزہ زرد	ایک عدد
اناناس	ایک ڈبہ
چیری/ اسٹرابری	ایک پیالی
آئسنگ شوگر	دو چمچ کھانے کے

ترکیب

خربوزہ چھیل کر قاشیں کاٹ لیں، تربوز کے ٹکڑے کاٹ لیں اور بیج نکال دیں، خوبانی کے چار چار ٹکڑے کریں، اناناس کے ٹکڑے بھی پانی سے نکال لیں، ایک گول بڑی پلیٹ میں ان تمام پھلوں کو سجانا ہے پہلے سفید خوبوزے کی قاشیں گولائی میں سجائیں اس کے اوپر زرد قاشیں ایسے لگائیں جیسے پھول کی پتیاں ادھر ادھر نکلی ہوئی ہوں، ان کے بیچ میں اناناس کے ٹکڑے لگائیں، پھر خوبانی ایک طرف تو تربوز کے ٹکڑے دوسری طرف اور اسی طرح اسٹرابری یا چیری کو دو ٹکڑوں میں کاٹ کر ایک طرف سجائیں۔

ان کے اوپر آئسنگ شوگر ڈال دیں اور ٹھنڈا ہونے کے لئے رکھ دیں، یہ میٹھا بنانا مشکل نہیں، صرف اس میں کاری گری اس کو سجانے کی ہے، پھول کی پتیاں جیسے اوپر نیچے ہوتی ہیں، اس طرح خربوزے کو رکھیں پھر پلیٹ بنانا آسان ہو جائے گا۔

فروٹ سلاد

اشیاء

تازہ کریم	ڈیڑھ پیالی
آئسنگ شکر	دو چمچ کھانے کے
دہی	ایک چوتھائی پیالی
کٹا ہوا بادام	آدھی پیالی
کٹا مارش میلو	ایک پیالی
اناناس کے ٹکڑے	دو پیالی
آڑو کٹا ہوا	ایک پیالی
ناریل	آدھی پیالی

ترکیب

اناناس کے ٹکڑوں کو چھلنی میں ڈال کر اس کا سارا پانی نکال دیں، آڑو کو چھیل کر ٹکڑوں میں کاٹیں اور تھوڑے سے پانی اور شکر میں اس کو پکا کر نرم کر لیں اور اس کا پانی بھی الگ کر لیں یا پھر تیار آڑو کو ڈبہ سے نکال کر تمام پانی چھان لیں اور چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ لیں، بادام کی ہوائیاں بنا لیں اور مارش میلو کو بھی چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ لیں۔

کریم اور آئسنگ شکر کو ملا کر اتنا پھینٹیں کہ وہ پھول جائے، اس کے بعد اس کریم میں باقی تمام اجزاء شامل کر لیں، اس میٹھے کو ایسے پیالے میں اس طرح نکالیں کہ جب تمام چیزیں پیالے میں آئیں تو پیالہ اوپر تک بھرا ہوا ہو۔

سیب کی پائی

اشیاء

پیسٹری کے لئے میدہ	ڈھائی پیالی
پسی شکر	ایک چمچ کھانے کا
مکھن	تین چوتھائی پیالی
برف کا پانی	ایک چوتھائی پیالی

ترکیب

مکھن کے لئے ضروری ہے کہ وہ سخت جما

ہوا ہو، ایک پیالے میں میدہ چھان لیں اور اس میں شکر ملالیں، اب مکھن کے ٹکڑے کر کے میدہ میں ڈالیں اور کانٹے کی مدد سے یہ مکھن اور میدہ ملائیں، جب اس کی شکل ایسی ہو جائے جیسے ڈبل روٹی کا چورا تو اس میں ٹھنڈا پانی تھوڑا تھوڑا ڈال کر ملاتی جائیں، جب میدہ ایک سخت بال کی طرح ہو جائے تو اس کو ہاتھ سے گوندھ لیں تا کہ وہ جڑ جائے، اس کے بعد اس کو پلاسٹک کی تھیلی میں لپیٹ کر ریفریجریٹر میں آدھ گھنٹے کے لئے رکھ دیں۔

اس کے بعد اس کو بیل کر نو انچ کی روٹی بنا لیں، کیک پین کی بیس کو ہلکا سا چکنا کر لیں اور اس میں یہ روٹی ڈال دیں، اس کو بٹر پیپر سے ڈھانپ دیں اور بٹر پیپر پر آدھا کپ چاول ڈال دیں تا کہ روٹی پھولے نہیں اور اس کو دس منٹ کے لئے اوون میں پکالیں۔

اس کے بعد بٹر پیپر اور چاول روٹی پر سے ہٹا دیں اور دوبارہ یہ روٹی چند منٹ اور اوون میں پکائیں، جب آپ دیکھیں کہ یہ ہلکی سی سنہری ہو گئی تو اس کو اوون سے نکال لیں۔

سیب کی فلنگ

اشیاء

براؤن شوگر	ڈیڑھ پیالی
پانی	ایک چوتھائی پیالی
کنڈینسڈ دودھ	ایک چوتھائی پیالی
تازہ کریم	ایک پیالی
انڈے کی زردی	چار عدد
سیب	چار عدد
مکھن	تین چمچ کھانے کے

ترکیب

ایک پیالی براؤن شوگر اور پانی کو ہلکی آنچ پر ملا کر پکالیں، جب پانی کے بلبلے بننے لگیں تو آنچ ہلکی ہی رکھیں، بغیر چمچہ چلائے یہ پکتا رہے، جب آپ دیکھیں کہ یہ آمیزہ تھوڑا گاڑھا ہو رہا ہے تو پتیلی کو آگ سے ہٹا دیں اور دس منٹ تک ٹھنڈا ہونے دیں، اس کے بعد کنڈینسڈ دودھ اور کریم کو شکر میں ملا دیں اور تھوڑا پھینٹیں، پھر انڈے کی زردی بھی ڈال کر اتنا پھینٹیں کہ سب چیزیں خوب اچھی طرح مل جائیں

اب یہ آمیزہ تیار پیسٹری میں ڈال دیں اور 350 فارن ہائٹ پر دس منٹ کے لئے پکائیں، اس کے بعد اوون سے نکال دیں اور ٹھنڈا ہونے دیں، سیب کو چھیل کر اس کی قاشیں کاٹ لیں، ایک آٹھ انچ کے کیک پین میں چکنائی لگا کر یہ قاشیں اس میں بچھا دیں جو آدھی پیالی براؤن شوگر باقی ہے، اس کو سیبوں پر چھڑک دیں اور مکھن کے ٹکڑے بھی سیب میں ملا دیں، اب 350 فارن ہائٹ پر پندرہ منٹ تک ان کو اوون میں پکالیں، اوون سے نکال کر ٹھنڈا ہونے پر یہ سیب تیار، پائی پر بچھا دیں اور اگر چاہیں تو تازہ کریم سے سجالیں۔

سفید چاکلیٹ ٹرائفل اور پھل

اشیاء

سفید کسٹرڈ کے لئے پسی شکر	آدھی پیالی
کارن فلور	دو چمچ کھانے کے
دودھ	ایک لیٹر
انڈے کی زردی	چار عدد
سفید چاکلیٹ	چھ اونس

ترکیب

شکر، کارن فلور کو دودھ میں ملا لیں اور درمیانی آنچ پر پکالیں، چمچہ مستقل چلاتی رہیں جب یہ آمیزہ ابلنے لگے اور گاڑھا ہونے لگے تو ایک منٹ تک پکنے دیں پھر آگ سے ہٹا لیں، چار انڈوں کی زردی کو کانٹے سے اچھی طرح

پھینٹیں، آدھی پیالی دودھ، آمیزے سے لے لیں اور اس میں انڈوں کی پھینٹی ہوئی زردی ملا دیں، اب یہ آمیزہ باقی بچے ہوئے دودھ میں شامل کر کے تیزی سے چمچہ چلائیں تا کہ انڈوں کی گھٹلی نہ بنے۔

اس کے بعد درمیانی آنچ پر انڈے اور دودھ کا پکائیں، چمچہ مسلسل چلاتی رہیں، جب یہ آمیزہ گاڑھا کسٹرڈ کی طرح ہو جائے تو آنچ سے ہٹا لیں اور سفید چاکلیٹ کو توڑ کر اس میں ملا دیں، جب تمام چاکلیٹ گھل کر کسٹرڈ میں مل جائے تو اس کو ٹھنڈا ہونے دیں۔

ٹرائفل کے اجزا:

سادہ کیک	ایک پونڈ
تازہ کریم	ڈیڑھ پیالی
آئسنگ شوگر	ایک اونس
اورنج جوس	پانچ چمچ کھانے کے
رس بھری/ اسٹرابری جام	دو چمچ کھانے کے
پستے	چھ تا آٹھ عدد
اسٹرابری یا آلو بخارا	دو پیالی

ترکیب۔

اسٹرابری یا آلو بخارا جو بھی استعمال کریں، اس کو کاٹ کر چوکور ٹکڑوں میں کر لیں، آلو بخارا کا چھلکا اتار دیں، تیار پھل دو پیالی ہوں، کیک کو چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ لیں اور ایک کانچ کے پیالے میں رکھ لیں، اس کے اوپر اورنج جوس ڈال دیں، اس کے بعد ان کو آدھا پیالے میں رہنے دیں، آدھا علیحدہ نکال کر رکھ لیں۔

اب ٹھنڈا کسٹرڈ تھوڑا تھوڑا کیک پر پھیلا دیں، اس کے اوپر تھوڑا پھل پھر کیک اسی طرح تہہ در تہہ یہ تینوں چیزیں استعمال کر لیں، پیالے کو ڈھانپ کر ریفریجریٹر میں چار گھنٹے کے لئے رکھ دیں۔

ایک چھوٹے پیالے میں کریم اور آئسنگ شوگر پھینٹ لیں، جب کریم سخت ہونے لگے تو پھینٹنا بند کر دیں، تقریباً ایک تہائی کریم علیحدہ نکال لیں اور باقی کو ٹھنڈے ٹرائفل پر پھیلا دیں، جام کو اتنا گرم کریں کہ وہ پگھل جائے، اس کے بعد اس جام سے کریم پر لائنیں کھینچ لیں، اس کے بعد چھری کی نوک سے ان لائنوں کو اپنی طرف کھینچیں، اس کے بعد دوسری طرف اسی طرح کریں، باقی بچی ہوئی کریم سے کناروں پر پھول بنا لیں اور ان کے اوپر پستہ کاٹ کر ڈال دیں اور مہمانوں کو پیش کریں۔

شاہی حلوہ

اشیاء	
انڈے	پندرہ عدد
دودھ	تین لیٹر
شکر	ایک پیالی
گھی	ایک پیالی
بادام	بیس عدد
پستہ	ایک چوتھائی پیالی

ترکیب

انڈوں کو پھینٹ لیں تا کہ سفیدی اور زردی یکجان وہ جائے، دودھ کو اتنا پکائیں کہ وہ تقریباً آدھا رہ جائے، پستے اور بادام کی ہوائیاں کاٹ لیں، گھی کو بھی پگھلا لیجئے، دودھ جب ٹھنڈا ہو جائے تو اس میں پگھلا ہوا گھی، شکر اور انڈے ملا لیں اور پکانے کے لئے آگ پر رکھ دیں، گول گول چمچہ چلاتی رہیں، جب وہ گاڑھا ہونے لگے تو تیزی سے چمچہ چلائیں اور دھیان رکھیں کہ پیندے میں حلوہ چپکنے نہ پائے جب حلوہ پتیلی کی دیوار سے علیحدہ ہونے لگے تو اس میں پستہ اور بادام شامل کر دیں، دو منٹ مزید پکائیں اور پھر پیالے میں نکال لیں۔

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں، آپ سب کی صحت وسلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔

دور حاضر نے جہاں زندگی میں حیران کن حدتک آسانیاں پیدا کی ہیں، وہاں عام آدمی کے لئے زندگی کو اتنا ہی دشوار بنا دیا ہے، طرح طرح کے خدشات میں سانس لینے، ایک نہ معلوم خوف کے سائے تلے زندگی گزارتے لوگ، اعصابی تناؤ کا شکار ہوتے جا رہے ہیں جس سے معاشرے میں مجموعی طور پر ایک مایوسی اور بے چینی کی فضا جنم لے رہی ہے، مایوسی کی کیفیت سے نکلنے کے لئے حالات کے ساتھ ساتھ سوچ کو بھی بدلنے کی ضرورت ہے۔

زندگی کے مسائل اور دشواریاں اپنی جگہ لیکن زاویہ نظر کی تبدیلی سے بہتری ضرور آ سکتی ہے۔

ایسے میں ہماری کوشش ہوتی ہے کہ ماہنامہ حنا میں ایسی تحریریں پیش کی جائیں جو زندگی کے روشن پہلوؤں کو سامنے لائیں، خوش امیدی کا پیغام دیں اور ذہن میں ایک خوشگوار تاثر پیدا کریں۔

مایوسی کے اندھیرے میں گھرے لوگوں کے لئے امید کی ایک چھوٹی سی کرن زندگی کا پیغام لا سکتی ہے۔

اپنا بہت سا خیال رکھیئے گا اور ان کا بھی اور جو آپ سے محبت کرتے ہیں، آپ کو ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتے ہیں، اللہ پاک آپ سب کو ہمیشہ خوش وخرم رکھے آمین یارب العالمین۔

آیئے آپ کے خطوط کی محفل میں چلتے ہیں ہمیشہ کی طرح درود پاک، کلمہ طیبہ اور استغفار کا ورد کرتے ہوئے۔

یہ پہلا خط ہمیں نوشین ریاض کا چیچہ وطنی سے موصول ہوا ہے وہ لکھتی ہیں۔

اگست کا شمارہ سادہ مگر دلکش ٹائٹل سے سجا ملا، ''باتیں ہماریاں میں'' اگست کے حوالے سے بے حد خوبصورت کالم پڑھنے کو ملا، حمد ونعت اور پیارے نبی کی پیاری محفل میں پہنچ کر قلب وروح کو سکون ملا، عید سروے کا بقیہ حصہ پڑھا مزہ آیا، انشاء جی نے اس مرتبہ طالب علموں کے ساتھ گزرے دن کی روداد اپنے مخصوص انداز میں سنائی، پڑھ کر مسکراتے ہوئے سلسلے وار ناول ''دل گزیدہ'' کی طرف بڑھے، اس مرتبہ کی قسط کوئی خاص نہ چھوڑ سکی، نہ جانے کیوں محسوس ہوتا ہے ام مریم اس تحریر کو لکھتے ہوئے ڈبل مائنڈڈ رہے کچھ کی کھٹکتی ہے ناول میں، پلیز ام مریم ہمیں آپ کا وہی انداز چاہیے، محبتوں میں ڈوبا جو آپ کا خاصا ہے، ''اک جہاں اور ہے'' میں سدرۃ المنتہیٰ اپنے قلمی سفر کے عروج پر نظر آئیں، آخری قسط طویل اور انتہائی شاندار تھی ویل ڈن سدرۃ جی آپ نے ناول کا اختتام خوبصورت اور ہمیشہ یاد رہ جانے والا کیا ہر کردار کے ساتھ انصاف کیا کسی کے حصے میں بھی تشنگی نہیں آئی، اتنی اچھی تحریر لکھنے پر آپ دلی مبارکباد کی مستحق ہیں۔

کافی عرصے بعد مصباح علی تارڑ کا نام ناولٹ کے حصے میں جگمگا رہا تھا، ''عید، تجن اور تم'' بہت خوبصورت تحریر تھی، مکمل ناول میں ''خوابوں کا محل''، مصباح نوشین کے ناول کا تیسرا حصہ تھا، معذرت کے ساتھ مصباح آپ کی یہ تحریر پسند نہیں آئی نہ جانے کیوں آپ مونا لیزا کے خالق کا موازنہ کرنے پر مصر ہیں۔

''ایک سنگم چاند سا'' نائلہ طارق اور ''چاند کے روبرو'' سویرا فلک کی عید کے حوالے سے تحریر اچھی لگیں۔

افسانوں میں ''میٹھے رشتے'' سونیا چوہدری، ''محبت یوں بھی ہوتی ہے'' بے حد اچھے تھے جبکہ حمیرا نوشین کا افسانہ ''انعام'' سب پر سبقت لے گیا، رمضان المبارک کے روح پرور موقع پر ایسے بے شمار پروگرام مختلف ٹی وی چینل سے دکھائے جاتے ہیں، جن میں آنے والوں کی انسلٹ تو کی ہی جاتی ہے ان کی طرف گفٹ پھینک پھینک کر، ساتھ میں طنز کے تیر بھی چلائے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہدایت دے ایسے لوگوں کو، حمیرا نے بڑی اچھی عکاسی کی ایسے پروگراموں کی اپنی تحریر کے ذریعے۔

مستقل سلسلے بھی بہترین تھے، آپی پلیز میں نے پہلے بھی فرمائش کی تھی، اب دوبارہ کر رہی ہوں آپ ایک دن حنا کے ساتھ میں فلک ارم ذاکر، سونیا چوہدری، سباس گل کو ضرور بلوائیں۔

نوشین ریاض کیسی ہیں آپ؟ اگست کے شمارے کے لئے آپ کی تعریف اور تنقید مصنفین کو پہنچا دی ہیں، جو تحریر پسند آئیں اس کے لئے شکر گزار ہیں، ام مریم کے ناول کا ابھی سٹارٹ ہے جونہی یہ تحریر آگے بڑھے گی دلچسپ ہوتی جائے گی، بس اک ذرا انتظار، آپ کی فرمائش نوٹ کر لی ہے انشاء اللہ جلد پوری کریں گے اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہا کریں شکریہ۔

صائمہ رضا: ڈیرہ غازی خان سے لکھتی ہیں۔

اگست کا شمارہ خاصی تاخیر سے ملا، سرورق بھی اس مرتبہ کچھ خاص نہیں تھا، اس مرتبہ ابتدا سردار طاہر صاحب کی باتوں سے ہوئی جو کہ بے حد پسند آئیں، اس کے بعد حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول ﷺ سے فیضیاب ہوئے پھر اس کے بعد پیارے نبی کی پیاری باتیں پڑھیں، پڑھ کر دلی سکون ملا، آگے بڑھے اور ابن انشاء کے کالم میں پہنچے، ان کے بارے میں کیا کہیں، ان کے مزاح کے تو ہم پہلے سے ہی قائل ہیں، سلسلے وار ناول ''دل گزیدہ'' کی اس ماہ کی قسط بھی ہمیشہ کی طرح بے حد پسند آئی، ام مریم تو لکھتی ہی بہت اچھا ہیں ان کی تحریر کی کیا ہی تعریف کی جائے، آگے بات ہو جائے نایاب جیلانی کی، اس مرتبہ کی قسط میں نایاب نے کافی محنت کی ہے بہت سے واقعات واضح ہو کر سامنے آئے ہیں بلاشبہ نایاب بڑی محنت کے ساتھ تحریر کو آگے بڑھا رہی ہیں، مکمل ناول میں مصباح نوشین کی ''تیسری قسط'' کے آخر میں بھی باقی آئندہ دیکھ کر بلبلا اٹھے، مصباح جی آپ نے بلاوجہ اس تحریر کو لمبا نہیں کیا؟ جبکہ سویرا فلک کا ناول بھی ''چاند کے روبرو'' بھی کوئی خاص تاثر نہ چھوڑ سکا، اس سے پہلے سویرا کے افسانے ہی شائع ہوئے یہ ان کی پہلی طویل تحریر تھی، غالباً بھی وہ گرفت نہ رکھ پائیں، جبکہ نائلہ طارق نے اچھی کوشش کی ''اک سنگم چاند سا'' لکھ کر، ناولٹ مصباح تارڑ نے لکھا اور بہت خوب لکھا سب سے زیادہ ناولٹ کا عنوان پسند آیا، ''عید ملن اور تم'' بہت خوب مصباح دلی مبارک باد قبول کریں۔

''اک جہاں اور ہے'' کی بات ہی کیا کریں، سدرۃ المنتہیٰ آپ کی یہ تحریر ایک لازوال

تحریر ہے جو حنا کے قارئین کو ہمیشہ یاد رہے گی، بڑی محنت سے آپ نے اس ناول کو سمیٹا بہت شکریہ، اتنا اچھا اینڈ کرنے کا، آخر میں جو صفحہ آپ نے اس ناول کے بارے میں لکھا پڑھ کر احساس ہوا کہ آپ کو اپنی یہ تحریر کتنی عزیز ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو بہت سی خوشیاں اور کامیابیاں عطا کرے۔

افسانے اس مرتبہ بھی بہترین تھے، اس بار حمیرا نوشین کا افسانہ سب سے بیسٹ تھا۔

مستقل سلسلے بھی بہترین تھے، آخر میں آپی مجھے آپ سے ایک بات کہنی ہے کہ میں نے کافی افسانے وغیرہ لکھے ہیں مگر ابھی تک کہیں بھیجنے کی ہمت نہیں ہوئی ایک تو مجھے طریقہ کار بھی نہیں پتا کہ کیسے بھیجتے ہیں پلیز آپ مجھے تفصیل سے بتائیے میں آپ کی شکر گزار رہوں گی۔

صائمہ رضا خوش آمدید، اگست کے شمارے کے لئے آپ کی پسندیدگی کا شکریہ، آپ اپنی تحریریں ہمیں ضرور بھیجیں قابل اشاعت ہوئیں تو ہم ضرور شائع کریں گے، اگر تھوڑی بہت کمی بیشی ہوئی تو ہم نوک پلک سنوار لیں گے، باقی آپ کاغذ کے ایک طرف ایک لائن چھوڑ کر لکھیں اور بھیجتے وقت اپنا مکمل ایڈریس اور فون نمبر ضرور لکھیں، افسانے کی ایک کاپی اپنے پاس ضرور رکھیں ناقابل اشاعت تحریر واپس نہیں کی جاتیں، تحریر بھیجنے کا ایڈریس وہی ہے جو خط و کتابت کا ہے شکریہ۔

رابعہ انصاری: سیالکوٹ سے لکھتی ہیں۔

اگست کا شمارہ خوبصورت سرورق کے ساتھ موصول ہوا ہمیشہ کی طرح ابتدا ''باتیں ہماریاں'' سے ہوئی جو کہ بے حد پسند آئیں، اس کے بعد حمد و نعت اور پیارے نبیؐ کی پیاری باتوں سے استفادہ حاصل کیا، آگے بڑھے اور ابن انشاء کے کالم میں جا پہنچے، ہمیشہ کی طرح لاجواب تحریر، سروے کے بقیہ حصہ بھی اچھا لگا، سب سے پہلے بات ہو جائے سلسلے وار ناول ''پربت کے اس پار کہیں'' نایاب جیلانی کے خوبصورت لفظوں اور دلکش نظاروں سے سجی ایک خوبصورت تحریر، نایاب آپ کی یہ قسط بھی بے حد اچھی لگی، اگرچہ اب یہ تجسس عروج پر پہنچ گیا ہے، نیل بر کے ساتھ اب کیا ہو گا؟ ہمیں یقین ہے یہ تمام کردار یقیناً آگے جا کر ایک ہی دریا کے دھارے نکلیں گے، شدت سے اگلی قسط کا انتظار رہے گا، پہلے دو مرتبہ خط لکھا جو شائع نہ ہوا تو دل میں پکا عہد کیا تھا کہ آپ کو خط نہیں لکھنا مگر اس مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ کے ناول کی آخری قسط پڑھ کر بے اختیار کاغذ قلم اٹھا لیا، واہ سدرۃ جی کیا خوبصورت تحریر دی آپ نے حنا کے قارئین کو، ایک ایک لفظ ہیروں میں تلنے والا ہر کردار جاندار، کتنی خوبصورتی سے آپ ہر ایک کے دامن میں اس کے حصے کی خوشیاں ڈالی، پڑھ کر مزہ آ گیا، ہم آپ سے آئندہ بھی ایسی تحریر کی توقع رکھیں گے، ''دل گزیدہ'' ام مریم کا ناول اس مرتبہ بھی دلچسپی کے تمام عنصر سے لبریز تھا، سب سے زیادہ پسندیدہ کردار ''یارمن'' کا ہے یقیناً یہی ہے وہ خوش رو جو آگے چل کر والدین کے درمیان پل کا کردار ادا کرے گا، ویسے مریم جی یہ منیب کے سینے میں آپ نے دل کی جگہ پتھر کیوں نصب کر دیا، اتنی خوبصورت اور جان لٹانے والی بیوی اور منیب کی بے زاری کا عالم، اللہ اللہ کبھی کبھی تو ناول پڑھتے پڑھتے میرا بے اختیار دل کرتا ہے منیب کو دو تھپڑ لگانے کو، لیکن اس وقت دل میں ٹھنڈ پڑ جاتی ہے جب صاحب بہادر کے ابا جی لفظوں کی سنگ باری کرتے ہوئے منیب کی خبر لیتے ہیں، کاش کہ کبھی وہ ایک آدھ ہاتھ جھڑ بھی دیں اس اکڑوں خان کو، ناول
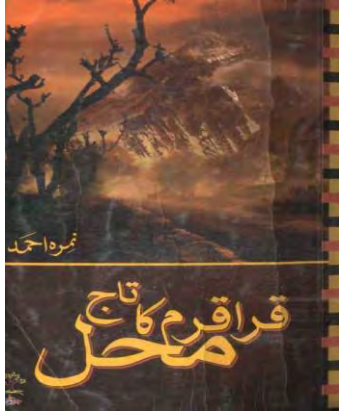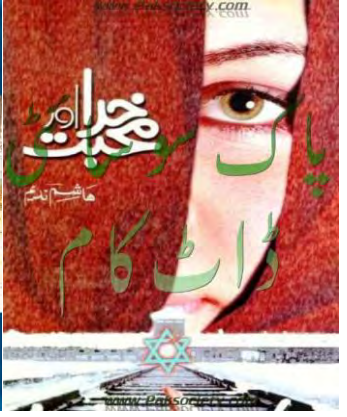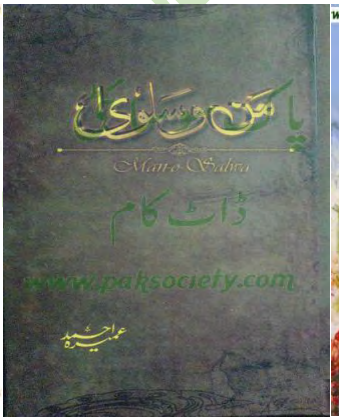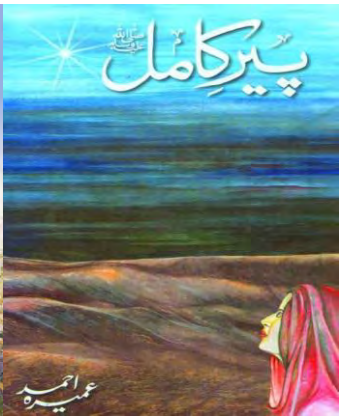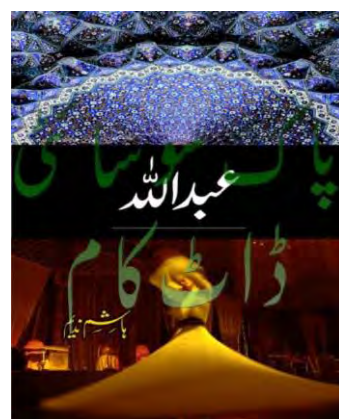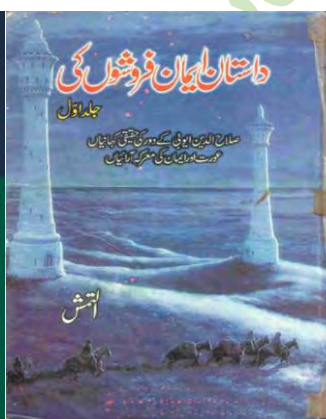
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

میں موں کا کردار کافی سسپنس سے بھرپور ہے، یقیناً یہ "صاحب جی" کے کردار میں بھی موں ہی ہے خیر آگے دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے، آخاآ، مصباح نارڈ صاحبہ تشریف لائی ایک عرصے بعد، مصباح یہ اتنے اتنے طویل "گرمیوں کی دوپہروں" جتنے لمبے وقفے کیوں دیتی ہیں آپ، مانا آپ اچھا لکھتی ہیں مگر ایسی بھی بے نیازی کیا، اس مرتبہ عید کے موضوع پر لکھا گیا آپ کا ناولٹ "عید ملن اور تم" بے حد پسند آیا، پلیز اتنا عرصہ غائب نہ رہا کریں کہ دل ناداں آپ کی تحریر کو ڈھونڈ ڈھونڈ نہ پائے، مکمل ناول میں مصباح نوشین کا ناول "ادھورے خوابوں کا محل" واقع ادھورے خوابوں کا محل ہی ہے، حقیقت میں ایسا کچھ بھی نہیں ہوتا، جبکہ "چاند کے روبرو" سویرا فلک نے اچھی کوشش کی یہ اور بات ہے کہ راستے میں نائلہ طارق "اک سنگم چاند سا" کہتی ہوئی ملیں، ہمیں یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ سویرا اور نائلہ نے مل کر عید کو خوبصورت بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی یہ وجہ تھی فوزیہ آپی نے جولائی کے بعد اگست میں بھی عید کا مزہ دوبالا کر دیا، ایسے میں افسانوں کے جھرمٹ میں حمیرا نوشین نے ہاتھ بلند کر کے سب کو "انعام" دے کر ایک سفاک حقیقت سے روشناس کروایا کہ شیطان کن کن روپ میں انسان کو گمراہ کرتا ہے وہ بھی عین اس وقت جب "حی الصلاح" کی گونج فضاؤں کو معطر بنا رہی ہوتی ہے، لیکن واہ رے انسان تو ہمیشہ کا نادان جو "حی الصلاح" کی پکار کو نظر انداز کر کے شیطان کی محفل کا حصہ بنتا ہے، آہ انسان تو واقعی خسارے میں ہے۔

سونیا چوہدری جی عید تو نام ہی ہے میٹھے رشتوں کے ساتھ وقت گزارنے کا اور پھر ایسے میں اگر تمثیلہ زاہد یہ کہہ رہی ہیں کہ "محبت یوں بھی ہوتی ہے" تو بلا جھجک ماریہ یاسر کو آگے کر دیں جو مسکراتے ہوئے "سب ٹھیک ہے" کہہ رہی ہیں، لیجئے اب ہم یہاں کریں بھی تو کیا، سوائے ان سب کے ساتھ مستقل سلسلے جوڑنے کے اور سلسلہ وہی اچھا ہوتا ہے جو مستقل ہو اور مستقل تو پھر حاصل مطالعہ، بیاض، رنگ حنا، کو خوبصورت جذبوں اور لفظوں کا پیرہن پہنچاتے ہوئے اس کی خوبصورتی کو بڑھانے کے لئے میری ڈائری سے موتیوں کا مالا پروئی، عین غین کی محفل میں جانے کے لئے جہاں چٹ پٹے پکوان سے سجا دستر خوان سجا تھا ساتھ میں ہی فوزیہ آپی خندہ پیشانی سے ہر ایک کو یکساں محبت بانٹ رہی تھیں بس جی ہم سے بھی نہ رہا گیا اور ہم بھاگتے ہوئے حنا کے آنچل میں اپنی چاہتیں ڈالنے آ پہنچے۔

رابعہ انصاری خوش آمدید، دل و جان سے آپ کو بے حد شکریہ آپ کی چاہتوں کا آپ کی محبتوں کا، ہمارا دامن تو کم پڑھ گیا، سمجھ نہیں آ رہا سنبھالیں تو کیسے، رکھیں تو کہاں؟ اگست کے شمارے کے لئے آپ کا تبصرہ بے حد اچھا لگا، آپ کے خط کی تحریر بتاتی ہے کہ آپ کے اندر ایک اچھی افسانہ نگار چھپی ہوئی ہے آپ اس طرف توجہ دیں ہمیں یقین ہے کہ آپ بہترین مصنفہ کے طور پر سامنے آئیں گیں، آپ کی رائے اور محبتوں کے لئے ہم دلی طور پر ممنون ہیں، آئندہ بھی آپ کی آمد کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆